مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیے سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

ین اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں تھی جس میں تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتون کی سیاسی علمی اور تمدنی تاریخ ہو، اس لئے دار المصنفین تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرا رہا ہے جس کے بعض حصّے یہ ہین اور بعض زیر طبع ہین، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہین، جو بتدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہون گے شائع ہوتے رہین گے،

تاریخ اسلام حصّۂ اوّل (عہد رسالت و خلافت راشدہ) ہین آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک فصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے (زیر طبع)

ضخامت: ۴۸۰ صفحے، قیمت: سے۳ر

یخ اسلام حصّۂ دوم، (بنو امیّہ) اس مین اموی حکو سالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،

ضخامت ۴۳۴ صفحے قیمت: سے۳ر

یخ اسلام حصّۂ سوم، (تاریخ بنی عباس جلد اوّل) مین خلیفہ ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ سے خلیفہ ابو اسحٰق قی للہ ۳۳۳ھ تک دو صدیون کی بہت مفصل سیاسی یخ ہے، ضخامت ۴۵۰ صفحے، قیمت: للعہ

یخ اسلام حصّۂ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم) ں مین خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ سے آخری خلیفہ تعصم باللہ ۶۴۰ھ تک خلافت عباسیہ کے زوال و تمہ کی سیاسی تاریخ ہے،

ضخامت ۴۳۲ صفحے، قیمت: صہ ر

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

یخ دولت عثمانیہ حصّۂ اوّل، اس مین عثمان اوّل سے مصطفٰے رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارنامون کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے

قیمت: سے ر

تاریخ دولت عثمانیہ حصّۂ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارنامون کی تفصیل، از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ/۱۸۰۸ء تا جنگ عظیم ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۶ء

ضخامت: ۴۶۸ صفحے، قیمت: ۰ صہ ر

مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، حکومت کا قیام، اور عہد بعہد کی ترقیون اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے،

۵۴۶ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ صقلیہ حصّۂ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیون کا مرقع ہے، جس مین عہد بعہد کے مفسرین، محدثین، فقہاء، ادباء و شعراء کے مفصل حالات اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے،

۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

مرتبہ: مولانا سید ریاست علی ندوی،

مسعود علی ندوی
منیجر
دار المصنفین اعظم گڑھ

"جلد ۵۹" ماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جنوری سنہ ۱۹۴۷ء "عدد ۱"

مضامین

مقالات

استفسار و جواب

باب التقریظ والانتقاد

اعلان

یکم جنوری سنہ ۴۷ء سے مستقل تاجروں کے لئے کمیشن سیرت پر ۲۵ فیصدی اور دوسری مطبوعات پر ۲۰ فیصدی کر دیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط و کتابت بے سود ہوگی،

"منیجر دار المصنفین"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صوبۂ بہار مین، ۸۰ فی صدی اکثریت والے لوگون نے ۱۳ فیصدی مسلمانون پر جس "بہادری" اور "دلیری" سے ستم ڈھائے ہین، وہ تاریخ کے صفحات بن چکے، اور اب اُن کے متعلق زمانہ کا مورخ اپنا فیصلہ لکھے گا، اس تباہی و بربادی کے بعد سب سے بڑا سوال اب یہان کے مسلمانون کے مستقبل کا ہے، بہار کے مختلف حصّون سے ہمارے یہان یاس انگیز استفسارات آئے ہوئے ہین، اور ہم نے وہان اپنی آنکھون سے بھی دیکھا کہ اچھے اچھے مضبوط لوگون کے قدم اکھڑ چکے ہین، وہ اپنے پشتہا پشت کے آبائی وطن سے ایسے بیزار ہین کہ اُن مین اس کی طرف کوئی کشش باقی نہین رہی، وہ اس مُوطن سے ہمیشہ کے لئے اپنا مُنہ موڑ لینے پر آمادہ ہین جس کی سرزمین پر ایمان کی شعاعین پھیلی ہوئی ہین جس کی فضا مین تکبیر کی صدائین گونجتی ہین، جہان جابجا اولیاء و صالحین کے ماثر و مقابر اور بزرگون کی تعمیر کی ہوئی مسجدون کے مینار بلند ہین، اور انہی آبادیون کے قبرستانون مین اُن کے آباؤ اجداد و دیگر اسلاف محو استراحت ہین،

⁂

اُن اسلاف نے کتنی جانفشانیون سے اس علاقہ کو فتح کر کے اپنا گھر بنایا تھا، کیا وہ اس آسانی سے چھوڑ دیا جائے؟ حق کی راہ مین مرنا اور مارنا تو مسلمانون کی زندگی کا شیوہ رہا ہے، مصائب سے خوف و ہراس مسلمان کی شان نہین، اس بدحواسی اور ابتری کے ساتھ ترک وطن کرنا میرے خیال مین مسلمانون کو برباد کر دے گا، اور اُن کی مزید اقتصادی تباہی کا باعث ہوگا، اس لئے اس مسئلہ پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنا ہے،

ہجرت کی عمومی تحریک تو اُس وقت صحیح کہی جا سکتی ہے جب دو مساوی درجہ حکومتین آبادی کے تبادلہ پر تیار ہو جائین، یا اگر تبادلہ منظور نہ ہو، تو مسلم حکومت یا حکومتین یکسر سب مسلمانون کو اس صوبہ سے اپنے صوبہ یا صوبون مین جگہ دینے اور دوسری سہولتین مہیا کرنے پر آمادہ ہو جائین، ہندوستان اور اس کے موجودہ صوبون میں حکومت کا آیندہ نظام کیا ہوتا ہے، یہ ابھی پردۂ غیب مین ہے، اس لئے اس منزل مین ہجرت کی حوصلہ افزائی کرنا

بڑی ہی ذمہ داری کی بات ہوگی، جو لوگ حالات کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے اس صوبہ سے ترک وطن کر کے جا چکے ہین، انھون نے اپنے پیچھے رہنے والون کو نہین دیکھا کہ اس صوبہ کے مسلمان پہلے سے زیادہ اقلیت مین ہوگئے، یا ہوجائینگے

مسلمانون کو جو کچھ کرنا ہے وہ وحدت کلمہ کے ساتھ کرنا ہے، اگر بہار کو آباد رکھنا ہے، تو سب رہین گے اگر چھوڑ کر نکلنا ہے تو سب نکلین گے، اگر ہجرت اور ترکِ وطن ہی کی نوبت آئی، اور آیندہ اس صوبہ مین مسلم کی جان کی حفاظت کا اعتماد کے لائق کوئی نظام نہ بن سکا، تو پھر وہان کے معابد و آثر راہ مین حائل نہین ہوسکتے، مسلم کی جان اور اس کا ایمان سب سے زیادہ بیش قیمت ہے، سوال صرف مسلمانون کی اجتماعی طاقت کا ہے، اس کی عدم موجودگی مین جب اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاک گھر خانۂ کعبہ کو بت پرستون کے قبضہ مین چھوڑ کر تشریف لیجا سکتے ہین، تو صوبہ بہار کے مسلمان وہان کی مسجدون اور بزرگون کے مزارون کی حفاظت پر مجبور نہین ہین،

لیکن بحمد اللہ اس صوبہ مین اتنے مسلمانون کی آبادی موجود ہے کہ اگر وہ اپنے انتشار کو دور کرلین، اور اس پاس کی آبادیون کو ایک مرکزی ادارہ سے مربوط کرلین تو وہ بفضلہ حملہ آورون کا مقابلہ اپنی قوت اور بل بوتے پر کر سکتے ہین، انھین صرف فرمانِ الٰہی وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال ع ۸) پر نظر رکھنی، اور اس کی روشنی مین اپنی اجتماعی زندگی کی شیرازہ بندی کرلینی ہے، تاکہ وہ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ کے مصداق بنین،

صوبہ بہار کے مسلمان ان دنون جس منزل مین ہین، ان کے مستقبل کی راہِ عمل کے لئے سورۂ انفال کی مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ سے انھین بہترین رہنمائی مل سکتی ہے، ہندوستان مین اکثریت و اقلیت کا مسئلہ برطانوی حکومت کے آغاز سے عالمِ وجود مین آیا ہے، تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان جہان رہے موجودہ زمانہ کی اصطلاح مین وہ اقلیت مین رہے، مگر ان کا قیام اللہ تعالیٰ کے فضل، اپنی خود اعتمادی اور قوتِ بازو پر تھا، وہ غیر کے سہارے جیتے نہ تھے، ان کی زندگی کسی دوسرے کی اطمینان دہی پر موقوف نہ تھی، انھون نے اپنے اقلیت مین ہونے کے باوجود حکمرانی کی، اور جہان رہے وہان انھون نے اپنے عقیدہ کی پختگی، اپنی سیرت و کردار کی مضبوطی، اپنے اخلاق کی بلندی، اور خصوصاً اپنی قوتِ ایمانی اور اپنے ہمسایون کے ساتھ حُسنِ عمل سے اُن کو اپنا گرویدہ بنایا، اور اکثریت کے افراد کو اپنے مین ایسا جذب کیا کہ ہزارون سے بڑھ کر لاکھون اور کرورون کی تعداد مین ہوگئے،

یہی روش آج بھی اُن کے لئے محمود کہی جاسکتی ہے، لیکن مسلم اقامت گاہون مین مسلمانون کا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اپنی قوت و طاقت کے بھروسہ پر اطمینان کی زندگی بسر کرنا اس کی اولین شرط ہے، ضرورت ہے کہ

بہار میں اندرونی دیہی آبادیوں کے مسلمان زمیندار اپنی زمینداریاں ختم کریں، بڑے قصبوں، آبادیوں اور ان کے آس پاس میں رہنے والے مسلمان زمیندار اپنی خود کاشتہ اراضی میں دیہی حلقوں کے مسلمانوں کو معاوضہ زمین دیکر بسائیں، اور اپنے سرمایہ سے ان علاقوں میں صنعتی کارخانے کھولیں، اور اپنے اور نوآباد مسلمانوں کے لئے معیشت کا سامان کریں، یہ اور اس قسم کی مختلف تجویزیں صوبہ کے مسلمان مفکرین سوچ سکتے ہیں، اور بہار کے مسلمانوں میں اس وقت جو عام انتشار اور خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے، اس کو دور کر سکتے ہیں،

بہرحال یہ ساری تجویزیں صوبہ بہار کے مسلمانوں کی آیندہ زندگی سے وابستہ ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان کے بروے کار آنے میں کچھ دیر لگے گی، پھر مستقبل میں سیاسیات کے مسائل کس نہج پر طے ہوتے ہیں، اس پر بھی نگاہ رکھنی ہے کہ اسی کی روشنی میں اس صوبہ کے مسلمانوں کی قسمتوں کا آخری فیصلہ ہونا ہے، سردست ضرورت ہے کہ وہ بڑے قصبوں اور آبادیوں میں مضبوطی سے اپنے قدم جمائے رہیں، ہجرت کی فوری تحریک کو اس وقت تک کے لئے روکا جائے جب تک ان کے لئے بہار کی سکونت کی ہر ممکن تدبیر ناکام نہ ہو جائے، البتہ وہ لوگ جو اپنے لئے سردست بہار کے بڑے قصبوں میں بھی کوئی معاشی سہولت حاصل نہ ہونے یا کسی اور سبب سے قیام نہ رکھ سکیں وہ عارضی طور پر کسی دوسرے محفوظ مقام پر چلے جائیں، مگر اس صوبہ سے اپنے وطن کا تمام تر تعلق برقرار رکھیں، کہ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا

صوبہ بہار کے دیہی علاقوں کے ان ستم زدہ مسلمانوں کی ایک دوسری مظلومیت بھی ذکر کئے جانے کے لائق ہے، کہ وہ جس دین پر قائم رہ جانے کے لئے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر پردیس میں نکلے ہیں اور مختلف مامنوں میں پناہ گزین ہیں، وہاں ہم نے بڑی حسرت سے دیکھا کہ ان میں کی بڑی تعداد اپنے اس دین کے ابتدائی عقائد و مسائل سے بھی آشنا نہیں ہے، ملک کے مختلف گوشوں میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی مرحوم کی تحریک سے وابستہ مخلصین کی جماعت اپنے طریق پر دین کی خدمت میں مصروف ہے، کیا اچھا ہو اگر وہ کچھ دنوں کے لئے ملک کے دوسرے گوشوں کو چھوڑ کر ان مظلوموں تک پہنچیں، اس وقت ان میں کام کی آسانیاں حاصل ہیں، وہ بڑی بڑی تعدادوں میں یکجا ہو گئے ہیں، گاؤں گاؤں جانے کی ضرورت نہیں ہوگی، مصائب و آلام سے ان کے دل خشیت و انابت سے معمور ہیں، وہ دین کی باتوں کو بڑی شیفتگی اور شگفتگی سے قبول کریں گے، صالح زمین موجود ہے، صرف چند باہمت و بیدار مخلصین کی ضرورت ہے کہ وہ دین کی خدمت انجام دینے کے لئے اللہ کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوں، انشاء اللہ وہ توفیق الٰہی سے کامران ہوں گے،

مقالات

مجددِ ملت
اور
قومیات و سیاسیات حاضرہ

از مولانا شاہ عبد الباری صاحب ندوی

(۲)

تحریکِ خلافت کے بحران مین خود حضرت علیہ الرحمۃ کی نسبت ایسے ہی حدود ناشناس اخبارون اور لوگون نے لعن وطعن، سب وشتم، کذب و افترا، اور تخویف وتہدید کا کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا تھا، جان تک کی دھمکیان آتی تھین، مگر دیکھو کہ مجدد دین کی دینی حدود شناسی نے صرف علماً نہین عملاً بھی اُن کے ساتھ کیا معاملہ کیا فرماتے ہین کہ

"یہان تک نوبت آگئی کہ علاوہ لعن وطعن اور طرح طرح کے بہتان والزامات کی دھمکی کے خطوط آتے تھے کہ یا تو شریک ہوجاؤ ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے، حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ نے غایتِ شفقت ومحبت کی بنا پر ایک خاص معتمد کی زبانی کہلا بھیجا کہ وقت خطرہ کا ہے، اگر بظاہر تھوڑی سی شرکت کر لو تو گنجایش ہے"

مگر جو جامع المجددین جامع وکامل دین کی تجدید کے لئے آیا تھا، وہ محض جان کے خوف سے اپنی تجدیدی بصیرت کے خلاف کوئی قدم کیسے اٹھا سکتا تھا، اور جواب اس کے سوا کیا ہوسکتا تھا کہ

"یہ آپ کی محبت وشفقت ہے سب سے بڑا خطرہ جان کا ہے سو اُس کے لئے مین اپنے نفس کو تیار پاتا ہون لیکن اس پر آمادہ نہین ہون کہ بلا نیت شرکت کرون، اور نہ اس پر قدرت ہے کہ بظاہر تو شرکت

کرون، اور باطن میں الگ رہوں، اس کو منافقت سمجھتا ہوں"،

فرمایئے کتنے ہیں جو سیاسیات حاضرہ میں اس منافقت سے پرہیز فرماتے ہوں بلکہ یہ منافقت تو

ست میں عین مہارت ہے! ایک مقام سے خط آیا کہ آپ کی (حضرت علیہ الرحمۃ) خاموشی (تحریک خلافت

ین) آپ کے چراغ زندگی کو خاموش کردے گی" فرماتے ہیں کہ میں نے اس خط کو ردی کی ٹوکری میں

ور ہود علیہ السلام کا یہ قول یاد آیا :-

"فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرون إنی توکلت علی اللہ ربی وربکم

الحمدللہ ان واقعات سے بہت نفع ہوا، مخلوق سے نظر بالکل اٹھ گئی" (الافاضات الیومیہ حصہ اول ص ۲۹)

کہنا یہ ہے کہ دشمنوں کی دشمنی کے اس بحران میں بھی دین کے مجدد و محافظ کی زبان وقلم سے علماً کوئی ایک

ایسا سنا گیا یا عملاً کوئی ایک جنبش بھی ایسی دیکھی گئی جو صراط مستقیم یا جادۂ شریعت سے ذرا متجاوز ہو، علم و

ب حدود کے اندر اور تجدید دین کے شایان شان نفس مسئلہ کی تحقیق میں تو حدود شناسی یہ کہ نہ کسی کی حمایت

ت کے جوش و غلو میں ایک ظنی مسئلہ کو قطعی قرار دے دیا، نہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہوتے ہوئے مخالفون

ر فسق یا جہل و ضلالت کا فتویٰ صادر فرمایا، بلکہ فرماتے ہیں کہ

"یہ تعاون و اتحاد شرعاً فی نفسہ نہ واجب ہے نہ حرام، ایک مباح امر ہے، یہاں تک تو کوئی اختلاف

نہیں، اب آگے بعض (یعنی خلافت کمیٹی والوں) کی نظر تو حکومت کے ساتھ عدم تعاون اور ہندوؤں

کے ساتھ اتحاد کے مصالح و منافع پر پڑی جن کا حاصل کرنا اُن کے خیال میں ضروری تھا، اس لئے

انھوں نے ان دونوں باتوں کو واجب و جائز کہا اور بعض کی نظر اس عدم تعاون اور اتحاد کے ایسے

موجودہ و آئندہ دینی مفاسد و مضار پر پڑی جن سے اجتناب ضروری تھا، انھوں نے ان دونوں

باتوں کو ممنوع کہا، اور احقر کی بھی یہی رائے ہے، بس یہ حقیقت ہے اس اختلاف کی جس سے معلوم ہوا

کہ اس کی دونوں شقیں قطعی نہیں بلکہ ظنی و اجتہادی ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش ہے گو کوئی

چھوٹے درجہ کا طالب علم ہی کسی بڑے عالم سے اختلاف کرے،

کاش حضرت مجدد وقت کا یہ مجددانہ محاکمہ آج بھی ہمارے علماء اور عوام سب کے پیش نظر ہوتا تو لیگ، کانگریس اور جمعیۃ وغیرہ کے عوام وخواص علماء وجہلاء میں آپس میں یہ تھوک فضیحت، رسوائی و ذلت اور ایک دوسرے کی توہین وتذلیل، سب وشتم کی گرم بازاری کیوں ہوتی، اور آج ہی کیا یہ بات تو قومیات، سیاسیات جیسے ظنی مسائل میں ہمیشہ ہی پیش نظر رکھنے کی ہے، مگر کیا کہا جائے، اور کیسے کہا جائے کہ مسلمانوں نے اپنے دینی اصول وتعلیمات کو خیر باد کہکر اپنی دنیا بھی کس درجہ ذلیل وبرباد کرلی، ورنہ حضرت مجدد وقت نے جو اس وقت سبق دیا تھا، وہ آج اور ہر وقت یاد رکھنے والا ہے کہ

"محض اس (قسم) کے اختلاف سے کسی فریق کو دوسرے فریق پر لعن طعن، سب وشتم یا اس کو گمراہ و جاہل کہنا یا کافر وفاسق ٹھہرانا یا قولاً وعملاً کسی طرح اس کے ساتھ جبر وتشدد یا ظلم وایذار کی روش اختیار کرنا، یا کسی بزرگ کا اس کو مخالف وبے ادب مشہور کرکے بدنام کرنا جائز نہیں"

(سوانح جلد سوم ص ۱۹۳)

پھر یہ بزرگ (حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) بھی آخر بڑے بزرگ وعالم اور محقق ہی تھے، اور گو تحریک خلافت میں من حیث عالم ومقتداے دین ہی کے سب سے آگے تھے، مگر نفس مسئلہ کو کیا قطعی یا حق کو صرف اپنے ہی راے وتحقیق میں منحصر تصور فرماتے تھے، اس کے اندازہ کے لئے صرف اتنا جان لینا کافی ہوگا، کہ کسی موقع پر ایک مولوی صاحب نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف شان کوئی کلمہ زبان سے نکالا تو فرمایا کہ

تمھیں کس طرح معلوم ہوا کہ جو میرا خیال ہے، وہی صحیح اور حق ہے، اور مولانا تھانویؒ کا خیال سراسر غلط ہے؛

اتنا ہی نہیں بلکہ ان مولوی صاحب کو حکم دیا کہ

"تم نے جس جس جگہ مولانا تھانوی کی نسبت کچھ کہا ہے، وہاں وہاں اُن کی مدح اور تعریف کرو تاکہ اس کا تدارک ہو جائے"

سُبحان اللہ علماء ربانین کی شان ہی الگ ہے، (سوانح ص ۱۹۰)

اسی طرح گو حضرت علیہ الرحمۃ کو اپنی تحقیق کی بنا پر ترک موالات وغیرہ کے نام سے جو طریقے تحریک خلافت میں اختیار کئے گئے تھے، اُن سے جیسا کچھ اختلاف تھا کون نہیں جانتا، مگر جب مولانا شبیر احمد صاحب دیوبندی نے خود حضرت ہی سے دریافت کیا کہ "ان مسائل میں جب اختلاف ہے، تو مجکو کیا کرنا چاہئے" تو جواب یہ عطا فرمایا گیا کہ "حضرت (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) ہم سب کے بڑے ہیں، مجھ پر اُن کو ترجیح دینا چاہئے" (سوانح ص ۱۰۳) واقعی اگر نفس و نفسانیت درمیان میں نہ ہو، تو تحقیقی و اجتہادی اختلاف کبھی مخالفت و عداوت کی صورت کیسے اختیار کر سکتا ہے،

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ تو حضرت علیہ الرحمۃ کے بزرگ اور استاد ہی تھے، لیکن اپنے معاندین اور سب و شتم کرنے والوں کے ساتھ بھی حضرت نے کیا جائز و "مظلومانہ جہر بالسوء" تک کو جائز رکھا، پس فرمایا تو یہ فرمایا کہ "کہہ لو بھائی جو تمہارا جی چاہے، اللہ سے معاملہ ہے، وہ تو دیکھ رہے ہیں، تمہارے بُرا بھلا کہنے سے ہوتا کیا ہے، اور میرا ضرر ہی کیا، بلکہ نفع کی توقع ہے، کہ کچھ نیکیاں مل جائیں، الحمد للہ مجھے ان قصوں میں کسی سے بغض نہیں ہوا، البتہ شکایت ضرور ہوئی، وہ بھی دوستوں سے، میں نے سب کو دل سے معاف کر دیا، جو کچھ کہہ چکے وہ اور جو آیندہ کہو وہ بھی، میری وجہ سے اگر کسی مسلمان کو عذاب ہوا تو میرا کیا بھلا ہوگا، اور معافی میں تو امید ہے، کہ حق تعالیٰ میرے اوپر رحم فرماویں" (افاضات الیومیہ حصہ اول ص ۲۹)

سبحان اللہ اگر کسی مسلمان میں سچا دین موجود ہے تو وہ دنیا کی بڑی سے بڑی مصیبت میں خود اپنی راحت اور اپنے پرائے دوست دشمن سب کے لئے کتنی بڑی نعمت و دولت ہے، آج کل کی طرح رد و قدح، قیل و قال، اعتراض و جواب کو بھی ایک آدھ بار کے اتمام حجت سے زائد کبھی پسند نہیں فرمایا، فرماتے ہیں کہ

"مدت دراز سے مجھ پر عنایت فرماؤں کی طرف سے بیجا اعتراضات کی بوچھار ہے جس میں اکثر
کا سبب تعصب اور تحزب ہے، جس کے جواب کی طرف احقر نے کبھی التفات نہیں کیا (جس کی وجہ
کیسی صحیح اور سچی یہ تھی کہ) "آج کل جواب دینا قاطع اعتراض نہیں، بلکہ ماده طول کلام ہو جاتا ہے
تو وقت بھی ضائع ہوا، اور غایت بھی نہیں حاصل ہوئی" (سوانح حصہ سوم ص ۱۵۵)

اس زمانہ میں جن چیزوں کو قومیات و سیاسیات کہا جاتا ہے، اگرچہ ان کا خمیر ہی تمامتر طرح طرح
کے مفاسد سے تیار ہوا ہے، تاہم تحریک خلافت کے دوران میں حضرت مجدد وقتؒ نے اپنے انتہائی معاندین
و مخالفین کے معاملہ میں بھی جو علم و عمل کی حدود شناسی و رہنمائی کا جو نمونہ چھوڑا ہے، اگر اسی کا لحاظ رہے تو کم از کم
ہم آپس کی اس شرمناک تفریق و تعین میں اور ایک دوسرے کی ایذا رسانی و آبروریزی کی رسوائی، اور جگ ہنسائی
سے محفوظ رہ سکتے ہیں، جو ہماری قومی و سیاسی زندگی کا گویا شعار بن گیا ہے، کہ کوئی اختلاف مخالفت و
عداوت بنے بغیر نہیں رہتا، نہ علم میں اختلاف رائے کے حدود کا خیال، نہ عمل میں اختلاف طریق کا تحمل!
باقی جہاں تک ان قومیات و سیاسیات کے نفس مقاصد اور وسائل کا تعلق ہے، تو اسلامی نقطۂ نظر
سے نہ وہ مقاصد ہی مطلوب ہیں، اور نہ مجدد وقت کی نگاہ میں اُن کے حصول کے رائج الوقت وسائل ہی
جائز ہیں، ہماری قومی و سیاسی جد و جہد کے مقاصد و وسائل سب غیروں کی تقلید میں اور غیروں ہی
کی طرح مال و جاہ اور حکومت کی بے قید و بند ترقی اور حصول بن گئے ہیں، یعنی وہی علوء فی الارض
کا ارادہ، حالانکہ اسلام کی تعلیمات پر کون سطحی نظر رکھنے والا بھی اس سے انکار کر سکتا ہے، کہ مسلمان کی
زندگی کا مقصود نہ قارون بننا ہے، نہ فرعون، اس کا مرنا جینا تو صرف دین کی ترقی یا اللہ کی رضا جوئی
کے لئے ہے، قومی و سیاسی علوء فی الارض کے لئے نہیں، بلکہ کلمۂ حق کے اعلاء کے لئے مال و جاہ اور
حکومت کے حصول کی اجازت بھی صرف انہی حدود تک اور انہی وسائل سے ہے، جو مرضی حق نے کلمۂ حق
کی سربلندی اور دین کی ترقی کے لئے مقرر کر دیئے ہیں، باقی آج کل ترقی کے بارے میں یورپ کی جو تقلید

کی جارہی ہے"، اس کی نسبت ارشاد ہے کہ

"یہ کورانہ تقلید ہے کیونکہ ان کی ترقی کا حاصل یہ ہے کہ کسی شے کے لئے کوئی حد نہیں، اُن کے یہاں تجاوز عن الحدود کا نام ترقی ہے، مگر اس کو کوئی عاقل ترقی نہیں کہہ سکتا، اور اسلام تو یقیناً نہیں کہہ سکتا، اسلام میں ہر شے کی ایک حد ہے، ... یورپ کی ترقی حقیقت میں ترقی نہیں، بلکہ جہل و حماقت ہے جس سے عافیت کے بجائے انسان آفت میں گرفتار ہو جاتا ہے، یہ ترقی نہیں بلکہ ترقی کا ہیضہ ہے، وبال جان ہے، کیونکہ حریص شخص کی ترقی کی کوئی حد نہیں، وہ کسی حد پر مطمئن نہیں"[1]

جس کو عافیت و اطمینان کی کچھ قدر ہے، اور قدر اصل میں اسی کو ہو سکتی ہے، جو جاہ و مال کی مادی ترقی یا خالص دنیا طلبی سے ماوراء کوئی اور اعلیٰ مقصد حیات سامنے رکھتا ہو جس کے حصول کے لئے وہ لازماً فرحت و عافیت کا طالب ہوگا، اور مادی و دنیوی حاجات پر از خود بقدر ضرورت اور حدود کے اندر قانع رہے گا، ورنہ ترقی کے اس "ہیضہ اور وبال" سے نجات پانے کی کیا صورت ہے، جس کا اس عالمگیر و عالم سوز جنگ نے سارے عالم کو مزہ چکھا رکھا ہے، اور مزہ یہ ہے کہ پھر بھی نہ یورپ کی آنکھیں کھلیں، نہ اُس کے اندھے نقالوں کی! بلکہ مال و جاہ اور حکومت و سلطنت ہر راستہ سے مادی حرص و ہوس کا جنون تیز سے تیز تر ہو گیا ہے، اور صاف ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ کی سُنت اللہ اُن کی ہلاکت کا ترقی کے اسی ہیضہ اور حرص و ہوس کے اسی جنون کی راہ سے فیصلہ فرما چکی ہے!

زیادہ حیرت و حسرت اسلام کا نام لینے والوں پر ہے، کہ جو کتاب و سُنت کی عینک رکھتے ہیں، اُن جو اس دور میں و خوردبین و دوربین عینک کی اعانت سے ساری دنیا کی امامت و رہنمائی کے لئے اُمتہ مبعوثہ بنائے گئے تھے، وہ بھی آگے ہونے کے بجائے ان اندھوں کے پیچھے ہوتے ہیں، اور مال و جاہ اور حکومت و سلطنت کی اسی حرص و ہوس کو ترقی کے پُرفریب نام سے معراج کمال سمجھنے لگے ہیں، جس کی بقول حضرت مجدد وقت

---

[1] [illegible]

اسلام نے جڑ کاٹ دی ہے،

"موجودہ ترقی کا حاصل حرص ہے اور شریعت نے حرص کی جڑ کاٹ دی ہے، صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھے کبھی ایسے خیالات کو دل میں جگہ نہیں دی، اور نہ حضور ہی نے کبھی اس کی تعلیم فرمائی، نہ سیرت میں کوئی ایسا واقعہ ہے، ان سب کی ترقی تو دین کی ترقی تھی، اگرچہ ساتھ ہی دنیا کی بھی وہ ترقی ملی، جو آج لوگوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں،

لیکن مقصود صرف دین کی ترقی تھی، چنانچہ اُن کی اس شان کو خود خدا تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ	یعنی یہ وہ لوگ ہیں، کہ اگر ہم ان کو زمین پر
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ	قبضہ دیں، تو یہ نماز ادا کرتے رہا کریں
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ	زکوٰۃ دیتے رہیں، اور بھلائیوں کا حکم اور
	بُرائیوں سے روک ٹوک کرتے رہا کریں'

یہ ہے ترقی کے بعد اُن (سچے اور پکے مسلمانوں) کے خیالات کا نقشہ! اب ذرا آج کل جن چیزوں ترقی کہا جاتا ہے، اسلام کی نظر میں اُن کی تفصیل و تحقیق مجدد اسلام کی نظر سے ملاحظہ ہو:-

جس ترقی کو لوگ ترقی کہتے ہیں، اس کے تین حصے ہیں، مال عزت اور حکومت، آج کل دوسری قوموں کے سامان عیش دیکھ کر مسلمانوں کی رال ٹپکتی ہے، مگر یہ نہیں جانتے کہ بھلائی اور سلامتی اسی میں ہے کہ اُن کو دنیا زیادہ نہ ملے، ورنہ رات دن دنیا ہی کی فکر میں رہتے اور آخرت سے غافل ہو جاتے"،

"صحابہ کرام سے بڑھکر کون نیک نیت ہوگا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خود صحابہ سے فرمایا کہ تمھاری کیا حالت ہوگی، جب کہ میرے بعد سلطنتیں اور شہر فتح ہوں گے، اور تمھارے پاس زیادتی کے ساتھ مال و سامان، غلام اور نوکر ہوں گے. صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے

عرض کیا یا رسول اللہ اُس وقت ہم عبادت کرنے کے واسطے فارغ ہو جائیں گے، اور مشقت سے بچ جائیں گے، حضورؐ نے فرمایا کہ تمھاری یہی حالت اچھی ہے، جو آج کل ہے"!

جب صحابہ کے لئے حضورؐ نے دنیا کو زیادہ پسند نہیں فرمایا تو اور دن کے لئے کب پسند فرماویں گے، اس لئے مسلمانوں کو دوسری قوموں کا مال دیکھ کر رال نہ ٹپکانا چاہئے، اولیٰک عجلت لھم طیبٰت ھم فی حیوٰتھم الدنیا، یہ تو وہ لوگ ہیں، جن کو ان کی نعمتیں (جو کچھ بھی تھوڑی بہت ملنا تھیں) دنیا ہی کی عارضی زندگی میں دے کر (ختم کر دی گئیں) اور آخرت میں ان کافروں کے لئے عذاب ہی عذاب ہے، اور مسلمانوں کے لئے تو دائمی راحت جنت میں ہے، دنیا میں تو ان کو بس اتنی ترقی چاہئے کہ پیٹ بھر کر روٹی مل جائے، ستر ڈھانکنے بھر کا کپڑا، اور رہنے کو مختصر سا مکان، اور اتنا الحمد للہ بہت مسلمانوں کو حاصل ہے، صحابہ کو حضورؐ کے زمانے میں اتنا بھی حاصل نہ تھا تو ہم تو اُن کے مقابلہ میں گویا بادشاہ ہیں،

"ارشادِ نبوی ہے کہ

من اصبح معافاً فی جسدہٖ آمنا	یعنی جو شخص اس حالت میں صبح کرے، کہ
فی سربہٖ عندہٗ قوت یومہٖ	بدن میں صحت ہو، دل میں بے فکری ہو،
فکانما حیزت لہ الدنیا	اور ایک دن کا کھانا اُس کے پاس ہو تو گویا
بحذافیرھا،	اُس کو تمام دنیا مل گئی،

آج کل کے ترقی پسند مسلمان تنزل کے اس وعظ کو خدا ہی جانتا ہے کہ کس پیچ و تاب کے ساتھ سُن رہے ہوں گے، مگر اس رنگ کو ذرا آزما دیکھیں تو معلوم ہوگا، کہ دل کس طرح زندگی کے پیچ و تاب اور کڑھن سے پاک ہو گیا، کچھ نہیں تو آزما ہی کے دیکھ لیا جائے،

سالہا تو سنگ بودی دلخراش — آزمون را یک زمانے خاک باش

باقی مال کو خود قرآن میں جو کہیں کہیں خیر یا بھلائی سے تعبیر فرمایا گیا ہے تو ارشاد ہے کہ

"اس کی بھلائی ہونے کی شرطیں اور حدود ہیں جن کی رعایت نہیں کی جاتی، اس لئے ہر مالی ترقی کو بھلائی کی ترقی نہیں کہہ سکتے، اور جس درجہ میں مالی بھلائی ہے، اُس درجہ ترقی کو ہم بھی نہیں روکتے، جائز بلکہ فرض کہتے ہیں، حضور کا ارشاد ہے کہ کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ حلال مال کمانا اور فرضوں کے بعد فرض ہے"

اسی طرح عزت وجاہ کی ترقی کی نسبت ارشاد ہے کہ وہ بھی حدود کے اندر نہ صرف مطلوب ہے بلکہ انحصار کے ساتھ اللہ ورسول کے بعد صرف مومنین ہی کا حق یعنی وہی صحیح و اعلیٰ عزت جو اللہ ورسول کے ساتھ تعلق اور ایمانی شرائط و حدود کے تحت حاصل ہو، چنانچہ خود

"حق تعالیٰ فرماتے ہیں، وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ کہ عزت تو بس (حقیقی و کامل) اللہ ہی کے لئے ہے، اور اُس کے رسول کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بھلا جس شخص کا اس آیت پر ایمان ہو وہ عزت حاصل کرنے سے کیسے رکے گا،

"اصل یہ ہے کہ عقلی طور پر انسان کو دو چیزوں کی ضرورت ہے، نفع کا حاصل کرنا، اور ضرر سے بچنا، آدمی جو کچھ بھی کرتا ہے، یا تو نفع حاصل کرنے یا ضرر سے بچنے کے لئے، دوسری بات یہ سمجھئے کہ ضروری چیزوں کے طریقے بھی ضروری ہوتے ہیں، تو اُس کا طریقہ مال اور عزت کا حاصل کرنا ہے مال فائدہ حاصل کرنے کے لئے اور عزت ضرر سے بچنے کے لئے، مثلاً ایک معزز آدمی اپنی جگہ اطمینان سے بیٹھا ہے ذلیل و کمینہ آدمی کی طرح نہ تو کوئی اُس کو بیگار میں پکڑ سکتا ہے، اور نہ ذلیل کر سکتا ہے

"اس سے معلوم ہوا کہ عزت و مال دونوں حاصل کرنے کے قابل ہیں، مگر وہی کہ طریقہ سے ہوں شریعت کی حد میں رہ کر ہوں، باقی جو لوگ مال وجاہ کی بُرائی کرتے ہیں، اُن کا مطلب اِن کی محبت سے منع کرنا ہے، محبت بھی وہ کہ جو حق تعالیٰ کی محبت سے بڑھی ہوئی ہو کہ مال و عزت

کی ہوس میں حق تعالیٰ کے حکموں کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے،

خود ارشاد ہے:۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَاءُکُمْ وَاَبْنَاءُکُمْ	فرما دیجئے کہ اگر تمھارے باپ بیٹے، بھائی، بیویاں
وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ	کنبہ اور وہ مال جن کو تم نے کمایا ہے، اور تجارت
وَاَمْوَالُ ِاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ	جس کے رک جانے سے تم ڈرتے ہو اور گھر جن کو
تَخْشَوْنَ کَسَادَهَا وَمَسَاکِنُ تَرْضَوْنَهَا	تم پسند کرتے ہو، یہ چیزیں اگر تمھارے نزدیک
اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ	اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں
جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ	جہاد سے زیادہ محبوب ہیں، تو پھر تم اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ،	کے حکم (یعنی اس کی قدرتی سزا اور عذاب)
	کا انتظار کرو۔"

بس مسلمان کے لئے مال و دولت، عزت و حکومت سب کی طلب و حصول کے حدود و شرائط کا کلی اصول اور بے خطا کسوٹی یہی ہے، کہ جب اور جس درجہ میں بھی یہ چیزیں انفرادی یا اجتماعی راہ سے، راہِ حق میں حائل ہوں، اُن کی محبت خدا و رسول کی محبت و فرمانبرداری پر غالب یا شریعت کی اطاعت میں مزاحم ہوں وہی اسلام کی نگاہ میں ملعون و مذموم دنیا طلبی ہے، یہی حال حکومت و سلطنت کا ہے کہ

"شریعت میں خود حکومت مقصود ہی نہیں، بلکہ مقصود مُلّاپن ہی ہے، اور ملّاپن ہی کا پھیلانا حکومت و سلطنت سے بھی مقصود ہے یعنی جو ایمان سے محروم ہیں، اُن کو اس کے ذریعہ سے ایمان سے مالا مال کیا جائے، یا اپنے ساتھ ملا کر (یعنی ذمی بنا کر) رکھا جائے تاکہ وہ ایمان و شریعت کے نور کو دیکھیں اور اپنی آنکھیں کھولیں۔"

"یہ نماز روزہ یا مُلّاپن ہی تو تھا جس کے پھیلانے کی خاطر حضرات صحابہ کے لئے حکومت کو پسند

فرمایا گیا، کہ اگر ان کو سلطنت و حکومت عطا ہو تو وہ اوس کو اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، اور بھلائیوں کے پھیلانے اور برائیوں کے روکنے میں استعمال کریں گے، (الذین ان مکنّاھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر)

"حاصل یہ کہ مال، عزت و حکومت تینوں کی ترقی سے اگر دینداری کی ترقی مقصود ہو، تو یہ سلف کی ترقی کے موافق ہو گی، یعنی یہ تینوں ترقیاں شریعت کی حد میں ہوں جن سے کسی حکم شریعت کے خلاف نہ لازم آئے، تب تو یہ بھلائی کی ترقی ہے، ورنہ پھر برائی کی ترقی، اور بہت بری، اور خالص حرص ہے، جن کا نام لوگوں نے ترقی رکھ لیا ہے تاکہ یہ عیب چھپا رہے، اور پھر اس کی کبھی اصلاح بھی نہ ہو سکے"

غیروں سے مطلب نہیں لیکن اپنوں سے ضرور اتنی درخواست کا جی چاہتا ہے، کہ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ آج کل کی قومیات و سیاسیات، مال وجاہ یا حکومت کے لئے جو بھی دوڑ دھوپ ہو، اس میں اللہ و رسول کی محبت و اطاعت کا کتنا حصہ ہے، اور یہ دین کے تابع ہے، یا اس پر غالب! غالب ہی نہیں، بلکہ اس کی طلب و حرص میں کیا قدم قدم پر، بڑے چھوٹے احکام دین کو انتہائی بے دردی و بے پروائی سے پامال نہیں کیا جاتا، نماز تک کا یہ حال ہے کہ کہاں تو اسلامی حکومت و سلطنت کی عین غرض و غایت ابھی اوپر خود قرآن کی آیت سے اقامت صلوٰۃ معلوم ہو چکی ہے، اور کہاں یہ حال ہے کہ ہمارے قومی سیاسی جلسوں اور جلوسوں بلکہ خود اللہ اکبر اور اسلام زندہ باد کے نعروں کے دوران میں غفلت ہی نہیں، اس بیباکی و جسارت کے ساتھ اضاعت صلوٰۃ ہوتی ہے، کہ نمازوں کے وقت پر وقت آتے اور چلے جاتے ہیں، پاس ہی مساجد میں موذن حی علی الصلاۃ، حی علی الصلاۃ پکار رہے ہیں، کہ آؤ نماز کے لئے، آؤ نماز کے لئے، مگر ہم ہیں کہ کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، نہ لیڈروں کے اور نہ پبلک کے، نہ عوام کے نہ خواص کے، اگر ہمارے یہ قومی و سیاسی جلسے اور جلوس واقعی اسلامی ہوتے، اللہ اکبر کے نعروں میں اگر

واقعی اللہ کے سب سے بڑے ہونے کا کچھ ادراک ہوتا، اور ہمارا اسلام اگر صرف زندہ باد کے نعروں میں نہیں بلکہ خود ہمارے دلوں میں کچھ زندہ ہوتا، تو کیا حی علی الصلوٰۃ کے نعرہ کے بعد بھی جلسہ کا پنڈال اسی طرح بے حس وحرکت مجمع سے کھچا کھچ بھرا رہ سکتا، اور جلوس اسی طرح بے فکری سے راستوں پر گذرتے چلے جا سکتے تھے کہ گویا حی علی الصلوٰۃ کی پکار کا مطلب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) بھاگو نماز سے بھاگو نماز سے! یہ مناظر دیکھ کر بعض دفعہ دل کانپ اٹھتا ہے، کہ خدا ہی اپنے غضب سے محفوظ رکھے، پھر ایسی حالت میں مسلمانوں یعنی اسلام کے احکام و تعلیمات کے آگے سر رکھ دینے کے مدعیوں کی قومی و سیاسی ترقی، ترقی کی پکار کا جو کچھ مطلب اور جو کچھ نتیجہ ہے، وہ دونوں ظاہر اور آنکھوں کے سامنے ہیں! زبان پر ہر وقت اسلام اسلام کا نام اور دعویٰ کے ساتھ عملاً اسلام کے احکام و تعلیمات کو قدم قدم پر اس طرح ٹھکرانا کیا نصرت وحق کے بجائے قہر د غضب کو دعوت دینا نہیں!

مسلمان خوب یاد رکھیں کہ خدا و رسول کے دامن کو اس طرح جھٹک کر پھر لیگ، کانگریس، جمعیۃ العلماء کسی کے دامن میں بھی اُن کے لیے پناہ نہیں، دین تو دین غیروں کی کورانہ نقالی میں اُن کے ساتھ جس دنیا کے پیچھے دوڑے جا رہے ہیں، اُس کی ترقی بھی ہرگز ہرگز نصیب نہیں ہو سکتی، نہ مال کی نہ عزت کی، نہ سلطنت کی، بلکہ آنکھیں ہوں تو روز بروز افلاس، ذلت، محکومی و ذلت ہی کی ترقی ہے، اور یہ حال کچھ تنہا ہندوستان کا نہیں، بلکہ عرب و عراق، ترکی و افغانستان وغیرہ جہاں برائے نام مسلمانوں کی حکومت ہے وہاں بھی غیروں کی نقالی اور اسلام سے روگردانی کا حشر اس ترقی ......کے سوا کچھ نہیں،

اس حقیقت پر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ نے مواعظ و ملفوظات وغیرہ میں مختلف طریقوں سے بکثرت تنبیہ فرمائی ہے، اوپر الافاضات الیومیہ کے مجموعہ ملفوظات حصہ سوم (ص ۲۹۰ تا ص ۲۹۵) سے جو اقتباسات نقل کئے ہیں، اور جو مختلف مواعظ سے اخذ کر کے اسلام و ترقی کے عنوان سے جمع کر دیئے گئے ہیں اُن کا پہلا عنوان یہی ہے، کہ "غیر قوموں کی تقلید مسلمانوں کو مفید نہیں" ارشاد ہے کہ

"میں یہ نہیں کہتا کہ جو تدبیریں یورپ اور غیر اقوام نے اختیار کی ہیں، ان کا دنیوی کامیابی میں کوئی اثر نہیں، ہاں یہ ضرور کہوں گا کہ مسلمانوں کو ان تدبیروں سے فائدہ نہیں حاصل ہو سکتا کیونکہ مسلمانوں کے لئے ان تدبیروں کے اثر کرنے میں ایک رکاوٹ ہے، اور وہ رکاوٹ اُن کا خدا کی نافرمانی اور گناہ کرنا ہے، اور یہ رکاوٹ کافروں کے لئے نہیں ہے، کیونکہ ان پر جزئی اعمال کی ذمہ داری ہی نہیں، اُن پر تو پہلے ایمان لانے کی ذمہ داری ہے، اور ایمان نہ لانے اور کفر کرنے ہی پر ایسا سخت عذاب ہوگا، کہ جس سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں، باقی عملوں کی نہ اُن سے پوچھ ہوگی، نہ سزا ملے گی،

اور مسلمانوں سے الحمد للہ کہ کفر ہٹا ہوا ہے، اُن سے تو عملوں پر پوچھ ہوگی، اور جب ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں، جو خدا کے حکم کے خلاف ہیں، تو اُن کو کامیابی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اُن تدبیروں سے اثر کو دور کر دیتے ہیں تاکہ اس کی مخالفت کی سزا دنیا ہی میں بھگت لیں، ہر قوم کی ترقی و کامیابی کا طریقہ الگ ہے، یہ ضرور نہیں کہ جو طریقہ ایک قوم کو فائدہ دے، وہی سب کو فائدہ دے، اور اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ تدبیریں ہمیں بھی فائدہ دیں گی، تب بھی خداوندی احکام کی پیروی فرض ہے، اور ان تدبیروں کا اختیار کرنا ہرگز روا نہ ہوگا، اور وہ فائدہ ہی کہاں ہوا کہ جس میں خدائے تعالیٰ کا غضب نازل ہو، اس لئے مسلمانوں میں ان تدبیروں سے ترقی نہیں ہو سکتی بلکہ اور تنزل ہوگا، اور ہوتا جا رہا ہے،"

راقم ہذا کی فہم میں تو غیروں کا فائدہ اور دنیوی ترقی بھی بس ظاہری ظاہر ہے، ورنہ در اصل اس قرب ترقی ہی کی راہ سے .... دنیا میں بھی ان کو ان کی بغاوت کی سزا دے رہی ہے، ساتھ ہی اُن کے نقالوں کو بھی اور اس دور جنگ کے بعد بھی اس بے لگام ترقی کا ... جو نظر نہیں آ رہا ہے، تو احقر کا گمان ہے کہ یہ جنگ نہیں قہر عذاب ہے[1]

---

[1] اگر نمونۂ قہر و عذاب یا پیش خیمۂ قہر و عذاب کہا جائے، تو بہتر ہوگا، اصل قہر عذاب تو وہ ہے، جس کی زد میں

جس کا سلسلہ ان مقہورین و معذبین کو ختم کر ہی کے ختم ہوگا، اسی پر فریب دنیوی ترقی کی نسبت تو ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ترقی ہی کی راہ سے عذاب دے کر کافرون کو اُن کی کافرانہ موت کے انجام تک پہنچانا چاہتا ہے

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ"

بس خدارا مسلمانو! تم تو اس سراب ترقی کا فریب نہ کھاؤ، نہ تمھاری یہ ترقی ہے، اور نہ دین سے بیگانہ ہو کر تم دنیا کی کوئی ترقی کر سکتے ہو، ایک وعظ مسمّیٰ "بالاخوۃ" میں اتحاد و اتفاق کی شرعی و عقلی تحقیق فرمائی گئی ہے، اس کے سلسلہ میں ترقی کی نعالانہ حقیقت بالا کی نسبت ارشاد ہے، کہ

"اس وقت ہماری حالت یہ ہو رہی ہے کہ ترقی و اتحاد بھی کرتے ہین، تو اس طریقہ پر جس پر کفار نے ترقی کی ہے، حضور کے طریقہ پر نہ ہماری ترقی ہے، نہ اتحاد، حالانکہ ہم کو کفار کی چیزون کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی بھی ممانعت ہے، لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا .... فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى،

آگے اپنی طرف سے ترقی کا طریقہ بتلاتے ہین کہ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى، اس آیت مین نماز کی پابندی اور تقوی کا حکم ہے، اور اس کو کفار کی ترقی کے مقابلہ مین بیان کرنا اس کی دلیل ہے، کہ اسلامی ترقی کا کیا طریقہ ہے، (صفحہ ۲۲)

یعنی وہی کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا جائے، اس کے احکام اور اوامر و نواہی کا اتباع کیا جائے جس کا قرآنی اصطلاح مین نام تقوی ہے، اور یہ تعلق و تقوی نماز ہی سے پیدا ہوتا اور نماز ہی سے قائم رہتا

(بقیہ حاشیہ ص ۱۷) صرف مجرمین یا اکابر مجرمین ہی آئین، نہ کہ وہ تکوینی آفات و مصائب جن کی لپیٹ میں فاسق و متقی، و مومن سبھی آجاتے ہین، (عبد الماجد)

اسی لئے کفار کی ترقی کے مقابلہ میں اسلامی ترقی کے سب سے پہلے نماز ہی کی پابندی نہ صرف کرنے بلکہ کرانے کی طرف متوجہ فرمایا گیا، کہ وامر اھلک بالصلوٰۃ،

"البتہ یہ مطلب نہین کہ دنیا کے سارے کام چھوڑ دو اور نماز روزہ ہی کے ہو رہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دنیا کو اصل مقصود نہ سمجھو"

بس یہی ساری غلطیون کی جڑ ہے، کہ آج کل کی ترقی مین دنیا کو اصل مقصود بنا لیا گیا ہے، اور اسلامی ترقی مین دنیا بالکلیہ دین کے تابع ہے، البتہ دین کی ضرورت سے دنیا مین مشغول ہونا عین دین ہے، جس کی تمثیل مین ارشاد ہے، کہ

"اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کھانے کی ضرورت سے کنڈے جمع کئے جاتے ہین، اور جب کوئی پوچھتا ہے کہ یہ کھانا کتنے مین تیار ہوا، تو اس کی فہرست مین کنڈے اور لکڑی بھی شمار ہوتی ہین، اسی طرح جب دین کے لئے دنیا کماؤ گے، تو وہ محض دنیا نہ رہے گی، اب اس کا لقب نعم المال ہوگا، جس کا لقب پہلے (الدنیا جیفۃ) تھا، کہ دنیا گندی و حرام ہے، بس کسب دنیا ضرورۃً مذموم نہین، ہان مقصوداً مذموم ہے، جیسے کوئی شخص کنڈون ہی کو مقصود سمجھے، اور انہی کو کھانے لگے، تو وہ احمق ہے، اور ان کو روٹی کے توے کے نیچے جلا دے تو بڑا عاقل ہے، مطلب یہ ہے کہ اصل مقصود تو دین کو سمجھو، پھر دنیا تابع ہو کر خود ہی آجائے گی، اور اس وقت وہ دنیا نہ ہو گی، بلکہ وہ بھی دین ہو جائے گی" (صفحہ ۲۳)

اس کے بعد ارشاد ہے کہ تاریخی طور سے بھی مسلمانون کو دیکھنا چاہئے، کہ اُن کی ترقی کیونکر ہوئی:-

"یہ مت دیکھو کہ کفار کی ترقی کیونکر ہوئی، کیونکہ ہر قوم کا باطنی مزاج الگ ہے، یہ ضرور نہین، کہ جو طریقہ ایک قوم کو مفید ہو وہ سب کو مفید ہو، بلکہ یہ بھی ضرور نہین کہ جو صورت ایک

قوم کے کسی فرد کو مفید ہو، وہ سب افراد کو مفید ہو، چنانچہ تجربہ ہے کہ کسی کو تجارت سے ترقی ہوتی ہے، کسی کو ملازمت سے کسی کو زراعت یا حرفت سے"

"صاحبو! لطیف المزاج کو وہ چیزیں نافع نہیں ہوتیں جو ایک گنوار کو نافع ہوتی ہیں، ایک طبیب نے کسی گاؤں میں دیکھا کہ ایک گنوار نے چنے کی موٹی موٹی روٹیاں سات آٹھ کھائیں اور اُن کے اوپر ایک ...... بھرا ہوا چھاچھ کا پی گیا، حکیم صاحب نے کہا اب تیری خیر نہیں چھاچھ کو درمیان میں پینا چاہئے تھا، تو گنوار نے اوپر سے چار پانچ روٹیاں اور منگا کر صاف کر دیں، اور حکیم صاحب سے کہا لیجئے تو چھاچھ بیچ میں ہو گئی، حکیم صاحب نے کہا کہ بھائی تو چاہے بیچ میں کر یا اوپر تجھے کچھ نقصان نہ ہوگا، بھلا کوئی شہری بھی ایسا کر سکتا ہے، پھر ترقی کے باب میں آپ ایک ہی طریقہ سب کے لئے کیونکر مفید سمجھتے ہیں، یہاں یہ شبہہ زائل ہو گیا، کہ اگر ان اسباب میں ترقی کی خاصیت نہیں، تو کفار کو اُن سے نفع کیوں ہوتا ہے، جواب یہ ہے کہ تم اسلام کے بعد لطیف المزاج ہو گئے ہو، تمھارا مزاج شاہانہ ہو گیا ہے، تم کو وہ صورت مفید نہ ہو گی، جو گنواروں کو مفید ہے"۔

حضرت اہل اللہ کی مثالیں کیسی دلنشین ہوتی ہیں، اور کیوں نہ ہوں، آخر حضرات انبیاء بلکہ خود اللہ تعالیٰ کی ضرب الامثال کا پرتو ہوتی ہیں، ایک اور مثال سے اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے، کہ دنیا میں بظاہر حق تعالیٰ کا کافروں اور نافرمانوں کے ساتھ ترقی کا معاملہ کیوں ہے، وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مثال .... ہے،

جیسے سر کی ٹوپی کہ جہاں اُس میں ذرا سی ناپاکی لگی فوراً اتار کر پھینک دیجاتی ہے، اور جوتے میں اگر ناپاکی لگ جائے تو اس کو پھینکتے نہیں، اسی طرح حق تعالیٰ تم کو ناپاکی اور گندگی میں ملوث دیکھنا نہیں چاہتے، اگر تم ملوث ہوگے تو فوراً دھوبی کے پٹرے پر کوٹے پیٹے جاؤ گے، اور کفار چاہے جتنا ملوث ہو جائیں گوارا کیا جائے گا،

راقم ہذا کو تو اکثر یہ خیال ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے درحقیقت اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و وفاداری کا میثاق و معاہدہ کر رکھا ہے، اس لئے قدرتاً اُن کی نافرمانی و غداری زیادہ مستوجب غضب عتاب ہوتی ہے، رعایا اور غیر رعایا اور رعایا میں بھی عام رعایا، اور ان عہدہ داروں کی بغاوت بادشاہ کی نگاہ میں کیسے مساوی ہو سکتی ہے جن کے سپرد سلطنت کا کاروبار کیا گیا ہے اور جو اسی کو اپنا فرض منصبی سمجھ کر انجام دہی کے لئے وفاداری کا حلف اٹھا چکے ہیں، ان کی تو بادشاہ کی طرف سے اعانت و نصرت اسی وقت تک اور اسی درجہ میں ہوگی جس وقت تک اور جس درجہ میں یہ اپنے عہد و پیمان کو استوار اور اپنی وفاداری کو برقرار رکھیں گے، یہی مسلمانوں کی ترقی اور تنزلی کا تاریخی سبق و تجربہ ہے،

پس اگر تم ترقی کرنا چاہتے ہو تو دیکھو کہ پہلے مسلمانوں کو ترقی کیونکر ہوتی تھی جن لوگوں نے حضرات صحابہؓ کی ترقی کا حال تاریخ میں دیکھا ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ ان حضرات کو صرف اتباع دین کی وجہ سے ترقی ہوئی. وہ دین میں پختہ تھے، اُن کے معاملات و معاشرت اور اخلاق سب بالکل اسلامی تھے، اس لئے ایک طرف تو دوسری قوموں کو خود بخود اسلام کی طرف کشش ہوتی تھی، اور صحابہ کی حالت دیکھ کر جوق جوق اسلام میں داخل ہوتی تھیں، دوسری طرف اگر کسی نے مقابلہ کیا، تو چونکہ انھوں نے خدا ے تعالی کو راضی کر رکھا تھا اس لئے خداے تعالی ان کی مدد کرتا تھا یہی تو وجہ ہے کہ باوجود بے سروسامانی اور قلت تعداد و تیاری بڑی بڑی سلطنتوں کو اُن سے آنکھ ملانے کی ہمت نہ ہوئی، (ص ۲۴)

صاحبو! تم دین پر چلو دنیا خود ...... ساتھ ساتھ آجائے گی، ہمارے حضرت حاجی (امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے تھے کہ دنیا اور دین کی ایسی مثال ہے کہ جیسے پرندہ اور سایہ، تم پرندہ کو پکڑلو، سایہ ساتھ ساتھ آجائے گا، اور اگر سایہ کو پکڑو گے، تو نہ وہ ہاتھ آئے گا، اور نہ یہ" (صفحہ ۲۷)

ع یزدان بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

تم ایک مرتبہ ہمت کرکے بس خدا کو پکڑ لو، پھر ساری خدائی تمھاری ہے، اور چونکہ دین مین کوئی تکلیف مالا یطاق نہین، اتنی بھی نہین، بلکہ اس کی عشر عشیر بھی نہین جتنی کہ دنیا طلبی مین ہوتی ہے، اس لئے دین طلبی یا خدا کو پکڑنا بہت آسان ہے، تم اگر محکوم ہو تو حکومت الٰہیہ قائم کرنے کی بھی تکلیف نہین، بلکہ محکوم رہ کر بھی خود اپنے اوپر جس قدر اور جس درجہ مین حکومت الٰہیہ قائم کرنے یعنی احکام شریعت کی اطاعت کی استطاعت ہے، وہ مقدم ہے، اور جس دن تم بہ استطاعت خود اپنے اور اپنے اتباع یا اہل و عیال کے اوپر حکومت الٰہیہ قائم کر لوگے، تو وہی تمھاری حقیقی سلف گورنمنٹ اور ہوم رول ہوگا، اور اس دن کے بعد پھر واللہ ثم واللہ کسی غیر اللہ کی مجال نہین کہ محض اپنی مشین گنون یا ایٹم بمون سے تم پر اپنا حکم چلا سکے۔ مگر تم نے تو عرب و عجم ہر جگہ غیرون سے بھی بڑھ کر مال و جاہ اور حکومت و سلطنت ہی کو بالذات مقصود و مطلوب بنا رکھا ہے، اور غیر مسلم جان و مال کی جتنی قربانی قوم و وطن کے......کاذبہ و آلہٴ باطلہ کے لئے کرتے ہین، اس کے پاسنگ بھی تم......حق اور دین حق کے لئے نہین کرتے، تو پھر سایہ کے پیچھے دوڑنے سے شکار کیسے ہاتھ آسکتا ہے،

بہرکیف حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی قومیات اور سیاسیات کے باب مین بھی اصل تجدید کا حاصل یہی ہے، کہ اُن چیزون مین بھی ہماری منزل مقصود اور اس کا راستہ سب دین اور صرف دین ہے، نہ ہمارا ہی مقصود آج کل کی بے دینی کی آزادی و خود مختاری حکومت و جمہوریت، مساوات و اشتراکیت ہے اور نہ ہمارا... جلسے اور جلوس، ہڑتال اور احتجاج نہ اپنی طرف سے قید و بند اور پولیس کے ڈنڈون یا فوج کی مشین گنون کو دعوت دینا اور نہ ستیہ گرہ اور مرن برت کی خودکشی، یہ مقاصد و تدابیر سب سرتاسر غیرون کی تقلید و نقالی ہین، ہمارے کامل دین نے الحمد للہ منزل مقصود و سائل و تدابیر کے باب مین بھی ہم کو غیرون کی پیروی و رہنمائی کا محتاج نہین چھوڑا، سب کے ضوابط و اصول عطا فرما دیئے ہین،

ن کی روشنی و رہنمائی مین جزئی و وقتی استنباطات کے ذریعہ ہم ہر نو پیدا صورتِ حال کا مقابلہ کر سکتے ہین
ب ملفوظ مین ارشاد ہے کہ

"مسلمانون کی شان کے بالکل خلاف ہے کہ وہ دوسری قومون کی روش اختیار کرین،
یا ان کی تدابیر ترقی کو اپنا ذریعۂ ترقی بنائین، یا ان سے کسی قسم کی امداد کے خواہان ہون، بڑے
غیرت کی بات ہے، ان کو تو حق تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہئے، مشروع تدابیر اختیار کرنی چاہئے،
سلف کے کارنامون کو پیش نظر رکھنا چاہئے، اسی مین اُن کی خیر و فلاح ہے، جو سبق مسلمانون
کو دیا گیا ہے، اس مین قوت بھی ہے، شجاعت بھی ہے، سب کچھ ہے، اس مین ہم کو تبلایا گیا ہے
کہ غلبہ سامان سے نہین ہوتا، بلکہ قوتِ قلب سے ہوتا ہے، (اور مسلمانون کو) قوت قلب مُیسّر
ہوتی ہے خدا کے ساتھ تعلق بڑھانے سے، اور خدا کے ساتھ تعلق بڑھتا ہے خدائی
احکام کی اتباع اور خدا کی تبلائی ہوئی تدابیر پر عمل کرنے سے، مگر مسلمانون کے دلون مین
اسے کیسے اتارون،

ایک مومن کامل کی طرح اس پر اس درجہ کامل ایمان و وثوق ہے کہ آگے فرماتے ہین کہ
"خدا کی ذات پر بھروسہ کرکے قسم کھا کر کہتا ہون کہ بالاتفاق سب مسلمان احکام حق پر عمل پیرا
ہو جائین، اور حق تعالیٰ کے راضی کرنے کی کوشش مین لگ جائین، تو چند روز مین انشاءاللہ
کایا پلٹ جائے"

اس سے بھی بڑھ کر یہ ارشاد ہے کہ "اگر بہ نیتِ اتباع ایسا نہ کرین تو ایک تدبیر ہی کا
درجہ سمجھ کر دیکھین، آخر اور بھی تو تدابیر کر رہے ہو، ایک یہ بھی سہی، تمھارا مقصود تو مقاصد
مین کامیابی ہے (خواہ کسی راہ سے ہو) تو جب تمھاری ساختہ پرداختہ (بلکہ دراصل غیرون
کی آموختہ) تدابیر مین اب تک کامیابی نہین ہوئی، تو اللہ اور رسول کی تبلائی ہوئی تدابیر

کو تمام بیر ہی کی نیت سے کرکے دیکھ لو، کہ کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اگر کامیابی نہ ہوگی تو
چھوڑ دینا، لیکن کرکے دیکھو تو! کرنے سے پھانسی کیوں لگتی ہے، مرے کیوں جاتے ہو،
کوئی پکڑ کر تھوڑا ہی تم کو بٹھلائے گا، بہت دنوں تک بتوں کی پرستش کرکے تجربہ کرلیا،
اب ذرا خدا کو بھی پوجکر دیکھ لو،

ایک شخص مدت سے بت کے سامنے بیٹھا صنم صنم پکار رہا تھا، ایک روز بھولے سے صمد
منہ سے نکل گیا، فوراً آواز آئی، لبیک یا عبدی لبیک، یعنی کیا کہتا ہے میرے بندے:
میں موجود ہوں، اس نے جوش میں آکر بت کو ایک لات رسید کی، کہ کمبخت عمر کا ایک بڑا
حصّہ تم کو پکارنے میں گذر گیا، ایک دن بھی جواب نہ دیا، آج سچے خدا کا نام بھولے سے زبان
سے نکل گیا، فوراً جواب ملا، سو وہ تو بڑی رحیم وکریم ذات ہے، جس کو تم بھلا رہے ہو، اور
جس سے تعلق کم کر رہے ہو،

بس کوئی انگریزوں کی بغل میں جا گھستا ہے، کہ اُن کے پاس ہماری فلاح وبہبود کے
اسباب ہیں اور اس مقلدانہ حماقت میں اُن کی سی بولی چالی، اُن کا سا لباس، اُن کی سی
معاشرت تک اختیار کر لیتا ہے، کوئی ہندوؤں کی بغل میں جا گھستا ہے، کہ اُن کے ساتھ
اتحاد میں ہماری فلاح وبہبود ہے، اور ان کے ساتھ شریک ہوکر احکام اسلام
تک کو پامال کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں حتی کہ ایمان تک اُن کی نذر کر دیا، مگر رہے کورے
کے کورے، نہ انگریزوں سے کچھ ملا، اور نہ ہندوؤں سے،

(الافاضات الیومیہ حصّہ پنجم ص ۴۴، ۴۵)

اور اب انگریزوں اور ہندوؤں (وفد وزارت یا وائسرائے اور کانگریس) دونوں سے مایوس
ہوکر مسلم لیگ کھدّرپوش کی بغل میں گھسنے کی سوجھ رہی ہے،"

انسانوں کی ساختہ پرداختہ اور غیروں کی آموختہ آج کل کی قومی وسیاسی تحریکات کی تدابیر پر ایک طویل ملفوظ میں حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے خیالات کا کسی قدر تفصیل سے اظہار فرمایا ہے، خلاصہ ان کا یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے شریعت کی منصوص راہ وتدبیر یا تو قتال وجہاد ہے اور جب تک اس کے اسباب وشرائط منصوصہ فراہم نہ ہوں، اس وقت تک صبر وسکون کے ساتھ ایمان وعمل صالح میں استقامت وپختگی کی کوشش وتیاری جاری رہے، جو کفر سے مقابلہ یا اسلامی جہاد کے لئے سب سے اہم واقدم تہیہ ہے، باقی کسی جابر وقاہر حکومت وسلطنت کا آئین شکنی (سول نافرمانی) یا اقدام عمل (ڈائرکٹ ایکشن) وغیرہ کے ذریعہ مقابلہ کرکے یا ہمسایہ قوم کے ساتھ خانہ جنگی میں مبتلا کرکے مسلمانوں کی جان ومال کو گنوانا (جس کا ابھی ابھی کلکتہ میں کیسا غمناک وعبرتناک تجربہ ہوا) یہ نہ اسلامی جہاد وقتال ہے، اور نہ اس میں صبر وانابت یا رجوع الی اللہ کے ساتھ اس دینی اصلاح حال کے لئے امن واطمینان نصیب جو مسلمانوں کے حق میں اصلی تدبیر ہے، یہ رائج الوقت تدابیر حضرت مجدد وقت کے نزدیک جائز کیا سرے سے حرام اور خودکشی کی صورتیں ہیں، مومن کی جان ومال اس کی ملک نہیں، وہ اس کا صرف امین ہے، اس کا مرنا جینا سب خدا کے لئے اور خدا کے حکم سے ہے، جب تک اس کا علم واطمینان نہ ہو کہ جس مقصد کے لئے، اور جس راہ سے وہ جان ومال دے رہا ہے، وہ خدا کی راہ اور خدا کی مرضی ہے، اس وقت تک بدن کا ایک رویاں بھی دینا جائز نہیں، احقر اسلامی سیاست وجہاد اپنے جامعہ عثمانیہ کے لکچروں میں ہمیشہ بلا شرم وحجاب کہا کیا کہ محض ملک وقوم کی آزادی خریدنے یا جمہوریت واشتراکیت کے قیام کے لئے اپنے جسم کا ایک رویاں پیش کرنا بھی معصیت جانتا ہوں، ہاں خدا ورسول کی مرضی وحکم کے آگے مومن کی جان ومال سب بے قیمت ہیں "

ذیل میں ملفوظ مذکور کے ضروری اقتباسات درج ہیں، یہ ملفوظ کشمیر کے متعلق ایک مولوی صاحب کے کچھ سوالات کے جوابات کی صورت میں ہے، پہلا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے جو جتھے کشمیر جارہے ہیں

ان کا مقصود لڑنا نہیں صرف حکومت پر اثر ڈالنا ہے، یہ صورت شرعاً کیسی ہے ؟ جواب میں ارشاد ہے کہ

"یہ شرعی لڑائی تو ہے نہیں اب دو ہی صورتیں ہیں یا قتال پر قدرت ہے یا عجز، اگر قدرت ہے تو قتال ورنہ صبر، درمیان میں اور کوئی چیز نہیں، اور نہ یہ درمیانی صورتیں سمجھ میں آتی ہیں، اور نہ آج کل کی درمیانی صورتیں اسلامی صورتیں ہیں، سب دوسری قوموں کی تقلید ہیں،

لیکن اگر بغیر لڑے ہوئے اس صورت کو اختیار کر کے کامیابی ہو جائے، تو اس کے اختیار کرنے میں شرعاً کیا حرج ہے، اس کے جواب میں فرمایا کہ

یہ تھوڑا ہی حرج ہے کہ نص کے خلاف ہوا ...... اب اس صورت کا نصوص کلیہ میں داخل ہونا ثابت کر دیں، تو میں بھی مان لوں گا، خدانخواستہ ضد یا ہٹ تھوڑا ہی ہے، باقی نصوص کے مقابلہ میں اجتہاد و قیاس کوئی چیز نہیں اور نہ ہم کو اس قسم کے تصرف کا حق ہے،

سوال آیت جہاد میں "مِنْ قُوَّةٍ" نکرہ ہے، اور اس وقت جیل جانے کی قدرت ہے،

جواب :- قدرت سے یہ قدرت مراد نہیں، بلکہ جس قدرت میں خصم کو کوئی ضرر ہو اور اپنا ضرر یقینی نہ ہو،

سوال :- جیل جانے میں تو کوئی ضرر نہیں معلوم ہوتا، اور خصم کا ضرر ہے یعنی اغاظت پھر کیا حرج ہے،

جواب :- اگر قدرت اضرار ہی ہے تو اس کی بھی قدرت ہے، کہ دشمن کے منہ پر تھوک دیں، یا ڈھیلا ماردیں، مگر اس میں اپنا ضرر ہے، اس لئے ایسا نہیں کرتے، حاصل وہی کہ قدرت سے مراد وہی قدرت ہے، جس میں دشمن کا ضرر ہو،

اور اپنا فرض یقینی نہ ہو خوب سمجھ لیجئے کہ قدرت کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں، اس پر سب کو قدرت ہے، لیکن اس کے کر لینے کے بعد جن خطرات کا سامنا ہوگا اُن کے دفع پر قدرت نہیں، دوسرے یہ کہ فعل پر بھی قدرت ہے، اور اس کے کر لینے کے بعد جو خطرات پیش آئیں گے، اُن کی مدافعت پر بھی قدرت ہو، پہلی صورت لغوی استطاعت ہے، اور دوسری شرعی استطاعت، اور مدافعت کی فرضیت کے لئے پہلی نہیں، بلکہ دوسری یعنی شرعی استطاعت شرط ہے جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا، کہ من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہٖ فان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ ہے،

ظاہر ہے استطاعت باللسان ہر وقت حاصل ہے، پھر اس کے انتفار کی تقدیر کب محقق ہو گی، یعنی اگر کسی فعل کی فرضیت کے لئے محض اس فعل پر قادر ہونا کافی ہو، اور اس سے جو خطرات پیش آنے والے ہوں، اُن کے دفاع پر قدرت ہونا شرط نہ ہو، تو زبان سے انکار کرنا ہر وقت فرض ہونا چاہئے، کیونکہ زبان کا چلا دینا ہر وقت ہی قدرت میں ہے، پھر وہ کونسی صورت ہو گی جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر زبان سے بھی مٹانے کی قدرت نہ ہو تو دل سے مٹا دے، اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہو کہ اس فعل پر قدرت کے ساتھ اس میں ایسا خطرہ نہ ہو جس کی مقاومت و مقابلہ بظن غالب عادۃً ناممکن ہو، ایک شرط یہ بھی ہو کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں نہ مبتلا ہو جائیں،

جھوٹ کا جیل جانا، جلنا، یا بھوک ہڑتال وغیرہ کرنا خودکشی کے مرادف ہے، اور خودکشی سے اگر کسی کو فائدہ پہونچے، تب بھی تو جائز نہیں، یعنی اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خودکشی سے کفار پر اثر ہوگا، تو کیا خودکشی جائز ہو جائے گی، اور جیلوں میں جانا اور بھوک ہڑتال کرنا کیا خودکشی کے مرادف نہیں،

اس پر سوال ہوا کہ "ضرر تو قتال میں بھی ہے، ایسا اثر ضرر کہ جان جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے، کہ چونکہ قتال مقصود و منصوص ہے، اس لئے اس کے ضرر کا اعتبار نہیں، اور یہ نئی تدابیر اور طریقۂ کار غیر منصوص ہیں، اس لئے اس کے ضرر کو دیکھا جائے گا، اور دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصود یہ ہے کہ فتنہ نہو، قتال فتنہ نہیں کیونکہ قتال میں طبیعت یکسو ہوجاتی ہے، اور ان امور میں تشتت و پراگندگی اور اضاعت وقت ہے،

"اصل یہ ہے کہ لوگ فقہ کو نہیں دیکھتے، پروگرام بناتے وقت اور فقہ کو بھی محض رائے سے دیکھنا کافی نہیں، اور نہ مفید ہے، بلکہ نصوص اور ذوق کے ساتھ دیکھنا مفید ہے، نہایت دقیق فن ہے، اس واسطے میں ہمیشہ احتیاط کے پہلو کو ترجیح دیتا ہوں"

اور جو مجدد وقت تجدید دین ہی کے لئے مبعوث ہوا ہے، اس سے بڑھکر وقت کی چیزوں کے متعلق صحیح ذوق و فراست ایمانی کا دعویٰ کون کرسکتا ہے اور احتیاط کے پہلو کو ہر معاملہ میں اور ہر قدم پر مرعی رکھنا یہ تو حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کا وہ حصہ ہے، جس میں زیادہ کا تصور بھی دشوار ہے،

اس کے بعد سائل کی طرف سے ایک سوال یہ ہوا، کہ من قتل دون عرضہ ومالہ فھو شھید سے جان دینا جائز نکلتا ہے، تو بھوک ہڑتال وغیرہ کی گنجایش معلوم ہوتی ہے"؟ اس کے جواب میں ارشاد ہوا کہ

"قتل سے مراد خودکشی نہیں، بلکہ قتال ہے یعنی اس نیت سے جنگ کرو، اور لڑو کہ جان، ایمان اور مال بچ جائے، پھر اس قتال میں اگر جان چلی جائے، تو وہ شہادت ہے، قتل ہونا خود مقصود نہیں، بلکہ قتال سے اگر لازم آجائے تو اس کا جواز نکلتا ہے، غرض مقصود قتل نہیں قتال ہے، وہ بھی جب اس کی سب شرطیں پائی جائیں، اور موانع مرتفع ہوں، جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں ہے، اور خود قتل کا مقصود نہونا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن مجید میں

یُقتلون (بصیغۂ مجہول) ہر جگہ یُقتلون (بصیغۂ معروف) کے بعد ہے جس سے معلوم ہو کہ
یقتلون (بصیغۂ مجہول) خود مقصود نہین، بلکہ یقتلون (بصیغۂ معروف) سے کبھی
لازم آجاتا ہے۔"

یہ ہے تفقہ فی الدین اور فہم نصوص کا مجددانہ ذوق، اب پھر سائل نے یہ سوال اٹھایا، کہ "پوری قدرت تو نہین، مگر جو کچھ بھی ہے اس کا استعمال کس طرح کرین، کچھ تو کرنا ہی چاہئے" اس کا جواب ملاحظہ ہو کہ

"یہ بھی آپ ہی بتا سکتے ہین کہ کیا کرنا چاہئے، میری سمجھ مین تو اس سے زیادہ نہین آتا، کہ اُن کو تبلیغ کرو، دین سکھاؤ، اس کے بعد لڑاؤ (یعنی باضابطہ جہاد) میں پوچھتا ہون کہ ہجرت کے بعد جو مسلمان مکہ مین تھے، اُن کی جانین تک جاتی تھین، اُس وقت اہل مدینہ نے ایک بھی جتھا نہ بھیجا اور جب تک آیتِ قتال نازل نہ ہوئی، صبر کے سوا کوئی حرکت اس آئینی جنگ کی جاری نہ ہوئی بس جنگ کرو تو اسلامی کرو، آئین بآئین کہان کی خرافات نکالی"،

پھر چند سوالات کے بعد ایک سوال یہ ہوا کہ "منصوص تدابیر کے مقابل مین اُن تدابیر کو منع تو نہین کیا گیا اُن کی نسبت نہ نہی وارد ہے، نہ حکم، تو اس صورت مین اُن کو مسکوت عنہ کہا جائے گا، ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے" اس کا جواب خصوصًا قابلِ توجہ ہے،

"جن چیزون کی حاجت خیر القرون مین نہ ہوئی، اور خیر القرون کے بعد پیش آئین، اور نصوص اُن کے خلاف موجود ہون، تو وہ مسکوت عنہا ہو سکتی ہین، لیکن اُن چیزون کی حاجت تو ہمیشہ ہی پیش آتی رہی، پھر بھی نصوص مین صرف جہاد یا صبر ہی کا حکم ہے، تو اس اعتبار سے یہ مسکوت عنہ نہین بلکہ منہی عنہ ہوا، کہ باوجود ضرورت کے متقدمین نے اس کو ترک کیا تو اجماع ہوا اس کے ترک پر اس لئے ممنوع ہوگا"

علاوہ ان سب باتوں کے ایک اور باریک بات ہے، جن کو سمجھ لینے کی ضرورت ہے، کہ ہر کام
کے لئے حدود کی ضرورت ہے، جن کی ان تحریکات میں بھی ضرورت ہے، سو اُن کا تحفظ کون کرے گا
یا کرائے گا، ایک لڑکا زمانۂ خلافت میں ہجرت کر گیا، اس کی ماں روتے روتے اندھی ہوگئی، تو اس
کو کون دیکھے گا، کہ کس کو جانا (یا ایسی تدابیر میں پڑنا شرعاً) چاہئے، اور کس کو نہیں چاہئے، لہذا اگر
تدابیر جدیدہ جائز بھی ہوں، تب بھی اس کی ضرورت ہے، کہ کوئی امیر (ماہر و متبع شریعت) ہو
تاکہ حدود کی رعایت خود بھی کرے، اور دوسروں سے بھی کرائے، بلا ایسے امیر کے کچھ نہیں ہوسکتا"

اسی سلسلہ میں امیر کے متعلق تحریک خلافت کے زمانہ کا ایک بڑا دلچسپ اپنا مکالمہ ایک بڑے پرجوش
ذہین و فہیم شریک تحریک کے ساتھ بیان فرمایا، جو سننے اور سمجھنے کے لائق ہے، ان پُرجوش نوجوان کو دعوی
تھا، کہ حضرت کو پانچ منٹ میں قائل کر کے تحریک خلافت میں شریک کرلیں گے، چنانچہ آتے ہی اُنھوں نے کہا
کہ بلا تمہید عرض کرتا ہوں، کہ آپ اس تحریک میں شریک کیوں نہیں؟ حضرت نے فرمایا، کہ

"میں بھی بلا تمہید عرض کرتا ہوں کہ جو کام اس وقت اٹھا ہے، اس میں ضرورت ہے اتفاق
کی، حدوثاً بھی اور بقاءً بھی، اول تو مجھکو حدوث اتفاق ہی میں کلام ہے لیکن علی سبیل التنزل
مان بھی لیا جائے، تو بقاء کا کون ذمہ دار ہے، بقاء کے لئے صرف ارادہ کافی نہیں، قہر و قوت
کی ضرورت ہے، اور وہ قوت امیر المومنین ہے، اور اس وقت مسلمانوں کا کوئی امیر المومنین
نہیں، جو اُن کی قوت کو ایک مرکز پر جمع رکھ سکے، جو روح ہے اس کام کی۔۔۔۔۔۔۔ کہنے لگے،
ہم آپ ہی کو امیر المومنین بناتے ہیں، میں نے کہا کہ میں تیار ہوں، مگر کچھ شرائط ہیں، اول یہ کہ
ہندوستان کے تمام مسلمان اپنا تمام مال و جائداد میرے نام ہبہ کر دیں، میں بھیک مانگنے والا
امیر المومنین نہیں بنوں گا"

ایسے کام چندوں سے نہیں چلا کرتے ہیں اور جن کے چلے ہیں، اُن کے مال اُن کی جان اُن کی

آبرو اُن کے بی بی بچے ..... سب خدا کی راہ میں اپنے کو قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے اور اصل مقصد میں سب متحد تھے، خلوص سے اُن کے قلوب پُر تھے، اُن کی ہمسری کا کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے، اور اس کا کوئی وقت مقرر نہیں کہ کب تک یہ ضرورت رہے، ..... اگر کوئی ضرورت خرچ کی فوری پیش آ گئی، اور پلے ہے نہیں، اب اگر رقم وقت و موقع پر نہ پہنچی تو سوائے ناکامی کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے، مثلاً ضرورت آج ہے، اور آپ کھڑے ہوئے چندہ کو تو کیا فرض ہے کہ فوراً کامیابی ہو جائے تو ایک یقینی ضرورت کو احتمالی بات پر معلق کرنا کونسی عقلمندی ہے، تو کام سے پہلے اس کا انتظام کیا جائے،

"اس سرمایہ سے جو میرے نام ہبہ ہوگا، سامان جمع کروں گا، ساتھ ہی سب کو حسبِ حیثیت ذاتی انشاء اللہ تعالیٰ خرچ دوں گا، اور یہ بھی اطمینان دلاتا ہوں کہ بعد فراغ و کامیابی سب کی جائداد وغیرہ بجنسہٖ واپس کر دوں گا"

دوسری شرط یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام مشاہیر علما، اور لیڈروں کے دستخط کراؤ کہ وہ مجھ کو امیر المومنین تسلیم کریں، اگر ایک نے بھی اختلاف کیا تو میں امیر المومنین نہیں ہو سکتا، ہاں اگر تسلیم کے بعد پھر کوئی خلاف یا اختلاف کرے، تو امیر کو حق ہے کہ اپنی قوت سے ایسے لوگوں کو دبائے، اور ٹھیک کرے،

"اب سنئے امیر المومنین ہونے کے بعد سب سے اوّل یہ حکم دوں گا کہ دس سال کے لئے سب خاموش، ہر قسم کی تحریک اور ہر قسم کا شور و غل بند، اور اس دس سال میں انتظام کروں گا مسلمانوں کے مسلمان بنانے کا اور ان کی اصلاح کا، پھر اس مکمل انتظام کے بعد جو مناسب ہوگا، حکم دوں گا، اور اگر محض کاغذی امیر المومنین بنانا چاہتے ہو، تو نتیجہ یہ ہوگا، کہ آج امیر المومنین ہوں گا، اور کل کو اسیرانگا فرنگ، آج سردار ہوں گا اور کل کو سرِ دار ہوں گا،

"یہ تقریر سُن کر اُن کی سب ذہانت ختم ہو گئی، اور یہی مقصود تھا کہ اُن کو اپنے خیالی منصوبوں کی حقیقت معلوم ہو جائے ورنہ کون امیر المومنین بنتا ہے، اور کون بناتا ہے، خلاصہ یہ کہ ہر کام اصول سے ہو سکتا ہے، بے اصول تو گھر کا انتظام بھی نہیں ہوتا ملک کا کیا خاک ہو گا.......... اصول کے ماتحت کام کرو، جوش سے نہیں ہوش سے کام لو، جوش کا انجام خراب نکلے گا، حدود شرعیہ کی حفاظت رکھو، لیکن ان باتوں کو لوگ اپنے مقاصد میں روڑا اٹکانا سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر احکام اسلام کو پامال کر کے کوئی کام ہوا بھی تو وہ دین کا کام بہرحال نہ ہو گا،....... تحریک خلافت کے زمانہ میں صاف الفاظ میں کہا جاتا تھا کہ یہ مسائل کا نہیں کام کا وقت ہے، ایک مولوی صاحب جو ان تحریکات میں نہایت جوش اور سرگرمی سے کام کر رہے تھے، مجھ سے خود بیان کیا کہ ہم کو اس تحریک میں وہ کام کرنے پڑے ہیں کہ اگر علماء کو معلوم ہو جائیں تو کفر کا فتویٰ دیدیں، یہ تو حالت ہے اور دعویٰ دین کی خدمت کا ہے"

ایک موقع پر ایک صاحب نے کہا کہ پہلے آپ کے بزرگ بھی تو کھڑے ہوتے تھے یعنی حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، حضرت نے کیا خوب فرمایا کہ

"مجھ کو یہ بھی خبر ہے کہ کھڑے ہوتے تھے، اور یہ بھی خبر ہے کہ بیٹھ بھی گئے تھے، اور پھر آخر تک بیٹھے ہی رہے، اب بتلاؤ کہ اپنے بزرگوں کے متبع ہم ہوئے کہ آپ، اس لئے کہ آپ منسوخ پر عمل کر رہے ہیں، اور ہمارا عمل ناسخ پر ہے، پھر کچھ نہ بولے، خدا معلوم کیا سمجھ رکھا ہے، حالانکہ جن وجوہ و اسباب کی بنا پر ان حضرات نے بیٹھ جانے کو ترجیح دی تھی، وہی اسباب اب بھی موجود ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ ابتری و کمزوری نظر آرہی ہے"

حضرت کی نظر تو ہر طرف جاتی ہے، آگے فرماتے ہیں کہ

"اور عوام کے بھروسہ پر جب کہ اُن میں دین بھی پورا نہ ہو کبھی ایسے کام میں ہاتھ ڈالنا

نہایت خطرناک ہے...... خصوصاً اس حالت میں مضر ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں جب کہ دوسروں کے کندھوں پر بندوق چلائی جا رہی ہو صاف کہتے ہیں کہ بدون برادران وطن کی شرکت کے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ایسی قوت کے بھروسہ پر جس سے کسی وقت بھی اسلامی خیرخواہی وہمدردی کی امید نہیں، کام کرنا کہاں تک عقلمندی کہلائی جا سکتی ہے، نہ شرعاً نہ عقلاً، ہزارہا واقعات شب وروز مشاہدہ ہو رہے ہیں، کہ وہ کسی طرح اور کسی وقت اسلام اور مسلمانوں کے خیرخواہ نہیں ہو سکتے۔"

اور جو اصل چیز ہے کہ مسلمانوں میں دین پیدا ہو، اُن کی قوت ایک مرکز پر جمع ہو، اُن کا کوئی امیر ہو، اس کا کہیں نام ونشان نہیں، بس بھیڑ کی چال ہے، کہ جس طرف ایک چلی، سب اوسی طرف چل دیتی ہیں، میں تقسیم کہتا ہوں اور خدا کی ذات پر بھروسہ کر کے کہتا ہوں کہ اگر مسلمان مضبوطی کے ساتھ دین کے پابند ہو جائیں، آپس کے منافشات ختم کر دیں، اپنی قوت کو ایک مرکز پر جمع کر لیں، اور جس کو اپنا خیرخواہ سمجھ کر، بڑا (امیر) بنائیں، اس کے مشوروں پر عمل کریں، سر مو اعراض نہ کریں تو پھر اُن کو نہ کسی کی شرکت کی ضرورت، نہ کسی سے ڈرنے کی، نہ اُن کا کوئی کچھ بگاڑ سکتا ہے، ہر کام طریقہ اور اصول سے ہوتا ہے،

"ہماری تو ہستی کیا، صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہم) جن کی مقبولیت اور فراست اور عقل تمام دنیا کو تسلیم ہے، انھوں نے بھی ساری عمر یہی کام کئے، مگر اصول اور حدود کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا، یہ تو ہر شخص کی زبان پر ہے، کہ اُن کو کامیابیاں ہوئیں، اُن کی نصرت ہوئی، وہ تمام عالم پر بے سروسامانی کی حالت میں غالب آئے، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ اُن کا طریقۂ کار کیا تھا، ان کا اس جد وجہد سے مقصود کیا تھا، اُن کی نیت کیا تھی، اُن کے اعمال کیسے تھے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کیا کرتے تھے، وہ احکام اسلام پر

کس درجہ عامل تھے، اُن کے قلوب مین اسلام اور احکام اسلام کی کس قدر عظمت ومحبت تھی،
ثمرات پر تو نظر ہے لیکن اسباب ثمرات پر بھی تو نظر ہونا چاہئے، کھوٹے کھرے کا فرق بسہولت
معلوم ہوجائے گا، اور یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ ہم اُن کامیابیون اور نُصرتون کے مستحق ہین،
یا نہین، نرے دعوے اور زبانی باتین ہانکنے سے کہین کام چلا کرتا ہے،

ایسی زبانی باتون اور بے اصول کامون کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ موپلون کی قوم کو برباد کرادیا،
ان لیڈرون اور ان کے ہم خیال مولویون نے لکچر دیئے، عربی النسل تھے، جوش پیدا ہوگیا،
بھڑک اُٹھے، پھر جو اُن کا حشر ہوا سب کو معلوم ہے، پھر ایک لیڈر بھی وہان نظر نہ آیا، نہ
کسی نے اُن کی امداد کی، چاہتے ہین کہ ہم تو صدارت کی کرسی پر بیٹھے رہین، اور لوگ اپنی
جانین دیتے رہین، یہ انجام ہوتا ہے بے اصول کامون کا"

شریعت کے حدود اور اصول سے نکل کر مسلمانون کو کبھی کامیابی نصیب نہین ہوسکتی، اس کا کیسے
کامل یقین وایمان کے ساتھ برملا اعلان فرمایا ہے کہ

کرو اصول کے خلاف نہ کرو حدود شرعیہ کا تحفظ لگاؤ ایڑی چوٹی کا زور، واللہ ثم واللہ ثم واللہ
ایک انچ بھی تو آگے نہین جاسکتے، مسلمانون کی فلاح وبہبود تدابیر منصوصہ ہی مین ہے،
بالکل ایسی بات ہے جیسے بعض ماثور دعا کو چھوڑ کر، اور طریق دعا اختیار کرتے ہین، ظاہر ہے کہ
اگر یہ طریقہ مقبول اور خدا ورسول کا پسندیدہ ہوتا تو وہ بھی تعلیم کردیا جاتا، جب نہین کیا گیا تو
معلوم ہوا کہ یہ نیا طریقہ مقبول وپسندیدہ ہی نہین، اور غیر مقبول مین خیر وبرکت کہان چہ جائیکہ
اس شخص (گاندھی) کی تعلیمات وتجویزات جو توحید ورسالت کا منکر، اسلام اور مسلمانون کا
دشمن، اور رئیس المشرکین والکافرین ہو"

تحریک خلافت کے زمانہ مین ہجرت کا رزولیوشن پاس کردیا، ہزارون مسلمانون کو بے خانمان

کرادیا، پھر ملازمتین ترک کرنے کی تعلیم دی گئی، مسلمانون نے نوکریان چھوڑین اور ہندوؤن
نے اُن کی جگہ کو پُر کیا، بہت سے اب تک جوتیان چٹخاتے پھرتے ہین، بعض کے خطوط آتے ہین
کہ اُس وقت حماقت ہوگئی، اب تک بے روزگاری سے سخت پریشانی ہے"

یہ اس کی مثال ہے، جس کی طرف حضرت نے اوپر قدرت کی لغوی و شرعی تقسیم مین اشارہ
فرمایا کہ شرع مین وہ قدرت معتبر ہے کہ مقدور کے کر گذرنے کے بعد جو ضرر لاحق ہونے والا ہے، اس کے
مقابلہ کی بھی ہمت و قدرت ہو آگے ارشاد ہے کہ

"یہ ہین بے اصول کامون کے انجام، اگر کوئی اصول ہوتا، یا کوئی مرکز ہوتا تو اُن لوگون کو کیون
پریشانی ہوتی اور کیون بددل ہوتے، غرض قدم قدم پر ناکامی و ذلت گلوگیر رہی، مگر پھر بھی آنکھین
نہین کھلتی ہین، جو سوجھتی ہے نئی سوجھتی ہے، یہ سب مشرک کی تعلیم پر عمل کرنے کے ثمرات ہین،
اگر مسلمان تنہا اصول کے ماتحت حدود شرعیہ کا تحفظ کرتے ہوے کسی کو اپنا بڑا بنا کر کام کرین
اپنی مالی و جانی قوت کو ایک مرکز پر جمع کرلین، پھر کسی کو اختلاف نہ ہوگا، مسلمانون کے جو
شرعی مقاصد یا اپنی دینی و دنیوی بہبودی کے مطالبات ہین، مجھ کو اُن سے اختلاف نہین اور
نہ کوئی مسلمان اختلاف کر سکتا ہے۔

مجھکو جو اختلاف ہے وہ طریق کار سے حدود شرعیہ کا قطعاً تحفظ نہین، سردار یا امیر کوئی
نہین، اختلاف و خلاف کی یہ حالت کہ پارٹی بندیان ہورہی ہین، علماء ایک طرف کو چلے جارہے
ہین، لیڈر ایک طرف چلے جارہے ہین، عوام کی یہ حالت کہ جس نے مرضی کے موافق فتوی دیدیا،
یا کوئی عالم یا لیڈر ان کے ساتھ ہولیا، تو اس مین تو سب کمالات ہین، اس کو عرش پر پہنچا دینگے
اگر کسی نے اُن کی مرضی کے خلاف کوئی بات کی، تو تحت الثری مین بھی اس کو جگہ ملنا مشکل ہے"

ہندوؤن اور کانگریس سے حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کو جس درجہ بے اعتباری اور

اُن کے ساتھ مل کر کام کرنے سے جس درجہ اختلاف ہے، اس کا اندازہ فرمائیے فرماتے ہین :-

"کانگریس کی شرکت جو خالص مذہبی یا سیاسی ہندوؤن کی تحریک ہے جس کا مقصد اسلام اور مسلمانون کو تباہ و برباد کرنا ہے، اور مسلمانون کو ہندوستان سے نکال دینا (یا پھر ہندو بنا لینا) اس کا خاص منصبی فرض ہے، یہ سب بالشویک خیالات کے لوگ ہین، (اور اب ان خیالات کے لوگون کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، ناقل) اور بالشویک نے جیسا کچھ اسلام اور مسلمانون کو تباہ و برباد کیا، دینی مدارس و مساجد کو خراب کیا، وہ ساری دنیا کو معلوم ہے"

"بات یہ ہے کہ جب سرے سے اُن کا کوئی دین ہی نہین، بلکہ اُلٹے لادینی ان کا عین دین ہے تو اُن کو کسی کے بھی دین کے احترام کی کیا وجہ ہو سکتی ہے، اگر کسی سیاسی و تدبیری مصلحت سے کسی وقت کچھ رعایت بھی کی، تو جب اس کے خلاف موقع مصلحت ہو گی تو جو بھی چاہین گے، اپنی طاقت کے زعم مین کر گذرین گے، ہندوستان اور کانگرس مین بھی جس طرح روز بروز اشتراکیت و اشتمالیت کے رجحانات اور ان کی جماعت ترقی کر رہی ہے، یقیناً اس کے دیکھتے ہوئے یہان بھی دین و مذہب کو عزیز رکھنے والے ان خطرات سے کیسے چشم پوشی کر سکتے ہین، باقی اس سے قبل اگر صرف آزادی یا سوراج ہی کی طاقت ہندوؤن اور کانگرس کے ہاتھ مین آگئی، اس کی نسبت حضرت کی خانہ جنگی کی پیشینگوئی تھی، اس کے آثار آج کتنے قریب[1] ہین، فرماتے ہین کہ

"یہ سوراج سوراج ہانکتے پھرتے ہین، اگر اس مین خدانخواستہ کامیابی ہو گئی تو ہندوستان ایک خونی مرکز بن جائے گا، برادران وطن اپنی رکیک حرکتون سے باز نہ آئین گے، مسلمانون مین اشتعال و جوش ہو گا، روزانہ قتال و جدال رہے گا،...... حاصل یہ کہ مسلمانون کا کانگریس مین شرکت کرنا"

---

[1] لکھتے وقت قریب تھے اور چھپنے سے پہلے ہی کلکتہ اور بمبی وغیرہ کے واقعات نے اس پیشینگوئی کو آنکھون کے سامنے کر دیا۔

ہندوؤن کے ساتھ مل کر یا اُن کو ملا کر کام کرنا یہ اسلام اور مسلمانون کے لئے نہایت خطرناک بات ہے، وہ مسلمانون کے مذہبی شعائر کو ہندوستان مین باقی چھوڑنا نہین چاہتے، آئے دن کے واقعات اس کے شاہد ہین، کانپور و کشمیر وغیرہ کے واقعات آنکھون کے سامنے ہین،

دفاتر وغیرہ اور چھوٹی چھوٹی ملازمتون تک کے معاملہ مین اُن کی رکیک حرکات اور تنگ دلیون کا جو حال ہے، وہ سابقہ پڑنے والے مسلمان ہی غریب جانتے ہین، آنحضرت سے بھی لوگ ان حالات کو بیان کرتے تھے، فرماتے ہین کہ

"ایک صاحب مجھ سے کہتے تھے جو دفتر مین ملازم ہین، کہ ہندوؤن کی بدولت ہر محکمہ و دفتر مین مسلمانون کو جن مشکلات کا سامنا ہے وہ بیچارے لیڈرون یا اُن کے ہم خیال مولویون کو کیا معلوم جن پر پڑ رہی ہے وہی خوب جانتے ہین، غرض یہ مسلمانون کی جان و مال و ایمان سب کے دشمن ہین،"

بہرحال مسلمانون کی اصلی راہ تو وہی اپنے دین کو مضبوط کرنا خدا کو راضی کرنا اور جو کچھ بھی کرنا خالص رضائے حق کی نیت اور شریعت کے اصول و حدود کی حفاظت کیساتھ، اس کے بغیر سوراج یا ملکی آزادی کا اُن کے حق مین مفید ہونا دینی و دنیوی دونون اعتبار سے یقیناً مشتبہ ہے لیکن اس کی فکر نہ کانگرسی مسلمانون نے کی، نہ لیگی مسلمانون کو ہے، اور نہ اب دب عرض ہے کہ اس کی فکر جمعیۃ العلمار کو ہے، دوسری طرف یہ بھی یقینی ہے کہ حق تعالیٰ نے مسلمانون کو ہوش مین آنے کی بہت مہلت دی، اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غفلت کے لئے واقعات کو مزید انتظار کی اجازت نہ ملے گی، مگر جب بھی اُن کو ہوش آئے، اُن کی دنیا و آخرت دونون کی نجات خدا ہی کی طرف بھاگنے سے ہو سکتی ہے،

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جو اپنی اجتہادی رائے کی بنا پر تحریک خلافت مین سب سے آگے اور ہندوؤن کے ساتھ اور کانگرس مین شرکت کے روادار تھے، مگر دین اور دینی شعائر کی حفاظت کے معاملہ مین یہ ناروادار ی تھی، کہ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہین، کہ حضرت دیوبندی (شیخ الہند) رحمۃ اللہ علیہ کو جو آخر

بنایا جاتا ہے، تو کیا اُن کے یہ مقاصد تھے!

"استغفر اللہ حضرت کی حیات میں حضرت کو دہلی کے ایک جلسۂ شوریٰ میں مدعو کیا گیا تھا، لیکن حضرت بعض عذروں کی بنا پر تشریف نہ لیجا سکے، اور مولوی صاحب کے ہاتھ خط بھیجا، اور یہ ہدایت فرمائی کہ جو مسئلہ مذہبی پیش آئے، اس میں اپنا خیال صاف صاف بدون کسی خوف و مداہنت کے ظاہر کر دو اس وقت قربانی گاؤ کے بند کرنے پر زور دیا جا رہا تھا، حضرت نے فرمایا کہ یہ مقاصد شرعیہ کے بالکل خلاف ہے، ہم مذہبی احکام میں ادنیٰ تصرف اور ذرا سی ترمیم کو بھی برداشت نہیں کر سکتے، خواہ لوگ ہمارا ساتھ چھوڑ دیں، ہم سے جو خدمت اسلام کی بن پڑے گی، کرتے رہیں گے،"

اسی سلسلہ میں سلطان صلاح الدین کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ

"مولانا (دیوبندی) تو بڑی چیز ہیں، سلاطین اسلام باوجود یکہ دنیا دار کہلاتے ہیں، مگر اُن میں بھی جس کے دل میں اسلام اور احکام اسلام کی عظمت اور احترام تھا، اُنھوں نے شریعت مقدسہ کے خلاف کرنا گوارا نہیں کیا، اس کی بھی پروا نہیں کی، کہ سلطنت رہے گی یا جائے گی،

سلطان صلاح الدین نے جس وقت ملک شام فتح کیا، تو وزراء نے عرض کیا کہ یہ نصرانیوں کا ملک نیا مفتوح ہے، اس ملک کے لوگ نہایت سرکش و سخت ہیں، اور اسلامی سیاسیات نرم ہیں، اس لئے ضرورت ہے، کہ علاوہ احکام اسلام کے اگر کچھ اور قوانین بھی ان پر قابو رکھنے کے لئے نافذ کر دیئے جائیں، تو نہایت مناسب ہوگا، اس پر سلطان نے جو جواب دیا، وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے،

کہا کہ کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ میں نے جو ملک فتح کیا ہے، وہ حکومت و سلطنت کرنے کے لئے، میں نے محض اللہ کو خوش کرنے کے لئے یہ سب کوششیں کی ہیں، احکام اسلام ہی کو نافذ کر دوں گا، ملک رہے یا جائے، ایک حکم بھی خلاف اسلام نہ کروں گا، علماء اور لیڈر اس واقعہ سے سبق حاصل کریں، ان حضرات کی کامیابی کے یہ ماذیہ تھے، اور یہاں یہ حال ہے کہ ملک ملنے سے پہلے ہی شریعت مقدسہ کی قطع و برید

شروع کردی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ "

یہ الافاضات الیومیہ حصہ اول (۲ر رمضان المبارک ۵۰ھ) کے تقریباً ۲۳ صفحات (از ص ۷۰ تا ۹۲) کے ایک طویل مکالمہ و ملفوظ کی ضروری تلخیص تھی جس سے آج کل کی قومیات و سیاسیات سے متعلق حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی تجدید و تحقیق کا بڑی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے، اور جس کا حاصل یہ ہے کہ ان قومی یا سیاسی تحریکات کا نہ تو مقصود ہی دین ہے، اور نہ اُن کے طریقے ہی دینی ہیں، جو کچھ ہے سب غیروں کا فروں اور مشرکوں کی تعلیم کی بُری بھلی نقالی ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے بحیثیت مسلمان نہ ان میں شرکت کے کوئی معنی ہیں، اور نہ یہ شرکت شرعاً جائز ہے، اور نہ ان طریقوں سے مسلمانوں کی دینی یا دنیوی کامیابی ممکن ہے، یہ تو اس باب میں تجدید کا سلبی یا منفی پہلو تھا، مثبت و ایجابی پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کی دینی دنیوی کامیابی کا انحصار اس پر ہے، کہ اُن کا نہ صرف مقصود ہی بالکلیۃ دین اور رضائے حق ہو، بلکہ اس مقصود کے حصول کی تدابیر بھی بالکلیہ شریعت کے مقرر فرمودہ اصول و حدود کے تابع ہوں، نیز یہ کہ مسلمان سے مطالبہ بالذات "ایمان و عمل صالح" کا ہے، اور قومی و سیاسی ترقی یا حکومت و سلطنت اس کا ظل ہے اور ظل کے پیچھے دوڑنے کی کیا ضرورت، وہ تو اصل کے ساتھ آپ ہی لگا رہتا ہے، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا اٹل وعدہ ہے، کہ

"وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ"

یا حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے رنگ میں یوں کہو کہ حکومت و سلطنت مقصود نہیں موعود ہے"

راقم الحروف کو ایک مدت تک مولانا مودودی کی تحریک قیام حکومتِ الٰہیہ سے متعلق بہت خلجان رہا، ایک طرف تو اُن کا یہ دعوی اپنی جگہ بالکل درست تھا، کہ حکومت و سیاست کے جتنے موجودہ و رائج الوقت نظریات و نظامات ہیں، وہ خواہ بعض باتوں میں کچھ سطحی و ظاہری مماثلت ہو، لیکن اصولاً و حقیقۃً اسلامی حکومت و سیاست کے نقطۂ نظر کی بالکلیہ نفی و ضد ہے، کیونکہ یہ سارے نظریات و

نظامات حکومت کسی نہ کسی صورت مین انسان پر انسان ہی کی حاکمیت کے حق کو قائم رکھتے ہین جس کی اسلام سرے سے نفی کرتا ہے[۱]، اور انسان پر صرف احکم الحاکمین کے حکم و حاکمیت کو جائز رکھتا ہے، لہذا ان نظریات و نظامات کے ساتھ مسلمانون کا تعاون بھی کسی طرح جائز نہین[۲] لیکن دوسری طرف مولانائے موصوف نے حکومت الٰہیہ کے براہ راست قیام کی دعوت جو اس طرح دینا شروع فرما دی کہ گویا وہ مقصود بالذات ہے اور اس کے قیام کے بغیر گویا مسلمان مسلمان ہی نہین رہ سکتے، اور اُس کے لئے ایک جماعت تک بنا ڈالی، یہ راہ عمل کسی طرح حلق سے نہین اُترتی تھی،

جس کا بڑا سبب یہ تھا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور سوانح مین اس کی کوئی سند نہین ملتی تھی، کہ انھون نے اپنی بعثت کا مقصود یا اپنا کلمۂ دعوت براہ راست حکومت الٰہیہ کو قرار دیا ہو[۳]، بلکہ حدیث مین تو یہان تک ہے کہ بعض انبیاء قیامت مین ایسے ہون گے کہ جن کا ایک بھی تبع و امتی نہ ہوگا اور بعض کا صرف ایک ہی ہوگا، ظاہر ہے کہ اُس سے نہ تو ایسے انبیاء علیہم السلام کے کمال نبوت مین کوئی کمی رہی، اور نہ اُس ایک اُمتی کے کمال ایمان مین، پھر یہ اوّل دن ہی سے براہ راست رائج وقت و قائم لو حکومت کو اعلان جنگ دینا، اور اُس کے مدّمقابل خود اپنے لئے حکومت و حاکمیت کا دعویٰ کر دینا تھا جس کی بدولت ابتدا ہی سے گویا خود اپنی ہی طرف سے بعثت کے اصل مقصود یعنی توحید الٰہ (یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ) کی راہ مین پہاڑ کھڑا کر دینا اور دراصل طرح طرح کے فتنہ و فساد کو دعوت دینا ہوتا، کیونکہ پہلے ہی دن سے یہ سمجھ مین آنا عملاً ناممکن ہے کہ ہماری حکومت کو چھینکر اپنی نہین بلکہ خدا کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہین،

---

[۱] یہ دعویٰ ہی مطلق صورت مین نہ نصوص شریعت کے مطابق ہے نہ عقل و تجربہ کے، اسلام نے مخلوق سے نفی تو صرف معبودیت، الوہیت، ربوبیت کی کی، نہ کہ مطلق حاکمیت کی عبد الماجد [۲] یہ دعویٰ بھی نظر ثانی کا بہت زیادہ محتاج ہے عبد الماجد [۳] بلکہ اس کے برعکس بعض انبیاء نے تو نظامات باطل سے تعاون کیا ہے، عبد الماجد

باقی یون تو خود توحید کی دعوت کو قبول کر لینے کا لازمی نتیجہ ہی یہ ہے کہ انسان انفرادی یا اجتماعی طور پر جب اور جس درجہ مین ممکن ہوگا اپنے اوپر سے اپنے جیسے انسانون کے حکم و حاکمیت کے جوے کو اتار پھینکے گا، اور حکومت و حاکمیت کا نام لئے بغیر ہی جس دن توحید الٰہ یا لاالٰہ الا اللہ کی اصل دعوت کے گرد اولاً ایمان و عمل صالح سے اور ثانیاً وقت اور حالات کے مقتضیٰ کے بقدر ضرورت جنگ و مقابلہ کے ظاہری اسباب سے مسلح کوئی جماعت پیدا ہو جائے گی، تو ظاہری حکومت کے سامان بھی نفس حکومت و سلطنت کے لئے نہین بلکہ اسی دعوتِ توحید کی خدمت و اعانت کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ فراہم ہو جائین گے، جیسا کہ خود اسلام کی تاریخ اسی طریق عمل کی شاہد و معلم ہے، اور پھر اس طریقہ سے وجود مین آنے والی حکومت و سلطنت کا بقاء و عروج و زوال بھی اس جماعت کے ایمان و عمل صالح کے بقاء و ترقی و تنزل ہی کے ہم قدم ہوگا،

یہ باتین الحمد للہ سب سمجھ مین آتی تھین لیکن کوئی صاف و صریح نص سامنے نہ ہونے سے کچھ نہ کچھ خلجان ضرور تھا، اور شرح صدر حاصل نہ تھا، اسی دوران مین غالباً اثنائے تلاوت مین اس آیت پر اللہ تعالیٰ نے متوجہ فرمایا، کہ

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ وَلَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا

بس سارا خلجان کافور ہو گیا، اور ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت اسی وقت اور اسی نادان کے اطمینان قلب کے لئے نازل ہوئی ہے، غرض مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارا اصل کام اور مقصود بالذات سلطنت و حکومت، یا آج کل کی اصطلاح مین آزادی و خودمختاری کی فکر مین پڑنا نہین، بلکہ خود اپنے ایمان کو درست کرنا اور اعمال صالحہ کو اختیار کرنا یعنی اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام شعبون مین موجودہ قدرت و استطاعت کی حد تک پہلے مسلمانون کو خود اپنے تئین اصول و فروع مین احکام الٰہی کا محکوم بنا دینا ہے، پھر انشاء اللہ

۱؎ صرف اسی حکم و حاکمیت کو جو توحید و طاعت الٰہی کی راہ مین حائل ہوگی، (عبدالماجد)

یَستَخلِفَنّھُم فِی الاَرضِ یا ارضی خلافت وحکومت کا قطعی وعدہ پورا ہونے کے سامان غیب سے ظاہر ہو گئے

ثم الحمد للہ کہ اس کے بعد پھر خوب سمجھ میں آگیا کہ مسلمانوں کی راہ عمل نہ جلسے اور جلوس ہیں، نہ ہڑتال اور احتجاج، نہ ستیہ گرہ اور مرن برت، نہ آئینی جد وجہد اور نہ غیر آئینی مقابلہ، نہ رسائل واخبارات، نہ جماعت سازی اور کمیٹی بازی، ان کا صاف سیدھا ہموار، واستوار راستہ بس ایمان وعمل صالح ہے، اور جب اس راستے سے ہم خلافت ارضی کے صالح ہو جائیں گے، تو اس کا وعدہ بھی قطعاً پورا ہو کر رہے گا، بلکہ ابھی تو جب تک ہمارا مقصود بھی غیروں کی طرح نفس حکومت ہی ہے، حکومت نہ عطا ہونا ہی عین حکمت ورحمت ہے ورنہ بجائے اس کے کہ ہم اس حکومت کو دین کے لئے استعمال کریں (جیسا کہ خود اس آیت ہی کے آخر میں مذکور ہے کہ وہ ہر طرح سے بے خوف و مامون ہو کر اصل مقصود یعنی میری بندگی میں لگ جائیں، اور شرک کی آلائش سے اس طرح نکل جائیں، کہ کسی شئے کو بھی میرا شریک نہ بنائیں) اسلئے قوی اندیشہ ہے، کہ ہم دنیا میں زیادہ غرق اور دین سے غافل ہو کر رہا سہا خدا ورسول کا جو کچھ نام زبان پر رہ گیا ہے، اس کو بھی خدانخواستہ چھوڑ بیٹھیں۔!

بھلا اس باب میں ایسی صاف وصریح نص سے حضرت مجدد وقت کی نظر کیسے محجوب رہ سکتی تھی، سو اب اسی مسلمانوں کی ترقی کی بحث کے سلسلے میں خود حضرت کے ہاں بھی اسی آیت کے استعمال کو دیکھ کر راقم الحروف کے اطمینان قلب پر مجدد وقت کی مہر توثیق لگ گئی، چنانچہ اس آیت کو نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ

> "اس صاف ارشاد پر بھی نظر نہیں، کس قدر صاف طریقہ سے ان عملوں (یعنی اعمال صالحہ) کا خاصہ بیان فرمایا، اور پھر ترقی کا وعدہ بھی فرمایا ہے جس کے خلاف ہونے کا احتمال بھی نہیں، کیا اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر ترقی کی ہو سکتی ہے، (اور سب سے بڑی ترقی آج کل حصول حکومت ہی کو سمجھا جاتا ہے، ناقل) جس کے ناکام ہونے کا بھی وہم نہ ہو، جس میں سو فی صدی کامیابی ہی

کامیابی ہے، خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے، اس کے خلاف نہیں ہوگا، اس لئے اس تدبیر میں کامیابی بالکل یقینی ہے۔ (الافاضات الیومیہ حصہ دوم ص ۲۹)

لیکن موجودہ قومیات و سیاسیات کے اکھاڑے میں کود کر خدا تعالیٰ کے اس حتمی وعدہ اور صدق کامیابی والی تدبیر پر تو کیا نظر رہ سکتی، الٹے ہمارے اچھوا چھوں تک کی غفلت ہی نہیں، بلکہ جرأت و جسارت بعض دفعہ اس حد کو پہنچ جاتی ہے، کہ رہے سہے ایمان کا بھی خدا ہی حافظ! ایک وعظ (تعظیم العلم) میں اس کی حضرت نے بڑی ہی عبرتناک مثال بیان فرمائی ہے، جس کے بعد اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے، کہ اس حال میں قومی و سیاسی ترقی تو مسلمانوں کو کیا نصیب ہوگی، بس اللہ تعالیٰ اپنے غضب سے محفوظ رکھیں فرماتے ہیں، کہ

"بعض علماء سے آج کل کہا گیا کہ عوام بعض امور میں شریعت کی حد سے بہت دور نکل گئے ہیں، اس کی روک تھام ہونی چاہئے۔ تو فرماتے ہیں کہ میاں جوش و خروش میں ایسا بھی ہو جاتا ہے، کچھ پروا نہیں اس وقت تو کام ہونے دو، پھر بعد میں مسائل کو بھی دیکھ لیا جائے گا، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اے صاحبو آسمان نہیں پھٹ جاتا، زمین نہیں شق ہو جاتی، جب ایک عالم کی زبان سے ایسے بیہودہ کلمات نکلتے ہیں۔ (ص ۵۵)

اصل یہ ہے کہ وہ زیادہ بے باک تھے، زبان تک پر ایسے بیہودہ کلمات آ گئے، ورنہ عام حال ان قومیات و سیاسیات میں پڑنے والوں کا یہی دیکھا، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے، دل خدا کے خوف اور دین کی عظمت سے بالکل خالی ہو گئے ہیں، (نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا) آگے پھر اسی وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ والی اصل اسلامی و دینی تدبیر پر توجہ دلاتے ہوئے ارشاد ہے کہ

"بس ساری تدبیروں کی جڑ یہ ہے کہ ایک کو راضی کر لو، سب کام بن جائیں گے، ذرا اس تدبیر کو اختیار کر کے تو دیکھو، اسی میں وعدہ ہے، مال و جاہ، عزت و شوکت سب کے حاصل ہونے کا،

(کیونکہ) اس آیت مین (استخلاف فی الارض کا وعدہ ایمان واعمال صالحہ ہی پہ مرتب فرمایا ہے)"

لیکن مومن وکافر کی اس دنیاوی حکومت مین بھی زمین وآسمان کا فرق ہے، کافر کا مقصود تو اس حکومت سے خود حکومت اور دنیا ہی ہے، بخلاف اس کے

"مومن کے استخلاف فی الارض کی غایت بھی دین ہی فرمائی ہے، کہ یعبدوننی وَلَا یُشرکون بی شَیئًا، یعنی یہ استخلاف فی الارض اس لئے ہے تاکہ وہ امن واطمینان کے ساتھ میری عبادت و بندگی بجالائین، اور کسی چیز کو بھی میرا شریک وسہیم نہ ٹھہرائین) اس سے صاف معلوم ہوا کہ استخلاف فی الارض مقصود بالذات نہین، بلکہ مقصود بالذات ایمان اعمال صالحہ اور اتباع احکام ہے، اور سلطنت عطا فرمانے کا وعدہ اسی کے استحکام وحفاظت کے لئے ہے"

تو بھلا یہ خلافتِ ارضی ایسے لوگون کو اور ایسی راہون اور تدبیرون سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے، جن مین قدم قدم پر احکامِ الٰہی کی پیروی کے بجائے ان کی پامالی ہوتی ہو، اور جن کے اختیار کرنے والے مسلّم ومتفق علیہ احکام و فرائض تک کی پروا نہین کرتے، اور پر مسلمان مولویون کا حال سُنا تھا آگے مسلمان مسٹرون کے حال ونمونہ کا ایک ملفوظ سے اندازہ فرمایئے،

"اسی (تحریک خلافت) کے زمانے مین ایک علی گڈھ کا طالب علم آیا، جو عصر کے وقت آیا، مگر نماز نہین پڑھی، اس نے مجھ سے ترک موالات ہی کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا، مین نے کہا کہ پہلے اپنی تو خبر لو، انگریزون سے ترک موالات اس لئے کیا تھا کہ ترکون سے لڑے، مگر نماز جو نہین پڑھی تو خدا سے ترک موالات کیون کیا، شاید اس لئے کہ اس نے انگریزون کو غلبہ کیون دیا"!

(الافاضات حصہ اول ص ۴۱)

یہ بھی حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی عملی تجدید واصلاح ہی کا رنگ تھا کہ "پہلے اپنی خبر لو" (قوا انفسکم وَاَهلِيكُم نَارًا) کے لئے ٹوک دیا، ورنہ عام قومی وسیاسی علماء کا تو یہ رنگ دیکھا کہ دن رات قومیات

سیاسیات میں کام کرنے والے اُن کے سامنے نمازیں کھاتے رہیں، مگر نرمی یا سختی سے کچھ تفہیم و تنبیہ کیا معنی تغیر یا تقلب تک کا کوئی اظہار نہیں ہوتا، نمازی و بے نمازی سب سے یکساں بشاشت کے ساتھ مجالست و مکالمت و مشاربت و مواکلت سب ہی کچھ جاری رہتی ہے، البتہ لیگ یا کانگریس کو ووٹ دینے نہ دینے پر گرماگرم گفتگو اور ناگواری سب ہی کچھ ظاہر ہوتی ہے!

نماز جیسی دین کی جڑ اور بنیاد کا تو ذکر ہی کیا حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کے نزدیک تو اعمال یا فروع ایمان میں کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ دوستی و بشاشت کا برتاؤ اقتضائے ایمان کے خلاف ہے۔ تواصی بالصبر کے وعظ میں فرماتے ہیں کہ

"ایسے شخص سے آپ کا دل کیونکر ملتا ہے جو فروع ایمان میں ناقص ہے، اس سے بے تکلف دوستی کس طرح کی جاتی ہے، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ جو کوئی تم میں سے امر منکر کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے، یا زبان سے یا دل سے، پھر یہ کیا غضب ہے، کہ ہم لوگ امر منکر کو دیکھکر نہ ہاتھ سے روکتے ہیں، نہ زبان سے نہ دل سے نفرت کیجاتی ہے، بلکہ اعمال میں کوتاہی کرنے والوں کے ساتھ وہی دوستی وہی بشاشت"

غرض قومیات و سیاسیات میں حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی تجدید و اصلاح کا لُبِّ لُباب یہ ہے کہ مسلمانوں کی قومی و سیاسی ترقی و کامیابی کا بھی پہلا قدم اللہ و رسول سے موالات ہے، نہ کہ ہندوؤں سے موالات یا انگریزوں سے ترک موالات!

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی   کین رہ کہ تو میروی بترکستان است

ارشاد ہے کہ

"جن مصالح (حکومت و سیاست وغیرہا) کی وجہ سے احکام الٰہیہ کو پامال کر رہے ہو وہ مصالح بھی خود ان احکام ہی کی اتباع پر موقوف ہیں، یاد رکھو مسلمانوں کو ہرگز اس طرح فلاح نہیں ہو سکتی کہ

وہ احکام الٰہیہ کو مصالح کے تابع بنا دین، اور دنیوی اغراض کو قبلہ و کعبہ بنالین، باقی کفار کی حالت دیکھ کر تم کو دھوکا نہ کھانا چاہئے، کہ وہ خدا کو ناراض کرکے بھی ترقی کر رہے ہین، (جس کی وجوہ اوپر معلوم ہوچکین)

اور پھر ایمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر خدا کو ناراض کرکے سلطنت و حکومت سب کچھ مل جائے تب بھی مومن ایسی سلطنت پر لات مار کر "پاخانہ اٹھانا" پسند کرے گا، جیسا پہلے یہ ارشاد مذکور ہوچکا کہ "خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے، اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کرکے حاصل کی جائے" (تنظیم المسلمین ص ۱۷)

ان اقتباسات بالا سے آج کل کی قومیات و سیاسیات کے باب مین حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کی جو تجدید و تحقیق ہے، وہ قدرے تفصیل کے ساتھ واضح ہوگئی، نیز اسی سلسلہ مین اجمال کے ساتھ اصلاح کی حقیقی و عملی تجویز کی طرف بھی اشارہ فرمادیا گیا ہو کہ کم ازکم دس سال کے لئے یہ نام و نہاد قومی و سیاسی تحریکات بالکل بند کرکے ساری جد وجہد اور قوت و طاقت مسلمانون کو مسلمان بنانے مین صرف کی جائے، یعنی موجودہ غیر اسلامی ماحول و حکومت مین بھی، زیادہ سے زیادہ شریعت کے جتنے انفرادی و اجتماعی احکام کا اتباع ممکن ہے، مسلمانون کو ان کا ہر ممکن تدبیر سے متبع بنایا جائے، اور یہ صرف عقائد و عبادات ہی کے احکام نہ ہون، بلکہ عقائد و عبادات، معاملات و معاشرت اور اخلاق غرض ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اصلاح اور کامل اسلام مدنظر ہو، کام صرف کمیت و تکثیر سے نہین چلا کرتا، کیف و کمال زیادہ ضروری ہے اور الحمد للہ کہ ہر طرف سے لادینی کی فضا اور ناموافق حالات کے محیط ہونے کے باوجود آج بھی شریعت کے احکام و تعلیمات کے بیشتر بلکہ کہنا چاہئے کہ ننانوے فی صد حصہ پر عمل ہمارے اختیار و استطاعت مین ہے؟ جیسا کہ **اصلاح انقلاب** وغیرہ پر حضرت جامع المجددین کے جامع اصلاحی و تجدیدی کارنامون گفتگو کے سلسلہ مین بار بار عرض کیا جاچکا، باقی اگر اس راہ مین کچھ تھوڑی بہت محنت و مشقت یا ال(؟)

نز پیش آئے، تو کیا جب ہم دنیا کی فانی عزت و راحت کے ادنیٰ ادنیٰ مقاصد کی طلب مین اور دنیا کے مجازی حاکمون کی رضا و خوشنودی کے حصول مین اپنے سارے وجود و وقت کے ساتھ غرق ہین، اور اس راہ مین طرح طرح کی جسم و جان کی مشقتین اٹھاتے ہین، تو پھر آخرت کی غیر فانی و ابدی فلاح و راحت اور خدا و رسول کی رضا و خوشنودی کی خاطر اگر ہم اتنی بلکہ اس سے بھی بدرجہا کم ہمت نہین رکھتے، تو اپنے ہی گریبان مین سر ڈال کر سوچنا چاہئے، کہ کس منہ سے اپنے کو مسلمان کہتے ہین، کیونکہ مسلمان کے معنی اس کے سوا کچھ نہین، جو اپنے نفس اور ساری دنیا کے مقابلہ مین خدا و رسول کی اطاعت و رضاجوئی کا عہد باندھ چکا ہے، اس کے بعد ہم سے اگر ہمارا سب کچھ مانگ لیا جاتا تو بھی کچھ نہ تھا، لیکن دین کی تیسیر سہولت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی حد ہے، کہ فرمایا جاتا ہے، کہ "بس کچھ تھوڑا سا تمھارا جان و مال وغیرہ کا امتحان ہوگا" (لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَالۡجُوۡعِ الخ)

پھر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کی تجدیدی نگاہ مین اس وقت کے حالات اور بالخصوص دین کے باب مین ہماری کمزوری و کم ہمتی پر نظر رکھکر اس تھوڑے سے امتحان کا درجہ بھی یہی ہے، کہ حکومتِ کافرہ تک سے نہ بالکلیہ کسی "ترک موالات" کو ضروری قرار دیا، نہ نوکریان ترک کرنے کو، نہ عدالتین چھوڑنے کو، نہ جیل جانے کو، نہ گولیان کھانے کو، [1] البتہ نوکریون مین کم از کم اتنی احتیاط کی ہدایت ہے، کہ اگر کوئی اور صورت معاش کی نہین تو تعلیمات وغیرہ کی ویسی نوکریان کرو، جن مین عدالتی عہدون وغیرہ کی طرح شریعت کے احکام کی صراحۃً مخالفت نہ کرنا پڑے، بلکہ اگر اتفاق سے کسی ایسی ملازمت مین بھی مبتلا ہو، اور کم ہمتی سے اس کا اندیشہ ہو کہ اس کو ترک کرکے اور زیادہ مفاسد مین پڑ جاؤ گے، مثلاً معاشی تنگی کا تحمل نہین، اس کی پریشانیون مین پڑ کر اللہ تعالیٰ سے شکوہ شکایت پیدا ہو، نماز روزہ کے فرائض سے بد دل ہونے کا ڈر ہو، (کاد الفقر ان یکون کفراً) تو ایسی صورت مین جب تک کوئی دوسرا ذریعہ پیدا نہ ہو

[1] یہ سب بجائے خود بالکل درست ہے لیکن ان الحکم الا للہ کی مودودی تشریح و تفسیر کے بالکل منافی ہے (عبدالماجد)

ایسی ملازمت کو معصیت سمجھتے اور استغفار کرتے رہو، ساتھ ہی اس کی پوری کوشش کرتے رہو، کہ جلد از جلد اس سے نجات ہو، خواہ اس کوشش میں زندگی بھر کامیابی نہ ہو، مگر کوشش کا حق ادا ہو، محض کوشش کا نام نہ ہو، اسی طرح اگر دیکھتے ہو کہ کوئی ایسا مالی وجانی مقصد یا ناقابل تحمل ضرر پہنچ رہا ہے جس کے رفع کے لئے عدالتی چارہ جوئی سے چارہ نہیں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں، فقہاء نے ایسی صورتوں میں رفع ظلم اور حصول حق کے لئے رشوت تک کی اجازت دی ہے، اتنی سہولت و رعایت پر بھی اگر دین و شریعت کی پیروی و اطاعت سے گریز ہے، تو پھر دین کا نام ہی کیوں لیتے ہو،

چون بیک زخمے گریزانی زعشق تو بجز نامے چہ میدانی زعشق

آج کل پڑوس میں ایک بڑے عہدہ دار مقیم ہیں، یوں بیچارے نیک ہیں، بہر حال بڑے عہدہ دار ہیں، ان کا تو ذکر ہی کیا اُن کے نوکروں چاکروں سے کبھی نماز اور مسجد کے لئے کہتا ہوں جو قریب ہی ہے تو طرح طرح کے بہانے کرتے ہیں، پھر کہتا ہوں کہ اچھا اگر پانچ روپیہ مہینہ دیا کروں کہ پانچ وقت مسجد جا کر نماز پڑھ لیا کرو تو اقرار کر لیتے ہیں، کہ ہاں صاحب تب تو ضرور جائیں گے، سمجھاتا ہوں، اور کہتا ہوں کہ بھائی جب تمہارے نزدیک مہینہ بھر کی ڈیڑھ سو نمازوں کی قیمت پانچ روپیہ یا ایک وقت کی نماز کی قیمت گویا دو پیسہ بھی نہیں تو پھر سمجھ لو کہ تم کتنے اور کیسے مسلمان ہو، بیچارے غنیمت ہے شرماتے اور بعضے کچھ ہاں ہوں بھی کر دیتے ہیں مگر اس سے آگے کچھ نہیں، !

غرض آج کی اصطلاح میں یوں کہو کہ یہ دس سال کی "منصوبہ بندی" حضرت نے پہلے مسلمانوں کی اسی شدید دینی بےحسی و بے پرواہی کو دور کرنے کے لئے تجویز فرمائی ہے تاکہ اُن کے اندر دین کی طلب و رغبت اور زندگی کے تمام شعبوں میں احکام دین کی اطاعت کا اہتمام از سر نو زندہ ہو، جو ان کی ساری قومیات و سیاسیات کی جڑ ہے، بلکہ یہی اُن کی عین قومیت و سیاست سب کچھ ہے، جب تک یہ جڑ از سر نو ہری نہیں ہوتی، نہ صرف دینی بلکہ کسی قسم کے دنیوی ترقی کے ثمرات بھی مسلمانوں کو نصیب نہیں ہو سکتے، مسلمانوں

لی قومی وسیاسی یا دنیوی ترقی بھی بالکلیۃ دینی ترقی کے تابع ہے، اس پر حضرت کو اتنا اذعان واصرار ہو
کہ تم دنیا ہی کی ترقی کے لئے اور دوسری تدابیر کی طرح بطور ایک تدبیر ہی کے اُس کو ایک دفعہ آزما تو دیکھو"
دنیوی ترقی کے پیچھے جان دینے والے مسلمانوں کو اس دنیا طلب وعدے کے مجدد کی طرف سے جب اس
کی اجازت ہے، کہ تم دنیا ہی کے لئے دین کو ایک مرتبہ اختیار کر دیکھو تو پھر اس سے زیادہ اتمام حجت
کے لئے کیا چاہیئے مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ مسلمان کسی نہ کسی راہ سے دین کو پکڑ لیں پھر اُس کی ذات میں تو
وہ محبوبیت و کشش ہے کہ اس کا ذوق شناس ساری دنیا کی ترقی اور ہفت اقلیم کی سلطنت لے کر بھی
دین کے باغ کا ایک تنکا دینا گوارا نہ کرے گا،

گر ز باغِ دل خلالے کم بود
بر دلِ سالک ہزاران غم بود

مسلم لیگ صوبوں کی گروہ بندی کا سراب دیکھ کر دوڑ پڑی کہ بس اب دس سال میں پاکستان
حاصل ہوتا ہے، لیکن اس سراب کے قریب جا کر کیا پایا، کاش یہ مسلم لیگ مسلمانوں کے الاعتصام پتھروں سے
سرمارنے اور اسلام کے دشمنوں پر بھروسہ کرنے اور اُن سے معاملہ کرنے کے بجائے ایک مرتبہ اسلام کے
خدا پر صرف دس سال ہی کے لئے بھروسہ اور اُس سے معاملہ کرکے آزما دیکھتی کہ کیا ہوتا ہے![1]

لیکن حضرت کی تجدیدی و ایمانی فراست نے اندازہ فرما لیا تھا، کہ مسلمانوں کے اندر اب کسی بڑے
مرکز کے گرد خصوصًا دین کے نام سے جمع ہونے کے آثار نہیں، اور نہ ان میں اجتماعی راہ سے کام کرنے کی
صلاحیت رہ گئی ہے، شاید اسی لئے اس دس سال کے خیال یا امیر کی مرکزیت کی بھی بس اس ایک ذرہ
اشارہ سے زیادہ کوئی تفصیل نہیں ملتی، تبلیغ جیسے خالص دینی کام کے سلسلے میں فرماتے ہیں، کہ

---

[1] یہاں یہ تصریح ضروری تھی کہ ہر حال میں اور سارے سیاسی اداروں سے مسلم لیگ ہی کی روش حضرتؒ کے مسلک سے اقرب تھی، (عبدالماجد)

"کیا کہوں کہتے ہوئے شرم آتی ہے، اپنے ہی گھر کا راز کھلتا ہے آج کل ہماری حالت یہ ہے کہ اجتماعی کام میں ہمیشہ گڑبڑ ہوتی ہے، جس کام میں جتنا زیادہ اجتماع ہوگا اتنا ہی جھگڑا ہوگا، ہم نے اپنی حالت سے دوسروں کو دکھلا دیا ہے، کہ ہم میں اجتماع کے ساتھ کام کرنے کی بالکل قابلیت نہیں"، (تواصی بالحق ص ۴۲)

بات یہ ہے کہ آج کل ہمارے اجتماعی کاموں میں کام بہت کم مقصود ہوتا ہے، زیادہ تر نام ونمود کی خواہش، ریا اور نمایش ہی ہوتی ہے،

"کچھ ایسا مذاق بدلا ہوا ہے کہ اظہار و اشتہار اور ٹیپ ٹاپ کے بغیر کام کرنا ہی نہیں جانتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی کو ایسی حالت میں دیکھو کہ اس کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا ہو کہ یہ بہت کام کرتا ہے، اُس کو شمار میں نہ لاؤ اور جس کو اعتدال سے کام کرتا ہوا دیکھو فارجوہ تو اس سے امید رکھو، انشاء اللہ کامیاب ہوگا، (ص ۴۳ تواصی بالحق)

یہ اعتدال اجتماعی کاموں میں بالخصوص جب ہی ممکن ہے، کہ کام کے لئے جمع ہونے والوں میں عقل و فہم کے ساتھ دین و اخلاص بھی جمع ہو، جس کا آج کل ہم میں قحط اور نفس و نفسانیت کا زور ہے اس لئے اب حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ امیر وامارت یا کسی بڑے مرکز و مرکزیت کے بجائے انفرادی طریق کار کو زیادہ پسند فرماتے تھے، یا اجتماعی صورت ہو تو وہ بھی مختصر اور آج کل کے اشتہاری ونمایشی طریقوں کے بغیر،

"بس جس سے جتنا ہو سکے اللہ کا نام لے کر شروع کر دے، نہ انجمن کی ضرورت ہے نہ سکریٹری کی بس دو چار پانچ آدمی جتنے متفق ہو سکیں کام شروع کر دیں، اور کوئی متفق نہ ہو سکے، تو تم اکیلے ہی شروع کر دو، گاؤں والوں کو کلمہ پڑھا دینا، نماز سکھلا دینا تو ایسا کام ہے کہ جو ہر مسلمان تھوڑی سی لیاقت کا بھی کر سکتا ہے، ہاں اس کی ضرورت ہے کہ کسی عالم سے مشورہ کرتے رہا کرو (ص تواصی بالحق)

اور ہر چند کہ ایک مرکز کا سب کو تابع ہونا بہت اچھا ہے، مگر آج کل دشواری تو یہی ہے کہ مرکز کس کو بنایا جائے...... اس لئے کسی مرکز یا انجمن کے تابع ہو کر کام کرنا آج کل دشوار ہے بس سہل صورت یہ ہو کہ ہر ضلع کے مسلمان باہم مل کر ایک مُبلّغ اپنے لئے مقرر کر لیں جس کی تنخواہ خود دیا کریں، اگر ضرورت کا احساس اور اس کی فکر ہو جائے تو یہ کوئی مشکل کام نہیں،...... البتہ اتنی ضرورت پھر بھی ہو گی، کہ مُبلّغ کی تجویز اور راہِ عمل کی تحقیق کے لئے کسی ایک عالم کو مشورہ کے لئے منتخب کر لو، اُسی کے مشورہ سے مبلغ رکھو اور اُسی کی رائے سے تبلیغ کا طریقہ اختیار کرو"

غرض حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کے نزدیک چونکہ ہمیشہ اور خصوصاً اس وقت سب سے ضروری و مقدم کام تبلیغ ہی ہے یعنی مسلمانوں کو مسلمان بنانے کی فکر، قومی و سیاسی ترقی وغیرہ جو کچھ مطلوب ہو اس کا بھی مسلمانوں کے لئے واحد راستہ یہی ہے کہ وہ اپنے ایمان و عمل ظاہر و باطن میں پورے پورے مسلمان بن جائیں، اس لئے دعوت و تبلیغ دین کی عام و خاص انفرادی و اجتماعی تمام ماثور و ممکن صورتوں کی طرف کثرت سے مواعظ وغیرہ میں متوجہ فرمایا ہے جس کی تفصیل اوپر **تعلیم و تبلیغ** کے باب میں گذر چکی، اور اگر مسلمانوں کو مسلمان بنانا ہے، اور قومی و سیاسی ترقیاں جو کچھ بھی کرنا کرانا ہیں مسلمان رہ کر کرنا کرانا ہیں، بالفاظ دیگر ہر طرح مسلمان ہی رہ کر جینا مرنا ہے، تو سب سے پہلے سارے مسلمانوں کی دینی اصلاح و تجدید کے اسی ہدایت نامہ یا پروگرام کو پکڑنا اور پھیلانا چاہئے، جو حضرت جامع المجددین نے پوری جامعیت کے ساتھ اس باب میں ہماری کامل رہنمائی کے لئے چھوڑا ہے، اور جس کو راقم الحروف نے اوپر **تعلیم و تبلیغ** کے عنوان کے تحت اس طرح پیش کرنے کی سعی کی کہ تمام اجزا بیک نظر سامنے آجائیں

(باقی)

لغاتِ جدیدہ

فتاوی عالمگیری اور اس کے مولفین

از مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

چلپی عبداللہ | عبداللہ نام چلپی غالباً لقب یا خاندانی نسبت تھی شاہجہاں کے زمانہ میں روم[۱] سے ہندوستان آئے، عربی، ترکی، فارسی وغیرہ متعدد زبانیں جانتے تھے[۲]

ان کو تصوف اور فن تصوف خصوصاً صوفیہ کی اصطلاحات وغیرہ سے پوری واقفیت تھی تصوف و حکمت پر کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"از علوم ظاہری و معارف باطنی بہرہ تمام داشت و بر مصطلحات طائفۂ عالیہ صوفیہ آگہی تمام حاصل نمودہ .... در علوم تصوف و حکمت تالیف رائقہ و تصانیف لائقہ دارد" (ص۲۰۸)

ملا سعد اللہ کو جو عالمگیر کے مقربین میں تھے ان سے بڑا تعلق تھا، غالباً انہی کے ذریعہ دربار میں پہونچے، اور فتاوی عالمگیری کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور ہوئے اور اپنے چند شاگردوں کے ساتھ اس مبارک کام کو انجام دیا[۳]، تبصرۃ الناظرین میں ہے،

"و چلپی عبداللہ بترجمۂ آں (فتاوی عالمگیری) مامور بود"[۴]

عالمگیری کا مترجم کون تھا؟ | اس بارہ میں کہ فتاوی عالمگیری کا فارسی مترجم کون تھا؟ ارباب تذ...

[۱] روم سے مراد ایشیاے کوچک کا علاقہ ہے [۲] فرحۃ الناظرین ص [۳] مراۃ العالم قلمی نسخہ [illegible]

[illegible]

بیانات مختلف ہیں، تبصرۃ الناظرین کا بیان اوپر گذر چکا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مترجم چلپی عبداللہ تھے جو ترکی سے آئے تھے فرحۃ الناظرین میں صرف اتنا ہے،

(چلپی عبداللہ) در نوشتن فتاوی شامل حال و مامور بود (ص۲۳۰)

بختاور خاں کا بیان ہے کہ فتاوی کے ترجمہ کے لئے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادے چلپی (صحیح ملا) عبداللہ مقرر ہوئے تھے، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

"چلپی عبداللہ خلف ارشد قدوہ فضلاے نامدار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی با چند تلامذ مترجم نوشتن این کتاب بفارسی مامور ہست (مراۃ العالم ص۲۹۸)

مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاوی کے مترجم ملا عبداللہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادہ نہیں، بلکہ چلپی عبداللہ ترکی تھے،

عالمگیر کے دربار میں عبداللہ نام کے دو عالم تھے، ایک ملا عبداللہ اور دوسرے چلپی عبداللہ کے نام سے مشہور تھے، صاحب مراۃ العالم کو غالباً نام کے اشتراک سے دھوکا ہوا، اس نے چلپی عبداللہ کو ملا عبداللہ سمجھ کر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا لڑکا اور فتاوی کا مترجم قرار دیدیا، اور ان کے نام کے آگے چلپی کی نسبت رہنے دی، حالانکہ چلپی کی نسبت ملا عبدالحکیم کے صاحبزادے کی طرف کسی طرح صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ لفظ ترکی زبان میں کوئی لقب یا خاندانی نسبت ہے، جس کی طرف وہاں کے بہت سے علما منسوب ہیں، کشف الظنون کے مصنف بھی اسی نسبت سے مشہور ہیں، ہندوستان کے کسی عالم کی طرف اس نسبت کا کیا جانا قیاس میں نہیں آتا،

ملا عبداللہ کو مترجم قرار نہ دینے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ مراۃ العالم میں عالمگیر کی حکومت کے ابتدائی دس سال یعنی ۱۰۷۸ھ تک کے واقعات درج ہیں، جب کہ ملا عبداللہ سیالکوٹی اس وقت دربار شاہی سے منسلک بھی نہ ہوئے تھے، بلکہ اس کے آٹھ برس بعد یعنی ۱۰۸۶ھ میں دربار سے

فتاوی عالمگیری اور اس کے مؤلفین

از مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

(۲)

چلپی عبداللہ | عبد اللہ نام چلپی غالبًا لقب یا خاندانی نسبت تھی شاہجہاں کے زمانہ میں روم[۱] سے ہندوستان آئے، عربی، ترکی، فارسی وغیرہ متعدد زبانیں جانتے تھے[۲]

ان کو تصوف اور فن تصوف خصوصًا صوفیہ کی اصطلاحات وغیرہ سے پوری واقفیت تھی تصوف وحکمت میں کئی کتابیں ان کی یادگار ہیں، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"از علوم ظاہری و معارف باطنی بہرہ تمام داشت و بر مصطلحات طائفۂ عالیۂ صوفیہ آگہی تمام حاصل نمودہ......... در علوم تصوف و حکمت توالیف رائقہ و تصانیف لائقہ دارد" (ص۸۲)

ملا سعد اللہ کو جو عالمگیر کے مقربین میں تھے ان سے بڑا تعلق تھا، غالبًا انہی کے ذریعہ دربار میں پہونچے، اور فتاوی عالمگیری کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور ہوئے اور اپنے چند شاگردوں کے ساتھ اس مبارک کام کو انجام دیا، تبصرۃ الناظرین میں ہے،[۳]

"در چلپی عبداللہ بترجمۂ آں (فتاوی عالمگیری) مامور بود[۴]"

عالمگیری کا مترجم کون تھا؟ | اس بارہ میں کہ فتاوی عالمگیری کا فارسی مترجم کون تھا؟ ارباب تذکرہ کے

---

[۱] روم سے مراد ایشیائے کوچک کا علاقہ ہے۔ [۲] فرحۃ الناظرین ص۸۲ [۳] مراۃ العالم قلمی نسخہ ص۴۷۲، [۴] قلمی نسخہ دار المصنفین نقل از نسخہ خدا بخش خان لائبریری، پٹنہ

بیانات مختلف ہیں، تبصرۃ الناظرین کا بیان اوپر گذر چکا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مترجم چلپی عبداللہ تھے جو ترکی سے آئے تھے فرحۃ الناظرین میں صرف اتنا ہے،

(چلپی عبداللہ) در نوشتن فتاوی شامل حال و مامور بود (ص)

بختاور خاں کا بیان ہے کہ فتاوی کے ترجمہ کے لئے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادے چلپی (صحیح ملا) عبداللہ مقرر ہوئے تھے، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

"چلپی عبداللہ خلف ارشد قدوہ فضلائے نامدار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی با چند تلامذ

بترجم نوشتن ایں کتاب بفارسی مامور ہست (مراۃ العالم ص)

مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاوی کے مترجم ملا عبداللہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادہ نہیں، بلکہ چلپی عبداللہ ترکی تھے،

عالمگیر کے دربار میں عبداللہ نام کے دو عالم تھے، ایک ملا عبداللہ اور دوسرے چلپی عبداللہ کے نام سے مشہور تھے، صاحب مراۃ العالم کو غالباً نام کے اشتراک سے دھوکا ہوا، اس نے چلپی عبداللہ کو ملا عبداللہ سمجھ کر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا لڑکا اور فتاوی کا مترجم قرار دیدیا، اور ان کے نام کے آگے چلپی کی نسبت رہنے دی، حالانکہ چلپی کی نسبت ملا عبدالحکیم کے صاحبزادے کی طرف کسی طرح صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ یہ لفظ ترکی زبان میں کوئی لقب یا خاندانی نسبت ہے، جس کی طرف وہاں کے بہت سے علماء منسوب ہیں، کشف الظنون کے مصنف بھی اسی نسبت سے مشہور ہیں، ہندوستان کے کسی عالم کی طرف اس نسبت کا کیا جانا قیاس میں نہیں آتا،

ملا عبداللہ کو مترجم قرار نہ دینے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ مراۃ العالم میں عالمگیر کی حکومت کے ابتدائی دس سال یعنی ۱۰۷۸ھ تک کے واقعات درج ہیں، جب کہ ملا عبداللہ سیالکوٹی اس وقت تک دربار شاہی سے منسلک بھی نہ ہوئے تھے، بلکہ اس کے آٹھ برس بعد یعنی ۱۰۸۶ھ میں دربار سے

ان کا تعلق ہوا اور فتاوی عالمگیری کا ترجمہ اس سے پہلے شروع ہو چکا تھا[1]، صاحب مآثر عالمگیری ۱۰۷۹ھ کے واقعات میں لکھتا ہے،

"(مولوی عبد اللہ) ہنوز ملازمت عالی سے سرفراز نہیں ہوئے تھے، قبلۂ عالم نے حسن ابدال سے ان کے نام پیام شوق روانہ فرمایا، کہ جہاں پناہ کے لاہور پہونچنے پر فاضل مذکور اپنے وطن سے روانہ ہو کر اس شہر میں بادشاہ کی ملازمت کا شرف حاصل کریں، مولوی عبد اللہ لشکر شاہی کے ورود سے دو تین روز پیشتر ہی لاہور پہنچ گئے تھے، مولوی مذکور چند مرتبہ خدمت شاہی میں حاضر ہو کر صحبت فیض اثر سے بہرہ اندوز ہوئے، بادشاہ علم پرور نے فاضل سیالکوٹی کو خلعت خاص اور دو سو اشرفیاں مادۂ نیل عطا فرما کر ان کو وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمائی،" (ص ۱۰۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاوی کے مترجم ملا عبد اللہ سیالکوٹی نہیں بلکہ چلپی عبد اللہ ترکی تھے،

سید علی اکبر سعد اللہ خانی | غالباً دلی کے باشندے تھے، عقلی علوم میں انھیں کافی دستگاہ تھی، خصوصیت سے علم دانائی (فقہ) میں یکتائے روزگار تھے، فرحۃ الناظرین میں ہے،

اکثر فنون دانش ورزیدہ و بر غوامض و دقائق علوم آگہی داشت و سیما در فقہ (ص ۸۳)

محبوب الالباب میں ہے،

"در اکثر فنون مہارتے کامل داشت علم فقہ نیک می دانست"

سعد اللہ خاں[2] کے خاص ہمنشینوں اور ہم جلیسوں میں تھے، ان کا زیادہ وقت سعد اللہ خاں ہی کے پاس گذرتا اسی تعلق سے وہ سعد اللہ خانی مشہور ہو گئے تھے، سعد اللہ کے ایک لڑکے لطف اللہ خاں

---

[1] خود مراۃ العالم کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۷۸ھ سے پہلے فتاوی کے ترجمہ کا کام شروع ہو چکا تھا،

[2] عالمگیر کے دربار کا بڑا مقبول امیر تھا، مآثر الامراء میں اس کا تذکرہ موجود ہے، جملۃ الملک اس کا خطاب تھا،

کی تعلیم و تربیت بھی انہی کی نگرانی میں ہوئی، لطیف اللہ نے آپ کے فیض صحبت سے علوم میں اچھی خاصی استعداد پیدا کر لی تھی،

غالباً سعد اللہ خاں ہی کے واسطے سے دربار شاہی میں رسائی ہوئی، اور فتاوی کی تالیف میں شریک کئے گئے، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"بتالیف فتاوی عالمگیری مامور شدہ بعنایت خلیفہ زمانی امتیاز داشت" (ص۲۳)

مآثر عالمگیری نے ۱۰۹۱ھ کے واقعات کی ضمن میں سید علی اکبر قاضی کا ذکر کیا ہے، اگر یہ سید علی اکبر یہی مولف فتاوی ہیں تو صاحب مآثر کے بیان کے مطابق وہ لاہور کے قاضی بھی رہ چکے تھے، اور وہیں امیر قوام الدین ناظم لاہور کی سازش سے قتل ہوئے، ان کے قتل کا مقدمہ چلا، اس سلسلہ میں امیر قوام الدین کو لاہور کی نظامت سے برطرف کرکے عدالت شاہی میں لایا گیا، مگر ان کے صاحبزادہ نے قوام الدین کے اعزہ و اقارب کی سفارش سے قصاص معاف کر دیا، اور وہ رہا ہو گیا،[۵]

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے ایک صاحبزادے بھی تھے،

سید نظام الدین ٹھٹھوی | شہر ٹھٹھہ (سندھ) اصلی وطن تھا، فقہ میں کافی دستگاہ تھی، اسی علم دانی (فقہ) نے انھیں دربار شاہی میں پہونچایا، اور وہاں مختلف مناصب پر مامور رہے، اور دوسرے علماء کے ساتھ انھوں نے بھی فتاوی کی تالیف میں حصہ لیا، تذکرہ علمائے ہند کے علاوہ کسی اور تذکرہ میں ان کا حال نہ مل سکا، اس کی عبارت حسب ذیل ہے،

"سید نظام الدین ٹھٹھوی در فقہ اوفق انام و در علوم اعلم کرام بر آمدہ بجذبۂ طبع گرائیدہ سوی شاہجہان آباد شتافت و در تالیف فتاوی عالمگیری بسے مشکلات حل کردہ" (ص۲۳)

قاضی ابو الخیر ٹھٹھوی | آپ شہر ٹھٹھہ (سندھ) کے باشندے تھے، آپ کی زندگی کے اور حالات معلوم نہ ہو سکے، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

---

[۵] مآثر عالمگیری ص۱۳۱۔

"در فتاویٰ عالمگیری شریک استنباط مسائل بود"

اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ فتاویٰ کی تالیف میں شریک اور استنباط مسائل اور ماخذ فقہ پر پوری نظر رکھتے تھے،

جلال الدین محمد | مچھلی شہر ضلع جون پور کے باشندے تھے، آٹھ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب قاضی ثناء الدین مچھلی شہری سے جو اپنے وقت کے بڑے متبحر اور مرتاض علماء میں تھے مل جاتا ہے،

آپ کو جملہ علوم میں دستگاہ تھی، خصوصیت سے فقہ و حدیث میں بہت ممتاز تھے، مشاہیر جونپور میں ہے،

"فاما در فقہ و حدیث بزمان او نظیرش نمیتواں یافت،، (ص ۱۲۱)

درس و تدریس | آپ کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس و تدریس تھا، ساری عمر آپ کا فیض جاری رہا، اور ہزاروں تشنگانِ علم اس چشمۂ علم سے سیراب ہوئے، مشاہیر جون پور میں ہے،

"مشغلۂ درس و تدریس مادام الحیات مرعی داشت، اکثری فضلاے ایام با و پیوستند وگلہاے فیض فراواں چیدند،" (ص ۱۲۱)

عالمگیر کو جب آپ کے علم و فضل کی اطلاع ملی تو بڑی نیازمندی سے بلا کر شاہی دربار کے علما میں شامل کیا،

جب فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کا کام شروع ہوا تو اس کے حصۂ اوّل کی تالیف آپ کے سپرد ہوئی، مشاہیر جون پور میں ہے،

"از تصنیفات و تالیفاتش فتاویٰ عالمگیریہ حصۂ اول است کہ حسب الامر سلطانی جمع نمود،، (ص ۱۲۲)

وفات | سنہ وفات کی کوئی تصریح نہیں مل سکی، آپ کے مدفن کے متعلق صاحب مشاہیر جونپور لکھتا ہے۔

"قبرش در قصبہ پھلی شہر جانب جنوب بر سر حد موضع او پیدا است (ص ۱۴۲)

مد جونپوری | حامد نام، جونپور وطن تھا، عنفوان شباب ہی میں دلی چلے گئے، وہاں شاہجہانی دربار
عہد عالم مرزا محمد زاہد کابلی[۱] کی خدمت میں پہونچے، عربی کی اکثر متداول کتابیں ان سے اور بعض کتابیں اسی
کے ایک اور صاحب علم دانشمند خاں[۲] سے پڑھیں، تکمیل تعلیم کے بعد شاہی دربار کے ان علماء کے زمرہ میں
ہ گئے، جن کو ڈیڑھ دو روپیہ یومیہ وظیفہ ملتا تھا[۳]،

شاہجہاں کے بعد جب عالمگیر سریر آرائے حکومت ہوا تو اس نے بھی دربار کے تعلق اور منصب
رار رکھا، شاہزادہ اکبر جب سن شعور کو پہنچا تو اس کی تعلیم و تربیت انہی کے سپرد ہوئی، اور فتاوی
لیف کے لئے ان کا انتخاب بھی عمل میں آیا، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

"در عہد عالمگیر داخل مولفین فتاوی شد، (ص ۲۲)

ارباب تذکرہ نے زمانہ وفات وغیرہ کی کوئی تصریح نہیں کی ہے اور نہ فتاوی کے علاوہ کسی دوسری
یادگار کا کوئی علم ہے[۴]،

نی الدین | بھاگلپور (بہار) کے ایک شریف خاندان سے تھے، علم و فن میں تبحر کے ساتھ ساتھ فن
ری میں بھی کمال رکھتے تھے[۵]، دربار شاہی میں مختلف عہدوں پر مامور ہوئے، فتاوی عالمگیری کی

---

[۱] ان میں میر زاہد انہی کی تصنیف ہے [۲] وزیر امور ممالک غیر تھے [۳] فرحۃ الناظرین تذکرہ علمائے ہند [۴] صاحب شاہ پیر نے بھی ملا حامد نام کے ایک عالم کا تذکرہ کیا ہے، مگر سنہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے، اسکے بیان کے مطابق وہ آخر عمر میں دلی سے واپس چلے آئے اور یہیں وفات پائی، انھوں نے ایک بہت وسیع اور پختہ مسجد بنوائی تھی اسی کے قریب وہ دفن ہوئے، جونپور کا محلہ بھی ان کے نام سے مشہور ہے، شاید یہ محلہ ملا ٹولہ ہو،

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ عالم کے زمانہ میں دلی گئے اور شاہزادہ اکبر کی تعلیم ان کے سپرد ہوئی اگر یہ بیان صحیح ہے اور اکبر شاہ عالم ثانی کا لڑکا اکبر ہے تو یہ ملا حامد دوسرے تھے اور اگر اس سے مراد عالمگیر کا لڑکا اکبر ہے تو پھر یہ دونوں ایک ہی ہیں، لیکن صاحب شاہ پیر نے فتاوی کی تالیف کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ لکھا ہے "ہیچکے نسخہ از تصنیفات شاں شہرتے ندارد" (ص ۹۲)

[۵] ترجمہ مآثر عالمگیری (ص ۲۲)

"در فتاویٰ عالمگیری شریک استنباط مسائل بود"

اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ فتاویٰ کی تالیف میں شریک اور استنباط مسائل اور مآخذ فقہ پر پوری نظر رکھتے تھے،

جلال الدین محمد | مچھلی شہر ضلع جون پور کے باشندے تھے، آٹھ واسطوں سے آپ کا سلسلۂ نسب قاضی ثناء الدین مچھلی شہری سے جو اپنے وقت کے بڑے متبحر اور مرتاض علماء میں تھے مل جاتا ہے،

آپ کو جملہ علوم میں دستگاہ تھی خصوصیت سے فقہ وحدیث میں بہت ممتاز تھے، مشاہیر جونپور میں ہے،

"وفا در فقہ وحدیث بزمان او نظیرش نمیتواں یافت،، (ص ۱۲۱)

درس و تدریس | آپ کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس و تدریس تھا، ساری عمر آپ کا فیض جاری رہا، اور ہزاروں تشنگانِ علم اس چشمۂ علم سے سیراب ہوئے، مشاہیر جون پور میں ہے،

"مشغلۂ درس وتدریس ادام الحیات مرعی داشت اکثری فضلاء ایام با و پیوستند وگلہائے فیض فراواں چیدند" (ص ۱۲۱)

عالمگیر کو جب آپ کے علم وفضل کی اطلاع ملی تو بڑی نیازمندی سے بلاکر شاہی دربار کے علماء میں شامل کیا،

جب فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کا کام شروع ہوا تو اس کے حصۂ اول کی تالیف آپ کے سپرد ہوئی، مشاہیر جون پور میں ہے،

"از تصنیفات وتالیفاتش فتاویٰ عالمگیریہ حصۂ اول است کہ حسب الامر سلطانی جمع نمود،، (ص ۱۲۲)

وفات | سنہ وفات کی کوئی تصریح نہیں مل سکی، آپ کے مدفن کے متعلق صاحب مشاہیر جونپور لکھتا ہے:-

"قبرش در قصبہ مچھلی شہر جانب جنوب بر سر حد موضع اونیا پیداست (ص ۱۳۲)

ملا حامد جونپوری حامد نام، جونپور وطن تھا، عنفوان شباب ہی میں دلی چلے گئے، وہاں شاہجہانی دربار کے مشہور عالم مرزا محمد زاہد کابلی[1] کی خدمت میں پہونچے، عربی کی اکثر متداول کتابیں ان سے اور بعض کتابیں اسی عہد کے ایک اور صاحب علم دانشمند خاں[2] سے پڑھیں، تکمیل تعلیم کے بعد شاہی دربار کے ان علمار کے زمرہ میں لے لئے گئے، جن کو ڈیڑھ دو روپیہ یومیہ وظیفہ ملتا تھا[3]،

شاہجہاں کے بعد جب عالمگیر سریر آرائے حکومت ہوا تو اس نے بھی دربار کے تعلق اور منصب کو برقرار رکھا، شاہزادہ اکبر جب سن شعور کو پہنچا تو اس کی تعلیم و تربیت انہی کے سپرد ہوئی، اور فتاویٰ کی تالیف کے لئے ان کا انتخاب بھی عمل میں آیا، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

"در عہد عالمگیر داخل مولفین فتاوی شد، (ص ۲۶۴)

ارباب تذکرہ نے زمانہ وفات وغیرہ کی کوئی تصریح نہیں کی ہے اور نہ فتاویٰ کے علاوہ کسی دوسری علمی یادگار کا کوئی علم ہے[4]،

شیخ رضی الدین بھاگلپور (بہار) کے ایک شریف خاندان سے تھے، علم و فن میں تبحر کے ساتھ ساتھ فن سپہ گری میں بھی کمال رکھتے تھے[5]، دربار شاہی میں مختلف عہدوں پر مامور ہوئے، فتاویٰ عالمگیری کی

---

[1] منطق میں میر زاہد انہی کی تصنیف ہے [2] وزیر امور ممالک غیر تھے [3] فرحۃ الناظرین تذکرہ علمائے ہند [4] صاحب مشاہیر جونپور نے بھی ملا حامد نام کے ایک عالم کا تذکرہ کیا ہے، مگر سنہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا ہے، اسکے بیان کے مطابق وہ آخر عمر میں دلی سے جونپور واپس چلے آئے اور یہیں وفات پائی، انھوں نے ایک بہت وسیع اور پختہ مسجد بنوائی تھی، اسی کے قریب وہ دفن ہوئے، جونپور کا ایک محلہ بھی ان کے نام سے مشہور ہے، شاید یہ محلہ ملا ٹولہ ہو،

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ عالم کے زمانہ میں دلی گئے اور شاہزادہ اکبر کی تعلیم ان کے سپرد ہوئی، اگر یہ بیان صحیح ہے اور اکبر سے مراد شاہ عالم ثانی کا لڑکا اکبر ہے تو یہ ملا حامد دوسرے تھے اور اگر اس سے مراد عالمگیر کا لڑکا اکبر ہو تو پھر یہ دونوں ایک ہی ہیں، لیکن صاحب مشاہیر نے فتاویٰ کی تالیف کا ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ لکھا ہے "ہیچ یک نسخہ از تصنیفات شان شہرتے ندارد"، (ص ۹۲)

[5] ترجمہ مآثر عالمگیری (ص ۶۲)

کی تالیف میں بھی ان کی شرکت تھی، اس کے معاوضہ میں دربار شاہی سے تین روپیہ یومیہ ان کو ملتے تھے، مآثر عالمگیری میں ہے،

"شیخ رضی الدین بھاگلپور (بہار) کے شرفار میں تھے، یہ فاضل مؤلفین فتاوی عالمگیری میں شامل تھے، اور تین روپیہ یومیہ ان کی تنخواہ مقرر تھی، (ص ۲۲)

مولانا محمد شفیع | مولانا محمد شفیع اور ان کے خاندان کے تین اور عالموں کے حالات جو فتاوی کی تالیف میں شریک تھے زیادہ تر سید طہٰ صاحب کے مضمون "صوبہ بہار کا ایک قدیم خانوادہ" سے ماخوذ ہیں،

مولانا محمد شفیع عہد عالمگیری کے بڑے ممتاز اور باصفا عالم تھے، عالمگیر کو ان سے بڑی عقیدت تھی، اکثر شاہزادگان بھی فیض صحبت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے، شجرۃ الاصل النورانیہ میں ہے،

"مولانا ے ما اشتہار عام دارند بادشاہ عالمگیر رجوع باو داشت و فرزندان وے برائے زیارت رسیدہ بودند"

آپ دادھیال کی طرف سے عثمانی اور ننھیال کی طرف سے سید تھے، جدی وطن بغداد تھا، ان کے اجداد میں حضرت خواجہ محمد غزنوی بغداد سے ترک وطن کرکے غزنی، وہاں سے سرہند پھر دہلی اس کے بعد بہار آئے اور یہیں بود و باش اختیار کر لی، ان کے خاندان کے بعض لوگ اب تک سرہند اور دہلی میں موجود ہیں،

"ہم از بعضے فرزندان خاندان خواجہ ما خواجہ محمود غزنوی کہ بطریق سیاحت وسفر در مخصوص بہ نیت زیارت حضرت مولوی معنوی مولانا محمد شفیع قدس اللہ بسرہم القدسی دریں علاقہ بہار رسیدہ بودند و اہل ایشاں از سرہند بود، چنانچہ ہم بتحقیق پیوستہ حضرت ایشاں از حضرت بغداد و بغزنی نزول فرمودند و از آنجا بسرہند و از آنجا بہ دہلی و از آنجا بحضرت بہار بہار نمودند کہ بعضے از ایشاں ہم در سرہند اقامت دارند و بعضے در دہلی" [۵۲]

---

[۵۱] یہ کتاب آج سے ساٹھ برس قبل کی تصنیف ہے، اس کا قلمی نسخہ اس خاندان میں محفوظ ہے، [۵۲] شجرۃ الاصل النو

سنہ ولادت کی کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کہاں ہوئی، البتہ باطنی علوم و معارف کی تکمیل اپنے ماموں حضرت پیران محی الدین قلت۔ ری کی خدمت میں کی،

ان کے متعلق خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ دربار شاہی میں معلم اور اتالیق تھے، مگر اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا، آپ کو دربار شاہی کی طرف سے مولوی معنوی کا خطاب ملا تھا، چنانچہ ایک فرمان پر یہ عبارت درج ہے،

"بدستور قدیم ممنوعہ درگاہ علائق......... حضرت فضیلت و کمالات دستگاہ مولوی معنوی ملا محمد شفیع سلمہ اللہ تعالیٰ معاف شد"

سنہ وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں ملتی، خاندان والے ان کے سالانہ عرس کی جو رسم ادا کرتے ہیں، اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ ان کی تاریخ وفات ۱۱ شوال ہے، ملفوظات گنج رشیدی اور سند شاہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پائی اور ۱۰۸۴ھ تک زندہ رہے،

"ملا محمد شفیع ساکن اتھوا کہ عمر یک صد و یک سالہ داشتہ اند"

سند شاہی کی عبارت یہ ہے،

"رمضان سنہ ۱۲ جلوس (۱۰۸۴ھ) بکر ربعرض رسید"

آپ کی اولاد میں قاضی بدیع الزمان بڑے پایہ کے عالم تھے،

جب فتاویٰ کی تالیف کا کام شروع ہوا تو عالمگیر نے مولانا محمد شفیع کی خدمات بھی حاصل کیں اور ایک روپیہ بارہ آنہ یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا، پھر یومیہ وظیفہ کے بجائے ایک سو تیس بگھہ اراضی پرگنہ دوکری میں دیدی، جس کی شاہی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے جس میں ان باتوں کی پوری تفصیل ملتی ہے، عبارت حسب ذیل ہے،

" شرح یادداشت واقعہ درسنہ بست وہشتم شہر رجب سنہ ۱۳ جلوس والا موافق سنہ ۳۱ برسالہ سیادت و نقاہت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ سزاوار عنایت پادشاہی قابل مرحمت شاہنشاہی صدر رفیع القدر رضویخان و نوبت واقع نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ میرزا بیگ قلمی می گردد کہ بعرض مقدس معلیٰ رسید کہ بموجب فرمان والا شان سعادت نشان مرقوم تاریخ ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۱ جلوس مبارک مبلغ یک روپیہ ۔ ۔ ۔ ۔ بطریق یومیہ ہر سال ہر دو جنس معاف از خزانہ برکات سعادت بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری بہمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود و تا فی الحال در حکم علی العلوم یومیہ مذکور برطرف گشتہ، مشارٌ الیہ بحلیہ فضیلت آراستہ است، و جمع کثیر وابستہ دارد، امیدوار است کہ حکم جہان مطاع عالم مطیع صادر شد کہ موازی یک صد و سی بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع از اوکری سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم و اگر در محلے دیگر چیزے داشتہ باشد آن را اعتبار نکنند و یومیہ مذکور را برطرف شمارند، واقع ۲ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۵ جلوس بموجب تصدیق یادداشت قلمی شد، شرح بہ خط سیادت و نقاہت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ صدر رفیع القدر رضویخان کہ داخل واقع نمایند، شرح بخط واقع نویس مطابق واقع است، شرح بخط زبدۂ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت مقرب آنحضرت الخاقانیہ منظور الانظار السلطانیہ، شجاعت و شہامت پناہ جلادت و بسالت دستگاہ شایستہ انواع عنایات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سزاوار اصناف مراحم پادشاہی بخشی الملک اسد خاں کہ بعرض مکرر رسانید، شرح بخط فضائل پناہ کمالات دستگاہ شیخ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رمضان سنہ ۱۶ جلوس مکرر بعرض رسید، شرح بخط زبدۂ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت بخشی الملک کہ فرمان عالیشان قلمی نمایند، از ربیع اوائل شرح ۱۲ یومیہ بموجب فرمان عالیشان بنام محمد شفیع

بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری مقرر بود، بعہدہ دریں ولا از پرگنہ اوکری سرکار و صوبہ بہار مرحمت شد"

ملا وجیہ الرب — آپ کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے، فرمان شاہی کی اس عبارت سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ مولوی معنوی کے ساتھ یہ بھی فتاویٰ کی تالیف میں شریک تھے، اور دربار کی طرف سے انکو بھی وظیفہ ملتا تھا'

"بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری بہمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریعت محمد مقرر بود۔"

مولانا محمد فائق — مولانا محمد شفیع کے صاحبزادے قاضی بدیع الزماں کے خسر اور فتاویٰ کی جمع و ترتیب میں شریک تھے، اس کے عوض میں دربار سے عہ یومیہ وظیفہ ملتا تھا، پھر بعد میں کچھ زمین جاگیر میں دیدی گئی جس کی شاہی سند ان کے خاندان میں اب تک محفوظ ہے،

"شرح یادداشت واقعہ روز جمعہ ششم شہر ذیقعدہ سنہ ۱۲ جلوس والا موافق سنہ ۱۰۸۰ھ مبلغ دو و نیم روپیہ بلاقصور یومیہ ہمراہ ملا محمد اکرم در وجہ مدد معاش سید محمد فائق ولد سید محمد شائق بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری عوض یومیہ مذکور یکصد و پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت از پرگنہ اکل سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم۔"

ملا محمد اکرم — مولانا محمد فائق کے ساتھ یہ بھی فتاویٰ کی جمع و ترتیب میں شریک تھے اور انکو بھی دربار شاہی سے یومیہ وظیفہ ملتا تھا۔

"مبلغ دو و نیم روپیہ بلاقصور یومیہ ہمراہ ملا اکرم در وجہ معاش۔۔۔۔ بشرط جمع فتاویٰ عالمگیری۔"

دار الحکومت کے موروثی مفتی تھے، ۱۱۰۹ھ میں اردوئے معلی کے قاضی ملا عبد اللہ کے انتقال کے بعد عہدۂ قضا بھی ان کے سپرد ہوا، مآثر عالمگیری میں ہے،

"قاضی عبد اللہ نے مرض فالج میں دنیا کو خیرباد کہا، ان کے بجائے محمد اکرم جو دار الحکومت کے موروثی مفتی تھے، اردوئے معلی کی خدمت قضا پر حضور پرنور میں طلب فرمائے گئے،" (ص ۳۸۲)

خاتمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی استاذ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

بعد الحمد والصلوٰۃ "معارف نمبر ۶ بابت دسمبر ۱۹۳۶ء میں میرے محترم بزرگ مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی نے عنوان بالا کے تحت چند سطور سپرد قلم فرما کر بندۂ ناچیز کو یاد فرمایا ہے، سہ

اے یاد دآمدنت باعث آبادی ما

جواباً گذارش ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے غیر مسلم اقوام سے حاصل کی ہوئی، ان رقوم کو جو عقد ربا و قمار کے ذریعہ لی جائیں، میں اس لئے ناجائز کہہ رہا ہوں کہ اُن کی حیثیت ہندوستان میں متلصص یا اسیر (جاسوس اور قیدی) کی نہیں، بلکہ اُن کی حیثیت مصالح اور مستامن کی ہے جس کے حق میں نفوس اہل حرب باتفاق معصوم ہو جاتے ہیں، اور جس کی جان معصوم ہو میرے نزدیک اس کا مال بھی معصوم ہے، اور مال معصوم کو عقد ربا و قمار کے ذریعہ لینا حرام ہے، گو باہمی رضامندی کے ساتھ ہی ہو پس مجھے جناب والا کا یہ مقدمہ مسلم نہیں، کہ

"شریعت اسلامی ان اموال کو مسلمانوں کے لئے مُباح کر چکی ہے"

اور دوسرا مقدمہ کہ

"حکومت کا قانون بھی اس کے لینے کو جائز قرار دے رہا ہے"

تنہا بدون پہلے مقدمہ کے کافی نہیں، کیونکہ قانون وقت تو طوائف کی اجرت زنا و اجرت غنا

کو بھی جائز قرار دیتا ہے، اور اس کے حکام اس کی ڈگریان بھی دیتے ہین، مگر کوئی بھی اس کو وجہ جواز قرار نہین دیکھتا، کیونکہ قانون شریعت نے اس کی اجازت نہین دی اور عقد ربا کا گناہ زنا و غناسے کم نہین، نہ اس سے حاصل کیا ہوا مال حرمت مین مالِ زنا سے کچھ کم پس جب تک یہ مقدمہ ثابت نہ ہو، کہ مُصالح و مُستامن کے حق مین اموال اہلِ حرب معصوم نہین، بلکہ مُباح ہین، اس وقت تک اس کو متلصص یا اسیر پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، جس کے حق مین نہ نفوس اہلِ حرب معصوم ہین، نہ اُن کے اموال بند مے اپنے مضمون مین اس مقدمہ پر تفصیل کے ساتھ پوری روشنی ڈال دی، ہی کہ جن لوگون کے نفوس معصوم ہین، اُن کے اموال بھی معصوم ہونے چاہئین، قرآن وحدیث کی کسی دلیل سے اس تلازم کی نفی نہین ہوتی، علامہ سرخسی کا مستامن و مصالح کے حق مین نفوس اہلِ حرب کو معصوم مان کر اموال کو غیر معصوم مُباح قرار دینا محتاج دلیل ہے، جو اب تک میری نظر سے نہین گذری مولانائے محترم جس وقت بھی اس کی کوئی واضح قطعی دلیل قرآن وحدیث سے پیش فرمادین گے، اوسی وقت ساری نزاع ختم ہوجائے گی اور اگر وہ یہی فرمادین کہ اُن کے فتوی کا مدار صرف فقہ حنفی کے ایک قول پر ہے، دلائل قرآن وحدیث پر نہین، تب بھی مجھے کوئی اختلاف نہ ہوگا، گو میرے نزدیک اس باب مین فقہ حنفی کا یہ قول قوی نہین، بلکہ امام ابو یوسف کا قول قوی ہے، جو ظاہر قرآن وحدیث کے موافق اور جمہور اُمت کے قول سے مُوید ہے، ولعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا،

"نزہتہ الارواح" کا مکمل نسخہ

از

جناب حکیم خلیل الرحمٰن صاحب رضوی، سیالکوٹ

معارف نمبر ۴ جلد ۵۰ مین مولوی عبدالحمید خان صاحب ریڈر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا ایک تبصرہ کتاب نزہتہ الارواح پر شائع ہوا تھا، پھر معارف نمبر ۶ جلد ۵۰ مین زاد مسافر اور نزہتہ الارواح پر جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے بعنوان دو کمیاب کتابین کے عنوان سے مزید گفتگو کی ہے، اتفاق کی بات ان دونون ارباب ذوق کے پیش نظر کتاب مذکور کے نامکمل نسخے تھے چنانچہ اول الذکر فرماتے ہین،

"کتاب دبیز بادامی کاغذ پر ہے تقطیع متوسط اور خط معمولی ہے، آخر سے چند صفحات غائب ہین"

پھر ثانی الذکر جناب سید صاحب کا ارشاد ہے:-

میرے لئے رنج دہ بات سب سے زیادہ یہ ہے کہ اس کے اوراق آخر مین غائب ہین حتی کہ مصنف کا لکھا ہوا خاتمہ جو خان علام نے نقل فرمایا ہے، وہ بھی اس نسخہ مین باقی نہین، اس نسخہ کے فصل بست و ہشتم کے دو صفحے پورے کرکے لکھا ہے "چون شیخ بقصد رسید الی قولہ ماند گانزار باقی مفقود) ہے"

میرے پاس نزہتہ الارواح کا مکمل نسخہ موجود ہے، اور وہ قلمی کے بجائے مطبوعہ ہے، یہ نسخہ مطبع عزیزی مین طبع ہوا ہے، سنہ طبع مکتوب نہین، کاغذ زرد ہے، خط نہ بہت صاف اور نہ زیادہ خراب، حاشیہ مین مغلق الفاظ اور عربی اشعار کا ترجمہ درج ہے، کتاب مین ۲۸ فصلین ہین، جو ۷۰ صفحات مین ہین، اور اختتام

کی عبارت وہی ہے جو مولوی عبدالحمید خان صاحب نے مورد بالا معارف میں نقل کی ہے،

ابتدا عربی خطبہ حمد و صلوٰۃ پر مشتمل ہے، اور

قال سیدنا ومولانا الشیخ الاجل الی قولہ رکن الحق والدین حسین

بن عالم ابی الحسن الحسینی الخ

کے الفاظ دلالت کرتے ہیں، کہ یہ خطبہ الحاقی ہے، شاید ان کے کسی تلمیذ نے لکھا ہو،

خطبہ کے بعد یہ نظم ہے،

بتوفیقش چو دیدم روشن آواز سخن را ہم بنامش کردم آغاز

بگو اے مرغ زیرک حمد مولیٰ کہ ہست او را سپاس منت اولیٰ

جناب سید مقبول احمد نی صاحب نے لکھا ہے کہ فصل بست وہشتم الخ یہ صحیح نہیں ہے، میں نے اُن کی منقولہ عبارت کا مقابلہ کتاب سے کیا ہے، تو منقولہ عبارت فصل بست وہفتم کے ڈیڑھ صفحہ کے بعد مجھے ملی جس کے آگے یوں ہے،

"گفت اے کرامت یار ماندگان را دستگیر واے لطف از دست رفتگان، الخ"

اگر جناب سید مقبول احمد صاحب صمدنی اگر اپنا پتہ بھیجیں تو بقیہ صفحات ان کو بھیج دوں گا،

سیرت عائشہ رض

اُم المومنین حضرت عائشہؓ کے حالاتِ زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات،

قیمت سے، ضخامت ۳۲۹ صفحے، طبع سوم باضافہ حواشی،

"منیجر"

استفسار و جواب

پٹھان اور مغل کی وجہ تسمیہ

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی
مدیر، صدق، دریاباد ضلع بارہ بنکی

صدق میں ایک سوال نامہ آیا ہوا ہے:۔
مجھے عرصہ سے مغل اور پٹھان کی تحقیق کی ضرورت ہے

بعضوں کا خیال ہے کہ جن مسلمانوں نے ہندوستان کو فتح کیا، اُن کو فتح خان یا فتحان کہتے تھے یہی رفتہ رفتہ پٹھان ہوگیا، بہرحال سوال یہ ہے کہ ان دونوں قوموں کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ اور ان کا سلسلۂ نسب کیا ہے، ؟ "جواب ان کا خواہ معارف ہی میں نکلے، خواہ صدق کے لئے الگ آجائے، بہرحال مجھے اطلاع جلد مل جائے تو بہتر ہے"۔

معارف: گرامی نامہ سے سرفراز ہوا، مدت کے بعد جناب والا نے یاد فرمایا، یاد فرمائی کے لئے شکر گذار ہوں،

لفظ "پٹھان" کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف اقوال منقول ہیں، جن میں سے بعض کا بے حقیقت ہونا ظاہر ہے، جیسے فرشتہ کا بیان کہ چونکہ افغان پٹنہ میں آکر آباد ہوئے تھے، اس لئے وہ "پٹھان" کہے گئے، حالانکہ پٹھانوں کے متعلق معلوم ہے، کہ وہ پہلے شمالی مغربی ہند کے میدان پنجاب و سندھ میں آکر آباد ہوئے تھے شمالی مشرقی میدان میں وہ اس کے بہت دنوں کے بعد آئے تھے، اسی طرح مرسلہ سوال نامہ میں پٹھان کی وجہ تسمیہ فتح خان یا فتحان جو بیان کی گئی ہے، اس کو بھی اسی قسم کی ایک بے اصل روایت سمجھنا چاہئے،

پٹھانوں کو افغان بھی کہا جاتا ہے، اور اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ پٹھان دراصل وہی ہیں، جو افغانستان سے آئے ہیں، اس لئے افغان اور پٹھان، دونوں ہم معنی لفظ قرار پاتے ہیں، اور اسی لئے ہندوستان میں پٹھانوں کی حکومت کو افغانی حکومت سے موسوم کیا جاتا ہے، لیکن بعض لوگوں نے ان دونوں کے مفہوم کے اطلاق میں فرق کیا ہے، اور افغان سے چند مخصوص قبائل مثلاً درانی وغیرہ کو مراد لیا ہے، اور پٹھان سے ان تمام قبائل کو موسوم کیا ہے، جو پشتو زبان بولتے ہیں،

حقیقت یہ ہے کہ اس قوم کو افغان کے نام سے ابتداءً لٹریری طور پر غیر ملکیوں نے موسوم کیا، پھر رفتہ رفتہ درانیوں اور بعض دوسرے پٹھان قبائل نے اپنے کو افغان کے نام سے موسوم کر لیا، اور باقی ماندہ دوسرے قبائل غلزئی، آفریدی، بنگش، شیرانی اور استرانی وغیرہ مثل سابق پٹھان کہے جاتے رہے کیونکہ محققین کے نزدیک اس قسم کی کوئی تقسیم کسی تاریخی یا روایتی بنیاد پر کبھی نہیں کی گئی، بلکہ اصلیت کے اعتبار سے ان دونوں کا قدیم قومی نام پشتان (Pushtan) یا پکھتان (Pakhtan) تھا جو مقام پشتانا (Pakhtana) یا پکھتانا (Pashtana) کی طرف منسوب تھا، اور یہی قدیم لفظ آگے چل کر تلفظ میں پٹھان بن گیا،

اس لئے ان دونوں قسم کے قبائل درانیوں اور غلزیوں وغیرہ میں افغان اور پٹھان کہے جانے میں جو کچھ فرق ہے، وہ آگے چل کر محض اعتباری طور پر اختیار کیا گیا، ورنہ نسل وطن یا کسی تاریخی روایت کی بنیاد پر ابتداءً ان میں باہم کوئی امتیاز نہیں تھا،

البتہ جب آگے چل کر ان میں بعض کے وطن میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی، اور ان میں کے بعض قبائل مغرب سے مشرق کی سمت قندہار وغیرہ کے علاقہ میں آکر آباد ہو گئے، تو اُن کی اور دوسری قوموں کی آبادی مخلوط ہوئی، اس وقت انھیں ان دوسری قوموں سے ممتاز کرنے کے لئے خاص طور پر اُن کے قدیم نام پٹھان سے موسوم کیا گیا، کیونکہ یہ لوگ یہاں گندھار (قندھار) میں ہندوستانی نوآبادی سے آکر

لے تھے، اور انہی ہندوستانیون سے انھون نے پشتو زبان سیکھی تھی، کیونکہ یہ زبان بھی پراکرت بھاکی ایک شاخ ہے
اور شاید انہی کی نسبت سے پشتو سے موسوم ہوتی ہے، اس طرح یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ افغانستانی جو مغرب
سے مشرق کی سمت مین آگئے، وہ لوگ اگرچہ مغربی افغانستانیون سے نسل مین تو متحد رہے مگر وطن مین ان
سے اختلاف پیدا ہوگیا، اور اب پٹھان کا نام جو ان دونون گروہون کا قدیم قومی نام تھا خاص طور پر ہندوستان
اور اس کی سرحد مین اس نوآباد گروہ کے لئے مخصوص ہوگیا، ورنہ قدیم قومیت کے اعتبار سے ہر افغانستانی
خواہ وہ مغربی افغانستان کا ہو، یا مشرقی کا، یا ہندوستان کے شمالی میدان مین مغربی حصہ مین آباد ہوا ہو
یا مشرقی مین، وہ پٹھان ہے، اور اس لحاظ سے ان مین کا ہر گروہ اس نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے،

معارف بابت ماہ جولائی ۱۹۴۶ء مین ایک استفسار کا جواب "پٹھانون کی تاریخ" کے عنوان سے
شائع ہوا ہے، اس سے اس سلسلہ گفتگو مین مزید معلومات مل سکتے ہین، خصوصاً ایسی فارسی اور اردو کی
کتابون کا پتہ چلے گا، جن مین پٹھانون کی قومیت، نسل، وطن اور سیاسی کارنامون کا خاص طور پر ذکر
آیا ہے، مناسب ہے کہ مزید معلومات کے لئے اس استفسار و جواب کی طرف رجوع کیا جائے،

باقی رہے مغل تو اُن کا پٹھانون سے کوئی تعلق نہین، امیر تیمور کا شاہی خاندان جس نے ہندوستان
مین حکومت کی، نسلاً ترک تھا، وہ یہ لوگ مغل اس لئے کہے گئے، کہ امیر تیمور کا یہ قدیم ترکی قبیلہ دراصل
منگول سے وابستہ تھا، اس لئے مغل کے قدیم نسل و وطن کی ساری داستان وہی ہے، جو منگول کے
نام سے تاریخون مین ملتی ہے "منگول" یا "مونگل" کے لغوی معنی "جوانمرد" یا "دہلی" قوم کے بیان کئے گئے ہین،
یہ قوم دراصل تنگوسی قبیلہ پر مشتمل تھی، تنگوسی ایک قدیم ترکی قبیلہ سائبریا کلان کے ممتاز قبائل مین سے تھا
اسی لفظ مونگل یا منگول سے لفظ مغل بنا ہے، اور ہندوستان مین مغل وہی ہین، جو یہان کے حکمران
مغلیہ خانوادہ سے سلسلہ تعلق رکھتے ہین، لیکن آج کل ان سرحدی پٹھانون کو جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ
مین کاروبار کرتے ہین، عوام مغل کہتے ہین، اس کو امر واقعہ اور تاریخی حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہین ہے

یہ محض ان کا ایک عرفی نام ہے، جس سے اُن کی شہرت ہوگئی ہے،

والسلام "س"

"تاریخ شمشیر خانی اور فیاض القوانین"

جناب عبدالرشید صاحب تبسیم
استاذ گورنمنٹ ہائی اسکول ملتان

"یہاں ایک دوست کے پاس دو قلمی کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا، ایک کا نام شمشیر خانی ہے جس میں نامہ خسروان کے طرز پر ایران قدیم کے حالات ہیں، اور دوسری کا نام فیاض القوانین ہے جس میں شاہان مغلیہ کے فرامین خطوط اور دوسری تحریرات ہیں، ان دونوں کتابوں کی تاریخی حیثیت سے مطلع فرمائیں"

معارف:۔ کتاب شمشیر خانی معروف تصنیف ہے، یہ شاہجہانی عہد میں ۱۰۷۰ھ میں تالیف ہوئی، اس کا مصنف توکل بیگ ولد تولک بیگ ہے، وہ شاہزادہ دارا شکوہ کے معتمد علیہ لوگوں میں سے تھا، دارا شکوہ نے اس کو اپنے کابل کی صوبہ داری کے زمانہ میں وقائع نویس کی حیثیت سے غزنی بھیجا تھا، کتاب شمشیر خانی اُس نے اسی زمانہ میں غزنی کے گورنر محمد حیات شمشیر خان کی فرمایش سے لکھی تھی، یہ دراصل شاہنامہ فردوسی کا نثر میں خلاصہ ہے، چونکہ یہ کتاب شمشیر خان کی فرمایش سے تیار ہوئی تھی، اس لئے مصنف نے اس کو "تاریخ دلکشاے شمشیر خانی" سے موسوم کیا، اس کے بعض نسخوں پر اس کا نام "منتخب شاہنامہ" اور بعض پر "خلاصہ شاہنامہ" بھی درج ہے، یہ نسخے کتب خانہ برٹش میوزیم میں موجود ہیں، (فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۲ ص ۵۳۹) بانکی پور اور دوسرے کتب خانوں میں بھی اس کے نسخے عام طور پر موجود ہیں،

ہمارے کتب خانہ دار المصنفین میں بھی اس کا ایک نسخہ موجود ہے، اس کے دیباچہ میں اس کو "تاریخ دلکشائی شمشیر خانی" سے موسوم کیا گیا ہے، معلوم ہوتا ہے "منتخب شاہنامہ" یا "خلاصہ شاہنامہ" کے نام سے جو نسخے ہیں ان کو کسی نے معنی کے اعتبار سے ان ناموں سے موسوم کر دیا ہے، ہمارا نسخہ ایک ہندو کاتب رگھونندن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، جس کو اُس نے ۱۲۲۲ فصلی میں قصبہ پھول پور پرگنہ نظام آباد ضلع اعظم گڈھ کے ایک زمیندار

سنرام سنگھ کے لئے لکھا تھا،

فیاض القوانین دراصل تیموری سلاطین امراء اور دوسرے حکمرانوں کے مکاتیب کا مجموعہ ہے، اس زمانہ میں مکاتیب کے مجموعے انشاء کی تعلیم کے لئے تیار کئے جاتے تھے، اس میں شاہجہان، عالمگیر، جہان آرا، داراشکوہ، شجاع، مراد بخش، جعفر خان، وزیر اورنگ زیب اور دوسرے حکمران عادل شاہ، قطب شاہ اور جے سنگھ وغیرہ کے خطوط ہیں، جو تین جداگانہ بابوں میں مرتب کئے گئے ہیں، اس کا ایک نسخہ نواب علی حسن خان صاحب مرحوم بھوپال ہاؤس لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے،

چند وفودِ عرب کے بارگاہ نبوی میں پہنچنے کی تاریخ

جناب جلال الدین احمد صاحب جعفری

مطبع انوار احمدی - الہ آباد

دریافت طلب یہ امر ہے کہ حسب ذیل وفود فتح مکہ سے قبل آئے تھے یا بعد، اگر قبل آئے تھے تو کس سنہ میں، اس کے دریافت کی اشد ضرورت ہے،

"بنو تمیم کا وفد، بنو سعد کا وفد، اشعر یمینی کا وفد، اوس کا وفد، مزینہ، اشجع، جہنہ،"

معارف:- وفود کی آمد زیادہ تر فتح مکہ کے بعد ہوئی ہے، مگر جن وفود کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے ان میں سے بنو تمیم اور بنو سعد کے علاوہ تمام وفود فتح مکہ سے پہلے آئے ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے،

۱- بنو تمیم ۹ھ فتح مکہ کے بعد آئے، (ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۶۲) (۲) بنو سعد، ابن ہشام نے ان کی آمد فتح مکہ کے بعد بتلائی ہے، ابن سعد و صاحب البدایۃ والنہایہ نے ۵ھ کی تصریح کی ہے، زرقانی نے ابن اسحاق کے قول کو جو ابن ہشام میں ہے ترجیح دیا ہے (۳) مزینہ رجب ۵ھ میں، (ابن سعد ذکر وفود) (۴) اشجع خندق کے سال (۵ھ) آئے، (ابن سعد ذکر وفود) (۵) جہینہ اس کا تذکرہ صرف ابن سعد نے کیا ہے مگر سنہ کی تعیین نہیں کی ہے، اتنی تصریح ضرور ہے کہ فتح مکہ کے پہلے آئے، (ابن سعد ذکر وفود) (۶) اشعریین ۷ھ میں آئے (زرقانی ابن سعد وغیرہ) (۷) اوس یہ بھی ۷ھ میں آئے (زرقانی ابن سعد وغیرہ) [illegible]

باب التقریظ والانتقاد

"ہندوستان مین اقلیتون کا مسئلہ"

از جناب سید عبد الباری صاحب ام اے (عثمانیہ)

حجم ۲۳۲ صفحے، ۲۰×۳۰/۱۶، لکھائی چھپائی، اور کاغذ، بہتر، قیمت: عہ، پتہ: منیجر نفیس بک ڈپو حیدرآباد دکن،

ہندوستان کی سیاست مین اقلیتون کا مسئلہ سب سے زیادہ پیچیدہ رہا ہے، وہ بلاشبہ انگریزی حکومت کا پیدا کردہ ہے، خواہ وہ جن اغراض سے پیدا کیا گیا ہو، اور آج تک اس کے حل نہ ہونے کے جو وجوہ واسباب رہے ہون، مگر اب وہ ایک مجسم اور سنجیدہ حقیقت ہے، اس لئے اس کی پچھلی تاریخ بھی نظرانداز کئے جانے کے لائق نہین، کہ اس کے سمجھنے اور اس کے حل کرنے دونون مین پس منظر کے طور پر اس سے آگاہ رہنا ضروری ہے، خوشی کی بات ہے کہ مصنف نے وقت کے اس اہم اور سنجیدہ موضوع پر قلم اٹھایا، اور اس مسئلہ اور اس کے متعلقات کو دیانتداری اور متانت سے اس تصنیف مین پیش کیا،

یون تو اقلیتون مین ہندوستان کی چھوٹی بڑی سب اقلیتین داخل ہین، لیکن مصنف نے ان سے مراد صرف مسلمانون اور ان کی فرقہ وارانہ نیابت کو لیا ہے، دوسری اقلیتون کا ذکر کتاب مین ضمنی طور پر آیا ہے، کتاب چند بابون مین تقسیم ہے، پہلے باب مین مسئلہ اقلیت کا تاریخی پس منظر دکھایا گیا ہے، کہ مغل فرمانروائون کے دور مین ہندو اور مسلمان دونون قومون مین رواداری، یگانگی، اور ترقی کی رفتار مین توازن قائم تھا، ۱۸۵۷ء کی شورش کے بعد انگریزی حکومت نے اپنی بقا و استحکام کے لئے اقلیت کے مسئلہ کو پیدا کیا، مسلمانون کو نظرانداز کرکے دونون قومون کے توازن کو بگاڑا، مسلمان خصوصاً انگریزی تعلیم اور معاشی حالت مین پچھڑ گئے،

سرکاری ملازمتوں میں ان کا تناسب برقرار نہیں رہا، پھر اردو ہندی زبان کا تنازع پیدا کیا گیا، اس کے ساتھ ہندو اور مسلمانوں میں دو الگ الگ مذہبی، وہابی اور آریہ سماجی تحریکیں چلیں، اور مصنف کے خیال میں اگرچہ یہ تحریکیں برطانوی راج کے خلاف اٹھیں لیکن بنیادی غلطیوں کی وجہ سے ہندو مسلم اختلافات کا ذریعہ بن گئیں"، (ص ۴۳) مصنف نے "وہابی" تحریک کے سلسلہ میں دکھایا ہے، کہ

"ابتدا میں ہندوستان میں وہابی تحریک" فرائضی تحریک" کے نام سے اٹھی، جس کے بانی شریعت اللہ صاحب تھے، اس کا مقصد مسلمانوں کے ادنیٰ طبقے خصوصاً مزدوروں اور کاشتکاروں میں بیداری پیدا کرنا، اور احکام الٰہی سے عوام کو آگاہ کرنا تھا، لیکن بعد میں چل کر جب اس تحریک کی باگ ڈور جناب سید احمد بریلوی کے ہاتھ آئی تو یہ تحریک جارحانہ صورت اختیار کرنے لگی، اور تشدد کی وجہ سے جہاں یہ تحریک انگریزوں سے ٹکرا گئی، وہاں ہندوؤں کو بھی غلط فہمی میں مبتلا کرکے خائف کر دیا"

ہندوستان کی "وہابی" تحریک کا مفروضہ رشتہ کسی "فرائضی تحریک" سے بے سند جوڑنا صحیح نہیں، یہ صرف دشمن تحریک جیمس اوکنلے کے ذہن کی پیداوار ہے، علمی حلقہ میں اس کا یہ نظریہ قبول نہیں کیا گیا، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں "فرائضی" پر جو مقالہ ہے، اس میں اس کا ذکر تک نہیں آیا ہے، ہندوستان کی وہابی تحریک کا رشتہ اگر جوڑا جا سکتا ہے، تو اس عہد کی نجدی تحریک سے ورنہ دراصل یہ دینی تحریک تجدید و احیاے دین کی ایک مستقل تحریک تھی، توحید خالص کی تبلیغ اور بدعات کا استیصال اس دعوت کے بنیادی اجزاء تھے، اس کے بعد جہاد کا جو علم بلند ہوا تو وہ ہندوؤں کے خلاف نہ تھا، بلکہ پنجاب میں سکھ حکومت کے ان مظالم کے خلاف تھا، جو وہ وہاں برپا کئے ہوئے تھی، وہاں مسلمانوں کی مسجدیں اور عبادتگاہیں محفوظ نہ تھیں، اس لئے اس کو زیادہ سے زیادہ "سکھ مسلم اختلافات" کی بنیاد تو کہا جا سکتا ہے، ہندو مسلم اختلافات کی بنیاد بتانا صحیح نہ ہوگا کہ اس تحریک کے سلسلہ میں ہندو مسلم اختلاف کا کوئی واقعہ پیش آنے سے پہلے ہی انگریزی حکومت خود درمیان میں آگئی اور اپنی سازشوں سے اس تحریک کو ناکام کرنے میں کامیاب ہوئی، پھر سازش کے مقدمات قائم کرکے اس کو

بہرحال مصنف نے اسی سلسلہ مین دکھایا ہے کہ جب ایک طبقہ یا فرقہ طاقتور ہو گیا تو اس کی قوت کو بے اثر کرنے کے لئے دوسرے کمزور فرقون کو لا کر کھڑا کر دیا گیا اس طرح سامراج نے مختلف طبقون کے توازن اور کبھی عدم توازن سے اپنی بنیاد مستحکم کی، چنانچہ جب اصلاحات کا دور آیا، تو مسلمانون مین اپنی کمی اور کمزوری کا احساس پیدا ہو چکا تھا اور وہ حکومت کی شہ سے ملک کی قومی تحریک کو شک اور شبہہ کی نظر سے دیکھنے لگے تھے" ان مین ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی، یا پیدا کی گئی، جو ملک کی عام سیاسی ترقی سے پہلے تحفظات چاہتی تھی، یہانتک کہ اس نے نیابتی ادارات تک کی مخالفت کی، کہ آبادی کے مختلف طبقات کا تعلیمی و معاشی زندگی مین توازن بگڑ چکا ہے اس لئے انتخابات کا اصول ہندوستان کے لئے موزون نہین، جمہوری ادارات کی ترویج کے لئے جس ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، ہندوستان مین اس کا فقدان ہے" لیکن جب ملک کی قومی تحریک مین روز افزون اضافہ ہوتا گیا تو حکومت نے سپر ڈالی، اصلاحات دینے کا اعلان کیا، اور عین اسی زمانہ مین ایک فرقہ کو دوسرے فرقہ کے خلاف، ایک مفاد کو دوسرے مفاد کے خلاف، اور ایک جماعت کو دوسری جماعت کے خلاف کامیابی کے ساتھ کھڑا کیا گیا، ملک مین فرقہ وارانہ ہنگامے برپا ہوئے، اور پھر جب اصلاحات نافذ ہوئے، حکومت اسی حکمت عملی کو کامیابی سے کام مین لاتی رہی،

مصنف نے ملک مین اصلاحات کے دیئے جانے کے مختلف دورون اور ان زمانون مین اقلیت کے مسائل اور ان کے حل کرنے کی کوششون کو تفصیل سے بیان کیا ہے، اس کا اندازہ کتاب کے مختلف بابون کے عنوانات سے کیا جا سکتا ہو مثلاً :-

"نیابتی ادارات کی ترویج اور مسئلۂ اقلیت مین پیچیدگی" بیسوین صدی کے اوائل مین برطانوی سامراج کو ہندوستان مین خطرہ اور فرقہ واریت کی ابتدا" مسلمانون کے مطالبات اور ۱۹۰۹ء کی اصلاحات "ہندوؤن اور مسلمانون کا سیاسی اتحاد اور اس کے محرکات، میثاق لکھنؤ ۱۹۱۶ء" ۱۹۱۹ء کی اصلاحات اور اقلیتین" فرقہ وارانہ اتحاد کی جد وجہد ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۲ء، فرقہ وارانہ مسائل اور قانون حکومت ہند

۱۹۲۵ء، ہندو مسلم اختلافات کے حقیقی اسباب" اور "مسئلۂ اقلیت کی موجودہ صورت حال ۱۹۳۵ء تا ۱۹۴۶ء" مصنف نے ان عنوانوں پر سیر حاصل مباحث درج کئے ہیں، اور اصلاحات کے نفاذ کے وقت ملک میں جو سیاسی محرکات کام کرتے رہے، ان کو بھی نمایاں کیا ہے، ۱۹۱۶ء کے میثاق لکھنؤ کے خوشگوار اثرات چند سال تک قائم رہے، اور مختلف سیاسی جماعتوں کے جلسے ایک مقام پر ایک ساتھ ہوتے رہے، پھر تحریک خلافت و ترک موالات کے کمزور ہونے کے بعد ملک میں نااتفاقی کی فضا پیدا ہوئی، فرقہ وارانہ اتحاد کی بار بار ملکی کانفرنسیں اور لندن کی گول میز کانفرنسیں بھی ان دونوں قوموں کو متحد نہ کر سکیں، یہاں تک کہ پنجاب اور بنگال کی مجالس مقننہ میں صرف ایک زائد نشست کے لئے ہندو اور سکھ مندوبین نے دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر مسلمانوں کی مخلوط حلقہ ہائے انتخاب کی پیشکش کو ٹھکرا دیا، اگر یہ پیشکش قبول کر لی جاتی، تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی،

آخر میں ہندوستان میں مسئلۂ اقلیت کی تاریخ پر اجمالی نگاہ ڈالی ہے کہ اس کی تاریخ تین دوروں میں تقسیم کی جا سکتی ہے، پہلا دور انگریزی حکومت کے آغاز سے انیسویں صدی کے اختتام تک ہے جس میں مختلف طبقات کا معاشی و تعلیمی توازن بگڑا، اور مسلمانوں میں اس کا احساس پیدا ہوا، دوسرا دور ۱۹۰۹ء کی اصلاحات سے ۱۹۳۵ء تک رہا، جب کہ جداگانہ نیابت کو دستور میں جگہ ملی، اور مختلف اقلیتوں پست اقوام، پارسی، اور اینگلو انڈینس وغیرہ کو اپنے حقوق کے تحفظ کا احساس ہوا، اس دور میں اکثریت اور مختلف اقلیتوں میں پیہم کشمکش جاری رہی، تیسرا اہم اور فیصلہ کن دور ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۶ء تک کا ہے، جب کہ مسلمانوں کی طرف سے ان کے اقلیت ہونے کے بجائے ایک علٰحدہ قوم (نیشن) ہونے کا اعلان ہوا، پھر دوسرے طبقوں پست اقوام اور مرہٹوں نے بھی اپنی جداگانہ قومیت کا اعلان کیا، جداگانہ قومیت کے اعلان سے قوم سے علٰحدگی یعنی خود ارادیت کا کامل حق اور دوسروں کے اقتدار اعلیٰ میں جانے سے سبکدوشی حاصل ہوتی ہے،

کتاب کے یہ مباحث پہلی شملہ کانفرنس پر ملا کر ختم کر دیئے گئے ہیں، ان دنوں ملک میں مجلس دستور ساز بیٹھی ہوئی ہے، اور سال دو سال کے اندر یہ مسائل اپنے آخری فیصلہ پر پہنچنے والے ہیں اب اگرچہ اکثریت اصولاً نہ صرف صوبوں بلکہ منطقوں کے حق خود ارادیت کو قبول کر چکی ہے، با این ہمہ ابھی اقلیتیں اکثریت کو خوف و شبہہ کی نظر سے دیکھتی ہیں، کہ آزاد ہندوستان میں اُن کے مفاد اور حقوق کی نگہبانی کی کوئی ضمانت نہیں ہے، اس لئے اگر مجلس دستور ساز میں ہندوستان کے ہندو اور مسلمان مدبرین سر جوڑ کر بیٹھیں، اور کوئی فیصلہ کر کے اٹھنے کا تہیہ کر لیں تو دلوں کے شکوک و شبہات بھی مجلس کے تیار کئے ہوئے دستور کے پائدار نقوش سے مٹ سکتے ہیں، اور ہندوستان میں اقلیتوں کا مسئلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو سکتا ہے،

مصنف نے ان مباحث کے لکھنے میں اس موضوع کی مستند کتابوں "مسئلۂ اقلیت" کے، بی، کرشنا، "ہندو مسلم مسائل" بینی پرشاد، "تقسیم ہند" امبیدکر، معاہدۂ ہند و برطانیہ" سر سلطان، "مسلم ہندوستان" محمد نعمان، اور سرکاری دستاویزات، مختلف کمیشنوں کی رپورٹوں، مختلف قومی فرقوں اور جماعتوں کی تاریخ، خطبات صدارت، اور مختلف برطانوی مدبرین کی مستند تحریروں سے معلومات اخذ کئے ہیں، اس لئے دراصل اردو میں یہ اس موضوع پر پہلی جامع اور لائق اعتماد تصنیف ہے،

یہ کتاب جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کی سند کے لئے لکھی گئی تھی، اس لئے اس میں "طالب علمانہ دور" کی بعض نشانیاں بھی باقی رہ گئی ہیں، تو کوئی تعجب کی بات نہیں، مثلاً مدعا کے ظاہر کرنے میں چند ہی سطروں میں ایک ہی بات کا بار بار تکرار جیسے ص ۴۳، ۴۴ میں، اسی طرح عبارت میں "اگرچہ کہ" یا ایسے ہی بعض الفاظ سے نگاہوں کو کھٹک ہوتی ہے لیکن یہ جزئی کوتاہیاں طبع ثانی میں مصنف کے قلم سے خود دور ہو جائیں گی، امید ہے کہ یہ کتاب ملک کے تعلیم یافتہ طبقوں میں مقبول ہوگی، کہ سنجیدہ موضوعوں پر ایسی کتابیں اردو میں شاذ و نادر نکلتی ہیں،

"س"

مطبوعات جدیدہ

ہندوستان کا نظام زر، از جناب ڈاکٹر انوار اقبال قریشی ضخامت ۲۹۲ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶، لکھائی چھپائی بہتر قیمت ہے ر، پتہ:- ادارہ معاشیات، فاطمہ منزل حمایت نگر، حیدر آباد، دکن،

جناب مصنف اپنی تصنیف "اسلام اور سود" کے ذریعہ ملک کے علمی حلقون مین روشناس ہو چکے ہین، معاشیات مین "ہندوستان کا نظام زر" ان کی دوسری قابل قدر تصنیف ہے، کتاب کا پہلا باب "زر کے چند ضروری معلومات" کے عنوان سے ہے، جس کے مطالعہ سے اس موضوع کے مسائل کے سمجھنے کی راہ کھل جاتی ہے، اس کے بعد ہندوستان مین برطانوی حکومت کے آغاز سے دور حاضر تک کے زر کے مسائل جس طریق پر حل کئے گئے، انگلستان یا حکومت ہند کی طرف سے نظام زر کے لئے جو کمیشن بیٹھے، ان مین جو شہادتین گذرین، اور انھون نے جو سفارشات کئے، پہلی بڑی لڑائی کے جو اثرات ہندوستان کے سکہ پر پہنچے، اور ہندوستانی سکون کے انگلستان کے سکون سے شرح تبادلہ قائم کرنے مین جو منزلین پیش آتی رہین، ان کو مختلف ابواب مین تفصیل سے دکھایا ہے، نیز اسی سلسلہ مین ہندوستانی سکون کے مختلف معیار قرار پائے، اور وقتاً فوقتاً مختلف قیمت کے نوٹ جاری ہوئے، پھر ۱۹۳۱ء مین کساد بازاری پھیلنے اور پچھلی بڑی لڑائی کے اثرات ملکی سکہ پر اور اس کے نتائج کو ملک کی معیشت پر دکھایا ہے، مصنف نے ملک مین موجودہ گرانی کا سبب افراط زر کو قرار دیا ہے، اور اس کے وجوہ کی ماہرانہ تحلیل کی ہے، مصنف کے نقطۂ نظر سے افراط زر کا سبب نہ زر کی طلب کا بڑھ جانا ہے، نہ پیدائش کی مجموعی مقدار مین اضافہ کا ہونا ہے اور نہ ایسی صورت پیش آئی، کہ اشیار کی درآمد برآمد پر تجاوز کر گئی ہو، بلکہ اس کا سبب یہ ہے، کہ ہندوستان نے جنگ کے

مانہ مین انگلستان کو جو مال دیا، اس کی قیمت اسٹرلنگ کی شکل مین انگلستان مین رکھ لی گئی، اور
ندوستان کا ریزرو بنک قانوناً پابند رہا کہ ان کے ہم قدر نوٹ چھاپ کر ان کو ہندوستان مین گردش
ین لے آئے، اس طرح خریداری کا کام انگلستان کا رہا، اور مال مہیا کرنے اور قیمت کے ادا کرنے کی
مہ داری ہندوستان ہی کے سر رہی، اس طریق سے جنگ کے تیسرے سال مین نوٹون کی تعداد مین
۵ فی صد کا اضافہ ہوا، چوتھے سال ۱۵۰۰ ہو گیا، اور پانچوین سال مین اس اضافہ کی تعداد ۲۰۰۰ فی صد
ک پہنچ گئی، اس افراط زر سے ملک کی معیشت متاثر ہوئی، اشیاء کی قیمتون مین تناسب برقرار نہین رہا
س مین روز افزون تیزی آتی گئی، یہان تک کہ اشیاء کی قیمتین ۲۵۰ یعنی تقریباً ڈھائی گنی بڑھ گئین،

پھر مصنف نے افراط زر اور قیمتون کے تناسب کے بگڑنے سے ملک کے مختلف طبقات کے مختلف
نداز مین متاثر ہونے کو دکھایا ہے، کہ سب سے زیادہ خسارہ معین آمدنی والون مثلاً ملازمت پیشہ طبقہ
کو اٹھانا پڑا، اُن کی تنخواہون مین جو اضافے ہوئے، یا گرانی الاؤنس ملے، وہ قیمتون کے اضافہ کے مقابلہ مین
برائے نام تھے، اسی طرح مزدور طبقہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہین رہا، اجرتون اور قیمتون مین مسلسل دوڑ ہوتی رہی،
ور اس دوڑ مین اجرتین ہمیشہ بہت پیچھے رہین، البتہ کاروباری طبقہ کو من مانی منفعت حاصل کرنے کا
موقع ملا، اور ملک کی دولت سمٹ کر ایک محدود طبقہ کے ہاتھون مین آگئی،

اس کے بعد مصنف نے افراط زر کے انسداد کی تدبیرون پر تفصیل سے نظر ڈالی ہے، اور اس سلسلہ
مین اپنی ایسی تجویزین پیش کی ہین، جن کو اختیار کر کے افراط زر کا انسداد کیا جا سکتا ہے، اور ملک کو کسی خسا
مین مُبتلا کئے بغیر یہان کی معیشت کو اعتدال پر لایا جا سکتا ہے،

مصنف نے آخر مین ان بین الاقوامی کانفرنسون کی کوششون کا جائزہ لیا ہے جن میں دورِ حاضر
مین بین الاقوامی تجارت اور شرحِ مُبادلہ کے مسائل پر غور کیا گیا ہے، اور اسی سلسلہ مین مختلف ملکون کے
منصوبون کا ذکر آیا ہے اور بین الاقوامی زر کے فنڈ اور بین الاقوامی بنک کی تحریکون کو دکھایا گیا ہے آخری

باب "ہندوستان کے شرح مبادلہ کا مستقبل" کے عنوان سے ہے، جس میں قیاسی طور پر ان صورتوں کو پیش کیا ہے جو جنگ کے ختم ہونے کے بعد ہندوستان کو زر کے سلسلہ میں پیش آنے والی یقیں، یہ کتاب فروری ۱۹۴۵ء کی لکھی ہوئی ہے، اس کے بعد دوسال کے اثنا میں جنگ ختم ہو چکی، ہندوستان کی مرکزی حکومت بدل گئی، اور نئی حکومت نئی حکمت عملی اختیار کر چکی ہے، ضرورت ہے کہ لائق مصنف اپنی ان تجویزوں کی روشنی میں جن کو انھوں نے آخری باب میں پیش کیا ہے، ہندوستان کے اس دوسالہ دور میں زر کے متعلق حکومت کی حکمت عملی اور اقدامات کا جائزہ ایک مقالہ کی صورت میں لیں، اور اس کتاب کے طبع ثانی میں اس کو بطور استدراک بڑھائیں کہ کتاب کے مباحث اپنے نتیجہ پر اس صورت میں زیادہ بہتر طریق پر ختم ہوں گے، ہم لائق مصنف کو ان کی اس کامیاب تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں، کہ معاشی مسائل عموماً خشک اور روکھے پھیکے ہوتے ہیں، اور ان میں بھی زر کا مسئلہ اور بھی زیادہ خشک ہے لیکن اُن کی مساعی سے یہ مسائل اس تصنیف میں عام فہم سلیس اور سادہ زبان اور دلآویز پیرایہ میں قلمبند ہو گئے ہیں،

منشور اقوام متحدہ از جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب استاذ قانون، جامعہ عثمانیہ، حجم ۶۵ صفحے،

تقطیع ۲۶×۲۰/۸ قیمت :- ۸/، پتہ :- حیدری گشتی کتب خانہ رسالہ عبداللہ حیدرآباد دکن،

پہلی بڑی لڑائی کے نتیجہ میں مجلس اقوام (لیگ آف نیشنز) قائم ہوئی تھی، دوسری بڑی لڑائی کے بعد مجلس اقوام متحدہ (یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن) کی تاسیس عمل میں آئی ہے، اس مجلس میں دنیا کے متضاد عناصر کا چند متحدہ مقاصد کے لئے اجتماع ہو گیا ہے، اور یہ پچھلی مجلس اقوام کے برخلاف اسلحہ سے بھی آراستہ ہو گی، اس لئے اس کی حیثیت اوس سے کسی قدر مختلف ہے، اور ابھی ہندوستان اور جنوبی افریقہ کی نزاع میں اس کی جو روش رہی اس سے اس کے خوشگوار مستقبل کی ایک ہلکی سی اُمید بندھ سکتی ہے، یوں تو اس مجلس کے منشور، آئین وضوابط بعض سیاسی رسالوں میں اردو میں منتقل ہو چکے ہیں لیکن اس کی سیاسی اہمیت کا تقاضا تھا کہ کسی غیر معمولی ذمہ دار قلم سے اس کے متن کو اردو کا جامہ پہنایا جائے، جناب ڈاکٹر

محمد حمید اللہ صاحب جو جامعہ عثمانیہ میں قانون بین الاقوام کے استاذ ہیں، اس خدمت کے لئے موزون ترین شخصیت ہوسکتے تھے، خوشی کی بات ہے، کہ انھون نے اس ضرورت کو پورا کیا، اور سلیس اردو مین اس کو منتقل کردیا، موصوف نے منشور کے متن کے ترجمہ سے پہلے چند صفحے مقدمہ کے طور پر لکھے ہین جس مین نظام عالم مین یک جہتی اور انضمام پیدا کرنے کی پچھلی کوششون کا جائزہ لیا گیا ہے، اور مختلف زمانون مین عیسائیت، یورپ اور عالم کے اتحاد کے نام پر جو کوششین ہوئی ہین، ان کو ترتیب سے پیش کیا ہے، عیسائیت کے اتحاد کی کوششون مین اس متحدہ کانفرنس کا ذکر نہین آیا، جو ۱۹۰۶ء مین آلی مین ہوئی تھی، اور جس مین اسلامی ممالک کو عیسائی ممالک بنانے کا فیصلہ کیا گیا تھا، اسی طرح مصنف نے "اتحاد یورپ" کی تحریک کے آغاز کو ۱۳۰۶ء مین دکھایا ہے، لیکن اس کا سراغ اس سے بہت پہلے ۴۷۷ ق م مین مل سکتا ہے جب جزیرۂ ڈیلوس مین یونان کی بحری ریاستون کے نمایندون نے جمع ہوکر "ایتھنز" کی صدارت مین ایک انجمن قائم کی، اور ایک دستور العمل بنایا کہ بحیرۂ ایجین کی حفاظت حکومت اسپارٹا سے کی جائے، اور اس مجلس مین شریک ہونے والی ریاستین ایک معین رقم اور جہازون کی ایک معین تعداد حکومت ایتھنز کو دین، پھر آگے چل کر ان اتحادیون کی حیثیت خراج گذار ماتحتون کی سی ہوگئی، یہانتک کہ اگر کسی نے حلقہ اتحاد سے نکلنا چاہا، تو اس کو باغی قرار دیکر سزا دی گئی،

امید ہو کہ اس منشور کے متن کا یہ ذمہ دارانہ اردو ترجمہ اردو کے کتب خانون کے لئے خاص طور پر پسند کیا جائے گا،

تبلیغِ حق:۔ ترجمہ مولوی محمد علی صاحب مظفری حجم ۱۹۹ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت عہ،

پتہ:۔ ادارۂ اشاعتِ اسلامیات، حیدرآباد دکن،

"تبلیغ حق" ایک فارسی رسالہ البلاغ المبین کا اردو ترجمہ ہے، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، لیکن شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی تصنیفات کی فہرست مین اس

رسالہ کا انتساب راقم سطور کی نظر سے نہیں گذرا، اس رسالہ میں توحید کی تلقین و شرک سے اجتناب کی ہدایت کرکے مسلمانوں میں رائج بدعات و رسوم کا رد کیا گیا ہے، اور کتاب و سنت کے مطابق صحیح عقائد و اعمال کی طرف دعوت دی گئی ہے، ناشر نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو خریدنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں، وہ محصول ڈاک بھیج کر ہدیۃً منگا سکتے ہیں،

خانہ جنگی، از جناب پروفیسر محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) حجم ۱۰۶ صفحے تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی قیمت، ۱۲؍ پتہ :- مکتبہ جامعہ دہلی،

شاہ جہان کے دور میں داراشکوہ اور اورنگ زیب کے درمیان جو خانہ جنگی برپا ہوئی تھی، اس کو اس رسالہ میں ڈرامہ کی شکل میں قلمبند کیا گیا ہے، اور اس سے پیدا ہونے والے اثرات دکھائے گئے ہیں، اس سلسلہ میں شیخ سرمد کا ذکر اس تفصیل سے آیا ہے، کہ بظاہر اس ڈرامہ کا اصل موضوع یہی معلوم ہوتا ہے، اس سلسلہ میں شیخ سرمد اور داراشکوہ کے تعلقات، شیخ سرمد کے سوانح، مقدمۂ قتل، ملا ابوالقاسم کی شیخ سرمد کی حمایت کرنے کی سبق آموز جرأت، ملا ابوالقاسم اور عالمگیر کے مکالمہ اور شیخ سرمد کے قتل گاہ کے مناظر کو خاص طور پر نمایان کیا گیا ہے،

اسلام کے مشہور سپہ سالار (حصہ اول) از جناب عبدالواحد صاحب سندھی حجم ۲۴۶ صفحے، قیمت مجلد ۱۲؍، پتہ :- بک ڈپو انجمن ترقی اردو، اردو بازار جامع مسجد، دہلی،

مصنف نے اسلام کے مشہور سپہ سالاروں کے حالات آسان زبان اور سادہ طرز ادا میں بچوں کے لئے لکھے ہیں، اس سلسلہ کا پہلا حصہ شائع ہوا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سات مشہور صحابۂ کرام کی مجاہدانہ زندگی دلنشین انداز میں پیش کی گئی ہے، رسالہ بچوں کے لئے مفید ہے،

"س"

جلد ۵۹ ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ فروری سنہ ۱۹۴۷ء عدد ۲

مضامین

مقالات

تلخیص وتبصرہ

استفسار وجواب

شذرات

پچھلے دسمبر کے مہینہ مین آل انڈیا ہسٹری کانگریس کا سالانہ اجلاس پٹنہ مین منعقد ہوا جس کی سرزمین مظلومون کے خون کی ہولی سے اس وقت تک لالہ زار ہے، اور بھی ضرورت تھی کہ اس مناسبت سے اس مین تاریخ کے ایسے مناظر دکھائے جاتے جو ایک دوسرے سے نفرت کرنے والون کو باہم ملاتے، اور وہ تاریخ کے آئینہ مین اپنے اسلاف کی صورتین دیکھ سکتے کہ وہ کیسی شیر و شکر کی زندگی گذار چکے ہین، اور اس دیس مین اچھے پڑوسیون کی طرح رل مل کر رہ چکے ہین لیکن افسوس کہ اس اجلاس مین نہ صرف زندگی کے ان اعلیٰ اخلاقی تصورات کو فراموش رکھا گیا بلکہ ایک سے زیادہ مقررین جن مین اس صوبہ کے وزیر اعظم بھی ہین، اس موقع پر بھی اسی بدنام عالمگیر کی "ہندوکشی و ستمگری" کے پامال افسانہ کو دہرائے بغیر نہ رہ سکے،

ادھر چند سال کے اندر اس افسانہ کی یاد کو تازہ کرنے کا سہرا عالمگیر کے قدیم محسن سر جدو ناتھ سرکار کے سر ہے، ناظرین کو یاد ہوگا کہ سنہ ۴۳ء مین حکومت بنگال کے محکمۂ تعلیم نے تاریخ کی درسی کتابون کی چھان بین کا ارادہ کیا تھا، اس سلسلہ مین عالمگیر کے دور مین مندرون کے انہدام کی پارینہ داستان بھی زیر بحث آئی تھی، اور ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم نے اس موضوع کے ماہر سر موصوف کی طرف رجوع کیا تھا، موصوف نے جواب مین محمد ساقی کی ماثر عالمگیری کی ایک عبارت اخذ کرکے دکھایا تھا، کہ عالمگیر نے ۱۶۶۹ء مین ملک کے سب صوبون مین مندرون کے ڈھانے کا حکم علی الاطلاق بھیجا تھا، حکومت بنگال نے موصوف کے اس مراسلہ کو دارالمصنفین مین بھیجا تھا، اور راقم سطور کو اس کا جوابی مراسلہ بھیجنے کا موقع ملا تھا جس مین ماثر عالمگیری سے اس موقع کی پوری عبارت اخذ کرکے دکھایا گیا تھا کہ سر موصوف نے بیچ کی ایک عبارت کو لیکر اپنا مدعا ثابت کرنا چاہا ہے، ورنہ دراصل اس فرمان کا تعلق ٹھٹھہ، ملتان اور خصوصاً بنارس کے چند ایسے مندرون سے ہے جو اس زمانہ مین فتنہ و فساد کا مرکز بنے ہوئے تھے اور جن مین مسلمان بچون کو لیجا کر بدمذہبی کی تعلیم دیجاتی تھی، نہ یہ کہ وہ کوئی علی الاطلاق عالمگیری فرمان تھا، یہ مراسلات مقالہ کی صورت مین معارف ستمبر سنہ ۴۳ء مین شائع کر دیئے گئے تھے۔

ہسٹری کانگریس کے اجلاس پٹنہ مین ڈاکٹر مہیا تماسرن نے اپنا خطبہ دیا ہے جو لیڈر (مورخہ ۵ جنوری سنہ ۴۷ء) مین "ہندوستان کی تاریخ مین عہد وسطیٰ" کے عنوان سے شائع ہوا ہے، اس مین عالمگیر کی "رجعت پسند تنزل پذیر سیاسی حکمت عملی" اور ہندوون کے ساتھ اس کی انتہائی غفلت شعاری کو دل کھول کر بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے :-

"دوسری یہ بات بھی علم میں لے آئی ہے کہ بعض اہلِ قلم کی طرف سے چند حقیقتیں ابھی روشنی میں لائی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ چند اہم مراکز جیسے کہ بنارس کے مندر تھے، ہندوؤں کی طرف سے مفسدانہ سازشوں کے اڈوں کے طور پر استعمال کئے جاتے تھے جن کے خلاف شہنشاہ نے اشتعال میں عملی اقدام کیا اور اس کو اب اس کے تعصب کی شہادت میں پیش کیا جاتا ہے،

لیکن یہ بات فراموش نہیں کی جا سکتی کہ ان مندروں کے بے رحمانہ انہدام کی کوئی توجیہ مشکل سے کی جا سکتی ہے جن کو شہنشاہ نے شاہزادگی ہی کے زمانہ میں ڈھایا تھا، اور اسی طرح مختلف قسم کے تعزیری اقدامات وہ ہندوؤں کے خلاف کرتا رہا، اور پھر کیا یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ضروری اور قرینِ دانشمندی تھا کہ آدمیوں کے ایک گروہ کی عصیان کی سزا ان مقدس مآثر پر اتاری جائے جو پورے ملک کی ایک عظیم اکثریت کی عقیدت و ارادت کا مرکز تھے، کیا ہندوؤں کے مذہبی احساسات کو مجروح کئے بغیر ان بد طینت مجرمین کو کسی اور طرح قبضہ میں نہیں لایا جا سکتا تھا،

خوشی کی بات ہے کہ اس تحریر میں سرجدو ناتھ سرکار کے اس دعوی سے تو رجوع کر لیا گیا جو انھوں نے شہنشاہ کے فرمان کو پورے ملک کے مندروں کے انہدام کے لئے حکم عمومی کے طور پر قرار دیا تھا، پھر اگر عظیم اکثریت کے افراد ان عمارتوں کی تقدیس کو برقرار رکھنا چاہتے تو ان مجرموں کو اجازت نہ دیتے کہ وہ ان کو مفاسد کا مرکز بنائیں، ایسے موقع پر اس زمانہ میں جس کی بھی حکومت ہوتی وہ ایسے مرکزوں کو اس زمانہ کی عام روش کے مطابق برباد کرنے کی کوشش کرتا، اس معاملہ میں عالمگیر کے پیشرو حکمرانوں اور عالمگیر کے طرز عمل میں کوئی فرق نہ تھا، کہ عالمگیر کو خاص طور پر مطعون کیا جائے،"

عالمگیر کی شاہزادگی کے زمانہ کے انہداموں کو ایک سے زیادہ مرتبہ نمایاں کیا جا چکا ہے مگر کبھی یہ نہیں سوچا گیا کہ اگر یہ کسی مہذب حکومت کے نو داغ ہیں تو ان کے ممدوح شاہجہان کا دامن داغدار ہوتا ہے، عالمگیر نے شاہزادگی کے زمانہ میں گجرات کے مندر ڈھائے تھے ان میں سے ہر واقعہ کی تحلیل کی جا چکی ہے، اس کی تہ میں کوئی نہ کوئی بغاوت، شورش اور سرکشی پائی گئی ہے، آخر دکن کی واضح مثال بھی تو موجود ہے، عالمگیر نے وہاں ۲۵ سال حکمرانی کی، دکن قدیم ہند کی تہذیب، کلچر اور تعمیر کا گہوارہ ہے، اگر تعصب کی وہ آگ جس کی تپش ہمارے زمانہ کے مورخین اب تک محسوس کرتے ہیں عالمگیر کے دل میں واقعی سلگتی ہوتی تو آج دکن میں قدیم ہند و تہذیب و تمدن کے مآثر کا نشان باقی نہ رہتا، وہاں کی ساری پرانی عبادتگاہیں جو آج ہند و تعمیر کی جان سمجھی جاتی ہیں صفحۂ ہستی سے مٹ چکی ہوتیں، لیکن معلوم ہے کہ عالمگیر نے دکن کے ۲۵ سالہ دورِ حکومت میں کبھی کسی مندر کو ہاتھ نہیں لگایا، رعایا پر امن رہی تو وہ بھی امن سے حکومت کرتا رہا، معارف کے مذکورہ بالا مقالہ میں ان امور کی تفصیل بیان کی گئی ہے،

اس صوبہ میں جہاں ہسٹری کانگریس کا تازہ اجلاس منعقد ہوا، دور سے آئے ہوئے مورخین صوبہ کے ایک عظیم الشان معبد

مین ہندو مسلم رشتۂ اتحاد کو درخشان کرنے والے ایک انمول موتی کی زیارت بھی کرسکتے تھے جو اسی بدنام عالمگیر کے ہاتھون یہان ودیعت رکھا گیا ہے اور جس کو بودھ گیا منڈ کا پروہت عقیدت کے ساتھ سینے سے لگائے ہے، اس مین ایشیائی معبد کی سند جاگیر جو لاکھون لاکھ کی مالیت ہے اور جس سے آج لاکھون لاکھ جاتری فائدہ اٹھارہے ہین، اسی عالمگیر کے ہاتھون کی رہین منت ہے، اس کا ذکر فاضل مقالہ نگار کے اس مقالہ مین بھی آیا ہے،

بہرحال خوشی کی بات ہے کہ عالمگیر کے کارنامون کو گھٹا ٹوپ اندھیاری مین چھپانے کی ہزارون کوششون کے باوجود حقیقت کی کرن کہین کہین چمکنے لگی ہے، دور حاضر کے مورخین کے خیالات کی رو مین اس روشنی کی ہلکی سی جھلک دکھائی دینے لگی ہے، شاید جب تخیلون کی یاد کا زمانہ گذر جائے تو تاریکیون کے پردے پورے طور پر چاک ہو جائین، ڈاکٹر رپا تماسرن موصوف نے ان عیب جوئیون اور نکتہ چینیون کے باوجود اس مقالہ کے آخر مین کچھ اعترافات بھی کئے ہین، وہ ستایش کے مستحق ہین، فرماتے ہین:-

"دور حاضر مین یہ دکھانے کی کوششین کی گئی ہین کہ اورنگ زیب ہندوؤن کے حق مین نہایت اعتدال پسند تھا، ایسے فرامین کی ایک خاصی تعداد منظر عام پر لائی گئی ہے جس مین عالمگیر نے برہمنون کو عطیے دیئے، اور مندرون پر جاگیر وقف کی ہین... قدیم یورپی اور ان کا اتباع کرنے والے ہندوستانی مورخین کے وہ نقوش و تاثرات ناپسندیدہ ہین جو انھون نے اورنگ زیب کے عہد حکومت کے متعلق پیدا کئے ہین، اورنگ زیب کی تاریخ پر (ان فرامین کی اشاعت سے) جو روشنی پڑتی ہے اس سے یقینی طور پر نہ صرف ان یورپی مورخین کے پیدا کردہ تاثرات کی اصلاح ہوتی ہے، بلکہ یہ بھی آشکارا ہوتا ہے کہ عالمگیر لوگون کے ساتھ اپنے روزانہ کے طرز عمل اور نظم و نسق مین ایک شریف اور دوسرون کا پاس و لحاظ رکھنے والا انسان تھا، اس مین کوئی شک نہین کہ اس زمانہ کی تاریخ کے متعلق جو غلط نظریے لوگون مین پھیل گئے ہین ان کی تصحیح کی بڑی ضرورت ہے تاکہ مختلف تاریخی پہلوؤن اور سلف کے کارنامون کے متعلق صحیح فیصلے کئے جاسکین اور ان غلط فہمیون کو دور کیا جائے جو پھیلائی گئی ہین، اور ہماری قومی ترقی کو جو نقصان پہنچانے والی ہین"

فاضل مقرر کی یہ آرزو دراصل اس وقت پوری ہو سکتی ہے، جب غیرون کی مرتب کی ہوئی تاریخ کے پھیلائے ہوئے اس تخیل کو ذہن سے مٹا دیا جائے، کہ مسلم قوم باہر سے آئی ہوئی ہے، اگر باہر سے آنا ہی غیریت ہے تو اس مین سامی اور آرین دونون نسلون کا حال یکسان ہے، آریون کا آخری قافلہ ہندوستان مین تقریباً ۱۵۰۰ ق م مین آیا تھا، اس طرح ہندوؤن کے آخری اور مسلمانون کے پہلے قافلہ کی آمد کے زمانہ مین صرف ایک ہزار برس سے کچھ بالا کا فرق رہتا ہے، جو قومون کی تاریخ کے لئے کوئی بڑی مدت نہین،

مقالات

مجددِ ملت
اور
قومیات وسیاسیاتِ حاضرہ

از مولانا شاہ عبدالباری صاحب ندوی

(۳)

باقی آج کل کی خالص قومیات وسیاسیات کے بارے مین خاص ہندوستان کے حالات کو پیش نظر رکھکر حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے اور دوسرون کے مسلک کو ایک دلچسپ تمثیل کے ذریعہ واضح فرمایا ہے، اس ع

گفتہ آید در حدیثِ دیگران

کو بھی ضرور سُن لین،

"تین رفیق سفر کر رہے ہین، کسی مقام پر پہنچکر دیکھا کہ بیچ راستہ پر ایک شیر کو تین چار بھیڑیے لپٹ رہے ہین، اور راستہ بند ہے، اُن کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہین، البتہ سامنے اینٹین، پتھر پڑے ہین، تینون مین اختلاف رائے ہوا، اور رائے سے عمل مین اختلاف ہوا، ایک کی رائے ہوئی کہ شیر کی امداد کرنا مناسب ہے، اگر یہ غالب آگیا تو طبعًا احسان سے متأثر ہو کر مزاحمت نہ کرے گا، اور مین اطمینان سے اپنے راستہ پر چلا جاؤن گا، یہ خیال کرکے اینٹون سے بھیڑیون کو مارنا شروع کیا، دوسرے کی رائے ہوئی، کہ شیر اکیلا بھیڑیئے متعدد، غالبًا غلبہ انہی کو ہوگا،

لہذا اگر اُن کی نصرت کی تو یہ طبعاً احسان سے متاثر ہوکر مزاحمت نہ کریں گے، اور میں امن و

امان کے ساتھ نکل جاؤں گا، یہ خیال کرکے اُس نے اینٹوں سے شیر کو مارنا شروع کیا،

تیسرے کی رائے یہ ہوئی کہ اینٹیں نہ شیر کی مدافعت کے لئے کافی ہیں، اور نہ بھیڑیوں کی، ایسی

حالت میں اگر منصور مغلوب ہوگیا، تو غیر منصور کو خواہ مخواہ چھیڑ کر اپنا دشمن بنایا، اور اگر غالب بھی

ہوگیا، تب بھی جانور کا کیا اعتبار کہ احسان کی رعایت کرے، بلکہ موقع پاکر وہ بھی طبعاً مزاحمت

کریگا، اس لئے بہتر یہ ہے کہ جب تک اپنے پاس قابلِ اطمینان سامانِ مدافعت نہ ہو کسی کی

نصرت نہ کی جائے، بس جس طرح ممکن ہو، اپنی حفاظت کی کوشش کی جائے، پھر خواہ غلبہ کسی

کو ہو، ممکن ہے کہ ہمارے عدم تعرض کے سبب وہ بھی تعرض نہ کرے، اور کیا بھی تو اس کا افسوس

تو نہ ہوگا، کہ ہم نے خواہ مخواہ خود چھیڑ کر اپنا دشمن بنایا، یہ دونوں سے علحدہ ہوکر اپنی حفاظت میں

مصروف ہوگیا، اور جس طرح بن پڑا ان کی زد سے سکون و سکوت کے ساتھ نکل گیا، اور دوسرے

راستے سے چکر کاٹ کر اُسی راستہ پر جا پڑا،

"یہ تین جدا جدا طریقے ہیں جن کو ان تین شخصوں نے اپنے لئے اختیار کیا، اگر ان لوگوں

نے قوانین عقلیہ کی مخالفت کی، اور نیت بھی کسی کی فاسد نہ ہو، تو کسی شخص پر کوئی ملامت نہیں

ہو سکتی، اور اگر کسی شخص کو اس کے مجوزہ طریق کا مضر ہونا صحیح دلیل سے بتا دیا جائے، اور اُس کے

پاس کوئی معقول جواب بھی نہ ہو، اور پھر بھی وہ اس پر مصر رہے تو وہ ضرور مستحق ملامت ہوگا"

ظاہر ہے کہ جس طرح درندہ درندہ ہی ہے خواہ وہ شیر ہو یا بھیڑیا، طبعاً اس سے درندگی ہی

کا اندیشہ ہے، اسی طرح مسلمانوں کو بھی کافروں سے خواہ وہ کالے ہوں یا گورے، طبعاً حیثیتہ عداوت

ہی کا اندیشہ رکھنا چاہئے، اور اگر اُن کے مقابلہ و مدافعت کی طاقت نہ ہو، تو اسلم راہ تا بہ امکان اُن سے

علحدہ رہکر اپنی حفاظت کا انتظام کرنا ہے، اور مسلمانوں کے لئے بحیثیت مسلمان اپنی حفاظت کے ظاہری

اسباب وتدابیر سے مقدم انتظام یہ ہے کہ پکا پکا مسلمان بننے کی فکر وسعی ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و نصرت حاصل ہو، بس یہی مجدد وقت علیہ الرحمہ کا سیاستِ وقت کے متعلق اصل مسلک ہے، کہ

"مسلمانوں کو نہ انگریزوں کی بغل میں گھسنا چاہئے، نہ ہندوؤں کی"

اور اسی لئے حضرت کانگرس کی شرکت کے شدت سے مخالف ہیں، اور ایک فتوے میں شرح سیر کبیر کی عبارت نقل کرکے فرماتے ہیں، کہ

"کفار کے ساتھ ایسے معاملات میں شرکت کی شرط یہ ہے کہ وہ ہمارے تابع ہوں، اور اگر وہ ہمارے تابع نہ ہوں خواہ متبوع ہوں، یا دونوں برابر ہوں، تو شرکت جائز نہیں جس کی وجہ بھی اسی (مذکورۂ بالا) روایت ہی میں مذکور ہے، کہ شرکت میں اندیشہ یہ ہے کہ جب مجموعی قوت سے اُن کا مقابل مغلوب ہو جائے، پھر وہ اپنی قوت سے مسلمانوں کو مغلوب کر سکتے ہیں،....

اب اگر مسلمان اسی غیر مسلم طالب آزادی جماعت (کانگریس) کے ساتھ شریک ہو جائیں: تو یقیناً وہ مسلمانوں کے تابع نہیں ہیں، بلکہ یا تو متبوع ہوں گے، اور مسلمان اُن کے تابع اور غالب یہی ہے، اور یا دونوں برابر ہوں گے، تو گو یہ احتمال بہت ضعیف ہے، لیکن اگر ایسا ہو بھی تب بھی جواز شرکت کی جو شرط تھی، کہ مسلمان متبوع ہوں، وہ مفقود ہے، اس لئے جواز بھی مفقود ہے، اور جو وجہ عدم جواز شرکت کی روایت مذکورہ میں بیان کی گئی ہے، کہ مسلمانوں سے کام نکال کر پھر خود مسلمانوں پر غالب آنے کی کوشش کریں، یہاں اس کا خطرہ یقینی ہے،" (اشرف السوانح حصہ سوم ص ۲۰۲)

پھر کانگریس یا ہندوؤں کے ساتھ تعاون وشرکت کی قوت سے انگریزوں کے نکل جانے کے بعد سوال ہے، کہ کیا صورت ہوگی؟ دو ہی صورتیں ہیں، یا تو ہندوؤں کا کامل تسلط ہو یا غالب یہ ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں ہندوؤں وغیرہ کی مرکب حکومت بنے، اس کی نسبت اصولاً دو مسئلہ

کی رو سے ارشاد ہے کہ یا تو کفار کی جگہ کفار مسلط ہوں یا مرکب کا فرد مسلم تو مجموعہ تابع اخس کے ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں غایت ہی مفقود ہے اور وہ اخلاء الارض عن الفساد ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ الشئی اذا خلا عن الغایۃ انتفی۔" (اشرف السوانح سوم ص ۱۱۰)

راقم الحروف کے نزدیک حضرت علیہ الرحمۃ کی اس تنقیح بالا کے تحت سب سے زیادہ قابل توجہ مسلم لیگ کا **دو قومی نظریہ** و دعویٰ ہے، اصطلاحی مناقشوں یا عالمانہ و فلسفیانہ موشگافیوں سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے، تو مومن و مسلم اور کافر و مشرک اگر دو قومیں نہیں تو پھر دنیا میں کون اور کہاں دو قومیں ہوں گی، شرک و توحید یا کفر و اسلام سے بڑھکر اور کونسی دو چیزیں دو انسانوں کو جدا کر کے اُن کے ظاہر و باطن اعمال و عقائد میں تخالف و تضاد پیدا کر سکتی ہیں، کیا دو دشمن مسلمان بھی اپنی نظر و فکر، بود و ماند اخلاق و عادات، معاشرت و معاملات میں وہ بعد المشرقین محسوس کر سکتے ہیں، جو ایک کافر اور ایک مسلمان ایک ہی گھر میں رہنے والے دو سگے بھائی محسوس کریں گے!؟[۱]

لہٰذا کسی وقتی مصلحت کے تحت کسی وقتی مقصد کے حصول کے لئے کسی خاص عمل و معاملہ کی حد تک وقتی اتحاد وہ بھی بصورت معاہدہ یہ تو جائز بلکہ کسی وقت واجب بھی ہو سکتا ہے لیکن وحدت قومی (نیشنلزم) کے تصور کے ساتھ مسلمانوں کا کانگریس یا کسی ایسی جماعت کے ساتھ کوئی مستقل و حقیقی اتحاد و ادغام جس میں اکثریت و غلبہ یا مساوات کا درجہ بھی کفار و مشرکین کو حاصل ہو، اور مسلمانوں کو مغلوب و تابع یا کفار و مشرکین کی مساوات کے ساتھ رہنا پڑے تو یہ دنیا میں نہ صرف اُن کی دینی وحدت اور اُن کے دینی مقام امامت و متبوعیت کے قطعاً منافی ہوگا، بلکہ نفس اُن کے دین کے لئے مہلک ہوگا، خصوصاً موجودہ مسلمانوں کا دینی انتشار و اضمحلال جس درجہ کو پہنچ گیا ہے، اس میں تو خدانخواستہ اگر یہ کانگریس میں مدغم ہو جائیں، تو اُن پر ہندوؤں کی صورت و سیرت کا رنگ اس سے زیادہ سرعت و شدت کے ساتھ چڑھے گا، جتنا انگریزوں

---

[۱] جزاہ اللہ اس پیرا گراف میں مولف سلمہ نے حضرت کی تعلیمات کا عطر کھینچ کر رکھدیا ہے (عبد الماجد)

ظاہر ہے نری قیاسی بات نہیں، بلکہ ۱۹۳۷ء کی کانگرسی حکومت کے چند روزہ ہی دور میں عوام و خواص
تعلیم یافتہ و ناتعلیم یافتہ ہر طبقہ کے مسلمانوں میں ایسی مسخ شدہ صورتیں اور مثالیں مشاہدہ میں آئیں، کہ خدا
ہے، رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے، کہ یا اللہ ان مسلمانوں کو آخر کیا ہو گیا ہے، کہ اپنی صورت تک کو اپنا
سمجھتے ہیں، کہ انگریزوں کی حکومت آئی، تو اُن کی صورت بنالی، اور اب چار دن سے ہندوؤں کا
نام کچھ حکومت میں دخل و غلبہ ہوا، تو اُن کی شکل بنانے لگے، اور وہ بڑا نادان اور انسان کی عمولی
یات سے بھی جاہل ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ صورت، سیرت پر مؤثر نہیں ہوتی، یا ظاہر باطن کا آئینہ
ن ہوتا، ایسی حالت میں مسلم لیگ سے مسلمانوں کے لپٹے رہنے میں کم از کم اتنا نفع تو یقینی ہے کہ اب نہ رخصت
نے والے انگریزوں کی صورت بنانے کی ترغیب ہوگی، اور نہ کانگریس یا ہندوؤں کے مقابلہ و
ابت کی وجہ سے ہندوؤں کی صورت بنا دیں گے، کفار و مشرکین سے کسی بہانہ سے بھی طبیعت کا بعد دین
ایک بڑا وقایہ و محافظ ہے۔ ایسے ہی جیسے بُری صحبت سے بعد، اور ایمان کے لئے کفر و شرک سے بڑھکر
ی صحبت کونسی ہو سکتی ہے،

بہرحال اسی قسم کے اسباب و وجوہ کی بناء پر حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے کانگریس سے قطعی بیزاری
، بدرجۂ تنزل و بامید اصلاح لیگ میں شرکت کا مسلمانوں کو بطور اھون البلیتین شرح صدر کے
ساتھ فتویٰ دیا،

"اس میں تو کوئی شک نہیں کہ فضاء حاضر میں مسلمانوں کو شدید استحکام کے ساتھ منظم ہونے
کی سخت ضرورت ہے، اور اُن کے تمام منافع و مصالح کی حفاظت اور تمام مضار و مفاسد
سے صیانت اس تنظیم پر موقوف ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ہر مسلمان پر یہ بھی واجب التسلیم و العمل
ہے کہ وہ تنظیم حسب قدرت بالکل احکام شرعیہ کے موافق ہو، سو اگر اس وقت ملک میں
اس صفت کی کوئی منظم جماعت موجود ہوتی، یا اس کا ہونا متوقع قریب ہوتا تو جواب

واضح تھا لیکن موجودہ حالت میں افسوس اور نہایت افسوس ہے، کہ ایسی جماعت کا نہ تحقق ہے
نہ قریب توقع، اس لئے بجز اس کے چارہ نہیں، کہ موجودہ جماعتوں ہی میں سے کسی میں داخل
ہوں، اور اس میں قواعد شرعیہ کی رُو سے جو نقص ہو، اس کی اصلاح کریں، اور اگر ان میں
ایک کی اصلاح آسان ہو، اور دوسری کی دشوار تو بقاعدہ عقلیہ و نقلیہ من ابتلی ببلیتین
فلیتخیر اھونھما اس میں داخل ہوجائیں جس کی اصلاح آسان ہو، ...... مسلم لیگ خالص مسلمانوں
کی جماعت ہے، اور کانگرس میں عنصر غالب غیر مسلموں کا ہے، اور جو شخص اسلام کو حق جانتا ہو
اس کو شریعت کے قریب لانا بہ نسبت اُس شخص کے جو اسلام کو حق نہیں جانتا، ظاہر ہے، کہ
سہل ہے، ......

...... پس اس اصل کی بنا پر شرح صدر کے ساتھ میری یہ رائے قائم ہوتی ہے، کہ مسلمانوں
کو اطمینان و توکل کے ساتھ مسلم لیگ میں داخل ہوجانا چاہئے، پھر ان میں جو اہل قوت و اہل اثر
ہیں اُن کو اپنی قوت و اثر سے اس کی اصلاح کی کوشش کرنا چاہئے، اور جو اہل قوت نہیں وہ
اہل قوت کو وقتاً فوقتاً یاد دہانی کرکے تقاضے کے ساتھ اصلاح مطلوب کی درخواست کرتے رہیں،
یہ تو خلاصہ ہوا اپنے انتظام کا، باقی دوسروں کے ساتھ معاملہ تو اس انتظام کے بعد اگر
کانگرس مسلم لیگ سے صلح کی طرف مائل ہو تو حسب ارشاد وان جنحوا للسلم فاجنح
لھا، اس سے اصول شرعیہ کے موافق تیقظ و تدبر کے ساتھ اہل تجربہ و اہل علم و اہل فہم کے
مشورہ سے صلح رکھیں، مگر اپنی تنظیم کو اس وقت بھی قوت و استقلال کے ساتھ قائم رکھیں،

سلہ اوران کا متقی نہ ہونا...... مانع نصرت نہیں ہوسکتا، اس کی متفق علیہ ....
نظیر ترکی سلطنت ہے، کہ وہ بھی متقی نہ تھے، مگر صرف اس بنا پر کہ مخالفین اسلام کی مدافعت کرتے تھے، تمام اہل حق
علماء و مشائخ نے (جن میں ہمارے اکابر بھی ہیں بلکہ پیش پیش رہے ہیں) ہر موقع پر اُن کی نصرت کو دینی فریضہ سمجھا،"

اس کو کمزور نہ ہونے دین، اور نہ کانگریس مین مدغم کرین، کہ شرع و تجربہ دونون کے اعتبار سے نہایت مضر ہے،

اور اگر بالفرض مسلم لیگ کی اصلاح سے قبل یا بعد اور کوئی جماعت مسلمہ منظمہ صاحب قوت واثر تیار ہو جائے، تو اس صورت مین مسلم لیگ اور وہ دونون اتحاد و اشتراک کے ساتھ کام کرین، تاکہ مسلمانون مین، افتراق وتشتت نہ ہو، اور ان سب حالات مین قولاً وفعلاً و مالاً وتقریراً و تحریراً، موافق و مخالف ہر ایک کے ساتھ اخلاق اسلامی کو اپنا شعار رکھین، جیسا کہ ارشاد ہے، قل لعبادی یقولوا التی ھی احسن وغیرھا من الآیات۔

خلاصہ دستور العمل یہ ہے کہ از خود نہ کسی سے آویزش کی ضرورت اور نہ آمیزش کی، رضائے حق کو مطمح نظر رکھ کر اپنے کام مین لگے رہین، اور اس کی شرط یہ ہے کہ ہر کام مین اس کا پورا لحاظ رکھین کہ کوئی امر خلاف شرع نہ ہونے پائے، یہی حیات مسلم کا اصل الاصول ہے، اور اس استقلال و استقامت کے ساتھ ہی دعا و ابتہال کو اصل وظیفہ و تدبیر سمجھین، اور پھر نصرت حق کے منتظر رہین۔

حزم و احتیاط تو حضرت مجدد وقت علیہ الرحمۃ کا خاص حصہ تھا، اس لئے اس فتوی کے آخر مین ایک نوٹ کا بھی اضافہ فرما دیا گیا ہے، کہ

یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدانخواستہ حالات بدل جائین، تو حکم بھی بدل جائیگا۔

(افادات اشرفیہ مرتبہ مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی ص ۱ تا ص ۵،)

موجودہ حالات مین بھی ان شریک ہونے والون کا کام مسلم لیگ کے لئے صرف الکشن لڑانا لڑنا، جلسے کرنا، جلوس نکالنا، نعرے لگانا نہین، بلکہ اہل قوت و اہل اثر وغیر اہل قوت وغیر اہل اثر غرض ہر طبقہ کے شریک ہونے والون کا اصل و مقدم کام یہ ہے کہ دینی نقطۂ نظر سے لیگ کی اصلاح مین لگے رہین، اس کی اہمیت کی بنا پر اس فتوے کے ایک اور ضمیمہ مین تاکید فرمائی گئی کہ

"جس جماعت مین داخل ہون اس کی اصلاح کی کوشش کرین، اور اس مین منکر پر نکیر کرنا بھی آگیا، (یعنی خلاف دین باتون پر روک ٹوک کرنا) اصلاح اس تفصیل سے کیجائے کہ اہلِ قوت اپنی قوت سے اور غیر اہلِ قوت اُن اہلِ قوت کو آمادہ کرنے سے اور علمار سے علمی و عملی امداد حاصل کرنے سے کام لین، (افاداتِ اشرفیہ ص ۲۰)

اس لئے خوب سمجھنا چاہئے کہ جو لوگ حضرت علیہ الرحمۃ کے خادمون یا غیر خادمون مین حضرت کے فتوی اور حضرت کا نام لے کر لیگ مین شرکت فرماتے ہین، اور پھر اپنی استطاعت بھر اس کی دینی اصلاح کا حق نہین ادا فرماتے، نہ اس کی خلاف شریعت باتون پر روک ٹوک فرماتے ہین، تو اُن کی شرکت کچھ ویسی ہی طفلانہ اور نادانی کی ہے، جیسے بعض بچون کو دیکھا کہ روزہ تو نہین رکھتے، مگر سحر کے وقت کھڑ بڑا کر اُٹھ بیٹھتے ہین، اور سب سے پہلے کھا لینا چاہتے ہین، دینی نقطۂ نظر سے لیگ مین ایسی شرکت دراصل بے روزہ کا سحر وافطا ہے، !

اسی ضمیمہ مین حضرت نے اسی غایت حزم و احتیاط سے مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کی ایک شرط اور لگائی ہے، کہ

"یہ شرط ضرور ہے کہ اس تعاون مین جو اختلاط ہو، وہ دین کے لئے مضر نہ ہو، اور اُس کی اسلم صورت یہ ہے کہ عوام الناس ایسے لوگون سے مذہبی گفتگو نہ کرین، نہ سنین، یہ کام علمار پر چھوڑ دین"

جس کی صورت یہی ہے کہ لیگ کے ایسے لیڈر جو دین کے عالم و محقق نہین، وہ اپنے جلسون وغیرہ مین عوام کے اوپر کسی مسئلہ و معاملہ پر دینی اعتبار سے ہرگز کوئی گفتگو نہ فرمائین، مگر اس کی احتیاط کون کرتا ہے، بلکہ آج کل کے لیڈرون کا تو یہ بڑا مرض ہے، کہ وہ قرآن و حدیث کا انگریزی اردو کچھ الٹا سیدھا ترجمہ پڑھکر دین کے محقق و مفتی بن جاتے ہین، اور بے باکانہ اپنی تحریرون اور تقریرون مین قرآ

حدیث کو پیش کرتے، اور اُن سے مجتہدانہ استنباط فرماتے ہین جس کی بدولت خود ان کے اور اُن کی تحریرون اور تقریرون کے پڑھنے سننے والے عوام الناس کے ہاتھون مین دین جس طرح بازیچۂ اطفال اور اتباع ہوا اعجاب کل ذی رائے برائیہ کا آلہ بن گیا ہے، وہ دین کے حق مین ایک بڑا مہلک فتنہ ہے، جو قومیات و سیاسیاتِ حاضرہ کی راہ سے داخل ہو گیا ہے،

اور اگر حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی ہدایت کے مطابق اس فتنہ کا اس طرح سد باب نہ کیا گیا، کہ خالص قومی و سیاسی لیڈر خود دین کے مفتی بننے کے بجائے اس کام کو علماء محققین اور اُن کے مشورے کے تابع کر دین تو مسلمانون کے رہے سہے دین کا بھی خدا ہی حافظ ہے، اس لئے لیگ مین شرکت فرمانے والے حضرات علماء کا دینی فریضہ ہے کہ خود اکابر دا صاغر لیگ کی دینی اصلاح سے بھی پہلے اسی فتنہ کو آگے بڑھنے سے روکین،

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے مذکورۂ بالا ضمنی ہدایت پر قناعت نہین فرمائی، بلکہ بعض شبہات کے دور فرمانے کے سلسلے مین اس کی پوری محققانہ و مجتہدانہ تفصیل فرمائی ہے، جو ملخصاً عرض ہے،

"سیاسیات کے دو حصے ہین، ایک ان کے احکام شرعیہ، یہ شریعت کا جزء ہے، اور کوئی عالم اس سے ناواقف نہین، چنانچہ ابواب فقہ مین کتاب السیر ایک مستقل و مبسوط جزء ہے، جس کی درس و تدریس پر دوام والتزام ہے، اور دوسرا حصہ سیاسیات کی تدابیر تجربیہ ہین، جو ہر زمانہ مین حالات و واقعات اور آلات وغیرہ کے تغیر و تبدل سے بدلتی رہتی ہین، یہ حصہ شریعت کا نہ جزء ہے، اور نہ علماء کا اس مین ماہر ہونا ضروری ہے،

لیکن اس حصہ کے شریعت کے جزء نہ ہونے کے یہ معنی نہین، کہ یہ شریعت سے مستغنی ہو، اور اس کے استعمال کرنے والون کو علماء شریعت کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہین، کوئی واقعہ کوئی عمل، کوئی تجویز، اور کوئی رائے دنیا مین ایسی نہین، کہ جس کے جواز و عدم جواز کو

شریعت سے تحقیق کرنے کی ضرورت نہ ہو، گو وہ شریعت کا جزو نہ ہو، تو جزو نہ ہونے سے تابع نہ ہونا لازم نہیں آتا، جیسے فن طب میں سیاست بدنیہ یعنی اصلاح احوال بدن کی تدابیر مدون کی گئی ہیں، تو علمائے شرائع کا نہ ان تدابیر میں ماہر ہونا لازم ہے، اور نہ یہ عدم مہارت اُن کے حق میں نقص ہے، البتہ ان تدابیر کے جواز و عدم جواز کی تحقیق اُن کا فرض منصبی ہے، (مثلاً یہ کہ فلاں مرض کی فلاں دوا یا تدبیر کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز)

اسی طرح سیاسیات مدنیہ یعنی نظام ملکی کے ساتھ معاملہ کرنا لازم ہے، اور طریق عمل میں دونوں جماعتوں کے فرائض کو اس طرح جمع کیا جائے، کہ پہلی جماعت سے تدابیر کی تحقیق کریں، اور دوسری سے احکام شرعیہ کی، اسی طرح جہاں نظام مذکور فرض ہو جائے تو دوسری جماعت بھی پہلی جماعت سے تدابیر دریافت کرے، اور بشرط جواز شرعی اُن پر عمل کرے، اور پہلی جماعت دوسری سے ان تدابیر کے شرعی جواز و عدم جواز کی تحقیق کرکے ثبوت جواز کے بعد عمل کرے،

"البتہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہل سیاست کی ایسی نہ ہو، کہ علماء سے احکام پوچھکر عمل کرے، جیسا کہ اس وقت غالب ہے، تو اس وقت علماء ایسی جماعت کے پیدا ہونے کے منتظر نہ رہیں، ورنہ مجان دنیا دینی مقاصد کو تباہ کر دیں گے، بلکہ وہ خود اپنے میں سے ایسی جماعت بنائیں جو علماً و عملاً سیاست و شریعت کی جامع ہو، اور یہ حکم کچھ سیاست مدنیہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ سیاست بدنیہ، بلکہ تجارت وزراعت وغیرہ جتنے فرائض کفایہ ہیں، سب کا یہی حکم ہے"

حضرت مجدد وقت کی سیاسی تجدید کی رو سے اس وقت یہ جماعت جمعیۃ العلماء ہی کی ہو سکتی تھی، بشرطیکہ وہ اپنے کو کانگریس میں شریک اور عملاً مدغم نہ کر دیتی، جو حضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک بعبدہٖ موجودہ

کسی طرح جائز نہیں، اور جس کی اس درجہ میں دراصل کوئی ناگزیر صورت بھی نہ تھی، کہ اس کے ارکان و
اکابر کانگرس میں کوئی عہدہ قبول فرماتے، یا اُس کے سیاسی پروگرام کی طابق النعل بالنعل اتباع کرتے،
اس لئے کہ کانگرس، قومیت کا زبان سے خواہ کتنا ہی دعویٰ کرے لیکن عملاً وہ ایک ہندو جماعت ہی
اور ہندو ہی رہے گی، اور اس لئے جمعیۃ کی طرح اس میں شرکت کرنے والی علماء کی کسی جماعت کے متعلق
(اس کی احتیاط کے باوجود) آسانی سے باور کیا، اور کرایا جا سکتا ہے، خصوصاً عام مسلمانوں کو کہ وہ جماعت
عام مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے ساتھ شریک اور اُن کا آلۂ کار بن گئی ہے،

ایسے مواقع تہمت سے دور رہنے کی مصلحت سے بھی، اور اصولاً بھی جمعیۃ العلماء کا اصل مقام کانگرس
اور موجودہ لیگ (جب تک کہ وہ اپنی سیاسی تدبیرین شرعی جواز و عدم جواز کے تابع نہ ہو جائے) دونون
سے بلند و جدا رہنے ہی کا تھا، البتہ لیگ بہرحال بُرے بھلے کلمہ گو مسلمانون کی جماعت ہے، اس لئے اس
کی دینی اعتبار سے اصلاح کی طرف دلسوزی کے ساتھ ہر ممکن طریق و تدبیر سے زیادہ توجہ فرمانا چاہئے تھا،
تو عام مسلمان بھی قدرۃً یہی محسوس کرتے، کہ جمعیۃ العلماء مسلمانون یا مسلم لیگ کی مخالف نہیں ہے، بلکہ خیرخواہانہ
اس کی دینی اصلاح کی ساعی ہے،

گو راقم ہذا کے چھوٹے مُنہ کے لئے یہ بڑی بات ہے، تاہم ایک قلبی تقاضے کی بات ہے، اس لئے
عرض ہے، کہ کاش اب بھی جمعیۃ العلماء کے اکابر اس پر غور فرمائین، خصوصاً جب کہ بظاہر اب ہندوستان
کی آزادی اور انگریزون سے کچھ دیر یا سویر گلوخلاصی یقینی نظر آرہی ہے، تو جمعیۃ کی شرکت و عدم شرکت یا تائید
عدم تائید سے کوئی معتدبہ فرق اس میں قطعاً واقع نہیں ہو سکتا، اور جمعیۃ کا اصل مقصد کانگرس کا
ساتھ دینے سے انگریزون سے نجات ہی حاصل کرنا ہو سکتا تھا،

نیز اس صورت مین حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے نسبت یا عقیدت کا دعویٰ رکھنے والے علماء کا بھی
فرض ہوگا، کہ وہ حضرت کی اس مذکورۂ بالا مجددانہ ہدایت وارشاد کے بموجب جمعیۃ العلماء مین شامل

ہو جائین[1]" کہ اگر کسی وقت کوئی جماعت اہلِ سیاست کی ایسی نہ ہو کہ علماء سے احکام پوچھکر عمل کرے جیسا اس وقت غالب ہے،..... تو علما خود اپنے مین ایسی جماعت بنائین، اس لئے کہ لیگ بہرحال نہ اس وقت ایسی جماعت ہے، اور نہ مستقبل قریب مین ہونے کی توقع ہے، **جو علما سے احکامِ شریعت پوچھ پوچھکر عمل کرے،**

باقی اگر لیگ آج ہی ہمت باندھ کر ایسی جماعت بنجائے تو پھر علما کو سرے سے ایسی سیاسی جماعت بنانے کی ضرورت نہین، اور اس باب مین اُن کا فرضِ منصبی صرف یہ رہ جائے گا، کہ لیگ کی پیش کردہ سیاسی تدابیر کے جواز و عدم جواز کی تحقیق فرمادیا کرین، اور اپنا اصل وقت **نیابتِ نبوت** کے اصل فرضِ منصبی، یعنی مسلمانون اور غیر مسلمانون کی دینی اصلاح و تبلیغ مین صرف فرمائین، اس فرض مین غفلت و کوتاہی نہ ہوئی ہوتی، تو آج اگر جمعیۃ العلما کسی عارضی و وقتی مصلحت کی بنا پر بالکلیہ بھی کانگریس اور ہندوؤن کے ساتھ شریک ہو جاتی، تو عام مسلمانون کو ہرگز کسی بے اعتمادی و بدظنی کا موقع نہ ہوتا، اور نہ وہ اس طرح علما کا دامن چھوڑ بھاگتے،

حضرت کے کسی عزیز نے بھی کچھ ایسی ہی باتین تحریر کی تھین جن کی توثیق فرماکر بلفظہ حضرت نے اپنے اسی مضمون بالا مین نقل فرمایا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے علما کا سیاسی جماعت سے علیحدہ رہنا اولیٰ ہے، کیونکہ اس وقت

"عام سیاسی لیڈر ملکی مصالح کو دین پر مقدم رکھتے ہین، اور مصلحت و مذہب مین تعارض ہوتا ہے، تو مذہب مین بعید سے بعید تاویل کرنے مین دریغ نہین کرتے، چنانچہ (سیاست مین شریک ہونے والے) علما بھی اس مین مبتلا ہوتے ہین، اور ان کی تاویل چونکہ بہ رنگ دین

---

[1] لیکن جمعیۃ علمائے اسلام کلکتہ حضرت رح کے اجل خلفا رو رفقا کے ساتھ انھی مقاصد کو لے کر تو وجود مین آچکی ہے،
(عبد الماجد)

ہوتی ہے، اس لئے وہ عام مسلمانوں کو زیادہ غلطی میں مبتلا کرتی ہے، لہذا اس وقت طریق کار مفید یہ ہو سکتا ہے کہ سیاسی جماعت علیحدہ ہو، اور مذہبی علیحدہ، اور مذہبی جماعت اپنے تبلیغ کا اصل کام اس طرح انجام دے کہ مسلمانوں کی سیاسی جماعت کی نگرانی کرے، کہ وہ شریعت کے خلاف عمل نہ کر بیٹھے،

اور چونکہ موجودہ زمانہ میں سیاسی جماعت، مذہبی جماعت سے پوچھکر عمل کرنے کی عادی نہیں اس لئے علماء کے ذمہ تھا کہ خود اس جماعت کے پاس پہنچتے، اور احسن طریق سے تبلیغ کرتے مگر افسوس کہ علماء مسلمانوں کی مخالف جماعت میں داخل ہو کر مسلم جماعت کے لیڈروں کا مقابلہ کرتے ہیں، جس سے ان لیڈروں کو بھی علماء کے مقابلہ کی جرأت ہوگئی، اگر علماء اپنا اصل کام تبلیغ ہی رکھتے، جو اصل سیاست تھی، کہ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنا دیا جائے تو آج جس وقار و عظمت کے کھونے کی علماء شکایت فرماتے ہیں، اس میں چار چاند لگ جاتے اور تبلیغ دین کا ثواب آخرت مزید براں، .... موجودہ طرز میں لیڈروں کو مقابلہ کا موقع دینے سے علماء کی عظمت و وقعت مسلمانوں کے دلوں سے نکلی جا رہی ہے، جو مسلمانوں کے دین کو ہمیشہ کے لئے مضر ہو رہی ہے، بخلاف اس کے اگر یہ حضرات تبلیغ فرما کر لیڈروں کو سنبھالتے، تو اس طرز میں شرعی طریقہ پر ہندوستان میں مسلمانوں کے حقوق کی محافظت بھی ہوتی، اور علماء کی عظمت بھی بڑھتی، (افاداتِ اشرفیہ ص ۹۴)

خود حضرت علیہ الرحمہ کو آخر وقت تک اصلی فکر لیگ اور اکابر لیگ کو دین کی تبلیغ اور دینی اصلاح ہی کی رہی، وفات سے تین مہینے قبل لیگ کی طرف سے ایک دعوت نامہ کے جواب میں خود تشریف لے جانے کی معذوری کے ساتھ تحریر فرمایا کہ

"اپنی دو کتابوں کا پتہ دیتا ہوں جو انشاء اللہ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے پیام عمل اور

ایک حیاۃ المسلین شخصی اصلاح کے لئے اور دوسری صیانۃ المسلمین جمہوری نظام کے لئے، ان کے مضامین اپنے موضوع مین رنگین نہین لیکن سنگین ہین، وہی فرق ہے جو ذوق و غالب کے اشعار مین، ورنہ بدون عمل یہ سب کوشش اس کا مصداق ہو گی، کہ نشستند و گفتند و برخاستند، ...... اگر یہان مل گئین، تو دونون کتابین ہدیۃً روانہ کرون گا، ورنہ دہلی مین تلاش کی جائینگی، پھر حیوۃ المسلمین مل گئی اور روانہ بھی فرما دی،

گو یہ بالکل واضح ہے کہ حضرت کا آخر وقت تک رجحان (خواہ بطور راہ ہون البلیتین) رہا لیگ ہی کی جانب، لیکن مندرجۂ بالا فتوے مین حضرت نے جو بنظر احتیاط یہ قید بڑھا دی تھی، کہ "یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدا نخواستہ حالت بدل جائے، تو حکم بھی بدل جائے گا"

اسی احتیاط نے اب لیگ کے عمل اقدام (ڈائرکٹ ایکشن) کی تجویز اور کلکتہ وغیرہ کی خانہ جنگی مین ہزارون بے گناہ مسلمانون کی خونریزی کے واقعات کے بعد ایک پیشینگوئی کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لئے کہ اوپر یہ اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے، کہ اسلامی باقاعدہ جہاد و قتال کے تمام شرائط جب تک جمع نہ ہون، اس وقت حضرت علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس طرح کی خونریزی کو دعوت دینا تو درکنار، صریح مظلومیت کی حالت مین بھی صبر کے سوا جیل جانے تک کے مروجہ طریقے قطعاً ناجائز اور خودکشی کے مرادف ہین، ایسی صورت مین لیگ سے تو امید نہ تھی، کہ وہ حضرت کے حکم وارشاد سے اپنی اس تجویز کو بدلتی، البتہ حضرت ہی شرکت لیگ کی تائید و ترجیح کے فتوے کو غالباً عدم جواز سے بدل دیتے، لہذا حضرت کے مسلک یا خود حضرت سے عقیدت رکھنے والے علماء جو لیگ مین شریک ہین ان کو اس کی طرف پہلے پوری قوت سے لیگ کو توجہ دلا کر پھر خود اپنے تعلق کا فیصلہ فرمانا چاہئے[۱]

---

[۱] اس مضمون کی اشاعت سے پہلے لیگ نے بھی عارضی حکومت مین شرکت قبول کر لی ہے، اس لئے سردست اس "عمل اقدام" کی باقاعدہ تجویز کو عمل مین لانے کی غالباً ضرورت نہ ہو گی، لیکن بے قاعدہ نواکھالی وغیرہ مین جو کچھ ہوا ہے اس کی روک تھام سب کامون پر مقدم ہے، اور آیندہ کے لئے اس کے سد باب کی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے، (عبد الماجد)

فتوی میں اس مذکورۂ بالا احتیاط کے علاوہ لیگ کے اجلاس پٹنہ (سنہ ۱۹۳۸ء) کے موقع پر حضرت نے ایک خاص وفد کی معرفت لیگ کو جو پیام روانہ فرمایا تھا کہ "مایوس ہونے تک اپنی طرف سے ان دونوں دعوتوں کو یعنی عامۂ مسلمین کو لیگ کی طرف اور لیگ کو احکامِ دین کی طرف ترک نہ کیا جائیگا" اس کا منشا یہی تھا، کہ لیگ کی سعی تو پوری اور ہر طرح کی جائے، لیکن آخر ہر سعی کی ایک حد ہوتی ہے اور مایوسی کے بعد لازماً کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے،

اس پیام میں حضرت علیہ الرحمۃ نے عام احکامِ دین کے ساتھ دو باتوں کے تقدم و اہتمام پر خصوصیت سے متوجہ فرمایا تھا، ایک نماز دوسرے اسلامی وضع و ہیئت و لباس مگر اس آٹھ سال کے طویل عرصہ میں لیگ نے ان دو باتوں کی طرف بھی اصولاً یا عملاً اتنی توجہ تک نہیں کی کرائی جتنی کانگرس میں کھدر پوشی کی طرف ہے، ایسی حالت میں سیاسی تدابیر وغیرہ میں عام احکامِ دین کی اتباع کی کب اور کیا امید ہو سکتی ہے تاہم احقر کے نزدیک حضرت علیہ الرحمہ کے مسلکِ احتیاط کا تقاضا ہے، کہ علماء اور غیر علماء دونوں میں جو حضرات دین کی اہمیت کا ادراک رکھتے ہیں، اور ساتھ ہی کچھ قوت واثر رکھتے ہیں، وہ اپنی پوری طاقت سے لیگ کو اس پر کم از کم ایک دفعہ اتمامِ حجت کے لئے متنبہ فرما کر اور کم وبیش ایک سال کی کوئی مقررہ مدت اس سے طے فرما کر ایک موقع اور دیں، اور اس مدت میں اگر ان دو باتوں پر بھی کوئی معتد بہ عمل نہ ہو، تو پھر حضرت سے عقیدت ونسبت کا دعوی رکھنے والوں کو ضرور سوچنا چاہئے، کہ کیا مایوسی کے لئے حضرت کی مراد کوئی نا متناہی مدت تھی،

اس سلسلہ میں حضرت مجدد نے اس غلط فہمی کو بھی دور فرمایا، کہ دین کے علماء کا سیاست کی تدابیر و تجربات میں ماہر ہونا نہ لازم ہے، نہ کوئی نقص، جب خود حضرات انبیاء علیہم السلام کا سلاطین ہونا نہ ضروری ہے، نہ اُن کے کمالات دین ونبوت میں، اس سے کوئی کمی واقع ہوتی ہے، تو پھر علمائے دین کا کیا ذکر، فرماتے ہیں کہ

ہر چند کہ یہ بدیہی و جلی ہے، اور خفی بھی ہوتا تب بھی جلی مثالی سے تنبہ کے بعد جلی ہو گیا، مگر تبرکاً بعض آیات سے زیادہ مؤید کئے دیتا ہوں، سورۂ بقرہ کی آیات الم تر الی الملاء من بنی اسرائیل من بعد موسیٰ الیٰ قولہٖ فلما فصل طالوت بالجنود قال ان اللہ مبتلیکم بنھر کے ترجمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ (حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد قوم جالوت کے ظالمانہ تسلط سے تنگ آکر) بنی اسرائیل نے اپنے ایک نبی سے عرض کیا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے، جس کے ساتھ ہم مل کر قوم جالوت سے جہاد کریں، انھوں نے فرمایا کہ اچھا اللہ تعالیٰ نے تمھارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا، جو اس بات پر نص ہے، کہ بنی اسرائیل نے باوجود ان میں ایک نبی موجود ہونے کے ان سے یہ نہیں کہا کہ آپ ہمارے قائد بنجائیے، بلکہ ایک مستقل بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی، سو اگر وہ نبی کا فی سمجھے جاتے تو ایسی درخواست کیوں کی جاتی، یا اگر یہ درخواست غلط تھی، تو اُن کے نبی یا پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کیوں نہیں فرمائی، بلکہ درخواست کو بلا نکیر قبول فرمالیا، اس سے صاف معلوم ہوا کہ خود ہر نبی کے لئے بھی سیاست میں تجربہ و مناسبت لازم نہیں، تا بہ دیگران چہ رسد،

اگر یہ شبہ ہو کہ بعض کے نزدیک طالوت بھی نبی تھے، تو ہمارا مدعا اس پر موقوف نہیں، بلکہ ایک نبی کے موجود ہونے پر اُن سے یہ کام نہ لینا، اس مدعا کے ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ نبوت کے لئے کمال سیاست لازم نہیں، (اور نہ اس کمال کا عدم کوئی نقص ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ کمال اور نقص متناقض نہیں، بلکہ متضاد ہیں، کہ دونوں کا رفع اور درمیان میں واسطہ کا ہونا جائز ہے، چنانچہ بعثت عامہ کمال ہے، مگر اس کا عدم بھی نقص نہیں، ورنہ بجز حضور پر نور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمیع انبیاء کا نقص لازم آئے گا، نعوذ باللہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود کمال جامعیت اور سیاست میں بھی ماہر ہونے غزوۂ احزاب میں خندق کی تدبیر

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے حاصل ہوئی ..... قصۂ تابیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد وَاَنتُمْ اَعْلَمُ
بِاُمُورِ دُنیاکُمْ ایسے ہی تجربات پر محمول ہے، اور راز اس کا یہ ہے کہ ایسے تجارب و تدابیر ذات خود
دنیوی امور ہیں، گو مباح ہوں کسی عارض سے دین ہو جاتے ہیں، اس لئے اُن کا نہ جاننا کسی درجہ
میں بھی کمال مقصود کے منافی نہیں" (افادات ص ۹۲)

جماعت اسلامی کے حضرات بھی اس پر غور فرما سکتے ہیں، جو حکومت و سیاست پر اس طرح اور اتنا زور
دیتے ہیں، کہ معلوم ہوتا ہے، کہ اس کے بغیر انفرادی یا اجتماعی طور پر مسلمان مسلمان رہ ہی نہیں سکتے، اور اسی لئے
سیاست کو مستقل دعوت کی صورت دیدی ہے،

بہر حال علماء کو یہ نہ خیال فرمانا چاہئے، کہ سیاسی تدابیر و تجربات کا علم و مہارت اُن کے ماہر دین
ہونے کا کوئی لازمی جزء ہے، یا مروجہ سیاسیات کانگریس و لیگ وغیرہ کسی نہ کسی میں عملاً شریک ہونا اُن کا
ہر صورت میں دینی فریضہ ہے، بلکہ اُن کا اصل دینی فریضہ مسلمان عوام و خواص سب کو صرف احکام دین پہنچا
دینا ہے، البتہ مسلمان عوام و خواص سب کا یہ دینی فریضہ ہے، اور اسی میں اُن کے لئے دین و دنیا کی فلاح ہے
کہ وہ اپنی سیاسی یا غیر سیاسی زندگی میں کوئی قدم بھی دینی اعتبار سے علماء کے فتوے اور اُن سے مشورے
کے بغیر نہ اٹھائیں، اور علماء کو اپنے تابع بنانے کی کوشش نہ کریں، بلکہ مسائل دین میں خود کو بالکلیہ اُن
کے تابع رکھیں، نہ کہ اُلٹے اُن کو اپنا تابع بنانے کی کوشش کریں، مسلمانوں کے نظام حیات کی صحت اور
اُن کی دینی و دنیوی صلاح و فلاح کے لئے یہ امر اس درجہ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی تجدید دین کا اہم جزء ہے
کہ مواعظ و ملفوظات میں بار بار اور طرح طرح اس پر متنبہ و متوجہ فرمایا ہے، تواصی بالحق نام کے وعظ میں
فرماتے ہیں کہ

"آج کل عوام کی یہ حالت ہے کہ علماء کو اول تو آگے کرتے نہیں، اور اگر کریں بھی تو اس طرح
جیسے بہلوان کا بیل امام ہوتا ہے، کہ آگے تو وہ رہے، مگر بہلوان کے اشارہ پر چلتا رہے"

اسی طرح علما بھی جھنڈا لے کر آگے رہیں، مگر کنکھیوں سے مقتدیوں کے اشارے کو دیکھتے رہیں کہ ان کی مرضی کیا ہے، جیسے امام نماز میں ہوتا ہے، تو مقتدیوں کو تاکتا ہے"

مطلب یہ کہ علما اس زمانہ کی رفتار کے موافق سیاسی امور میں دخل بھی دیں اور لیڈروں کی خوشامد بھی کرتے رہیں، ان کی رائے کا اتباع بھی کرتے رہیں، کہ جہاں ان کی زبان سے کوئی کلمہ نکلے، فوراً ہدایہ وغیرہ سے اس کا فتویٰ نکال دیں، اور جب ان کی رائے بدلے، تو ہدایہ ہی سے پھر اس کے خلاف بھی نکال دیں، سو یاد رکھو، جو عالم حقانی ہوگا، وہ دین کے معاملے میں کسی کی رعایت ہرگز نہ کرے گا، اور نہ کسی کی موافقت و مخالفت کی پرواہ کرے گا، وہ خدا کی رضا کے سامنے تمام دنیا پر لات مارتے ہیں، سارا عالم بھی اُن کے خلاف ہوجائے، تب بھی شریعت سے سرمو تجاوز نہ کریں گے، چاہے اس میں خود اُن کی عزت ہو یا ذلت "

غرض پر اس طرح تنبیہ کے بعد آگے اصلاحی و تجدیدی مشورہ ہے کہ مسلمانوں کی دین و دنیا کی خیر اسی میں ہے کہ علما کا اتباع کریں، البتہ وہ علما واقعی علما ہوں،

صاحبو! اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو علما کا اتباع کرو ان کو متبوع بناؤ، تابع نہ بناؤ، ہاں ان میں انتخاب کرلو، جو قابل ہوں، ان کا اتباع نہ کرو، کیونکہ محض کتابیں پڑھ لینے سے آدمی عالم نہیں ہوجاتا، علم دوسری ہی چیز ہے جیسے طب کی کتابیں پڑھ لینے سے ہر شخص طبیب نہیں بن جاتا، بلکہ جس کو ملکۂ علاج حاصل ہوجائے، وہی طبیب ہوتا ہے، اسی طرح حدیث و قرآن و فقہ کی کتابیں پڑھ لینے سے علم کی حقیقت حاصل نہیں ہوتی محض الفاظ یاد ہوجاتے ہیں حقیقت علم حاصل ہونے کے لئے کتابوں کے سوا ایک اور چیز کی ضرورت ہے۔

نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یعنی صحبت اہل اللہ کی بھی ضرورت ہے، جس سے آج کل کے اکثر علمار کورے ہین، الا ماشاء اللہ،

یعنی وہی کہ طبیب محض کتابون سے نہیں بلکہ کسی ماہر و تجربہ کار طبیب کے مطب مین بیٹھکر اور اس کی صحبت و تربیت سے طبیب بنتا ہے، اسی سلسلہ مین ایک اس غلط فہمی کی بھی اصلاح و ازالہ فرمایا گیا ہے کہ علمار دنیا و سیاست کے معاملات کو نہیں سمجھتے، اس لئے اُن کو ان معاملات مین دنیا دارون اور لیڈرون ہی کا اتباع کرنا چاہئے، ارشاد ہے کہ

"دنیا دارون کا یہ خیال کہ علمار کو دنیا کی خبر ہی نہیں، اس کو ہم زیادہ جانتے ہین، اس لئے دنیوی معاملات و سیاسیات مین ہمارا اتباع کرنا چاہئے، مین کہتا ہون کہ ان معاملات مین علمار کس جزر کو نہیں جانتے، آیا اُس جزر کو نہیں جانتے، جو محض دنیا ہے یعنی واقعات تو اُن کے واسطے فخر ہے، مولانا فرماتے ہین،

تا بدانی ہرکرا یزدان بخواند　　　　از ہمہ کارے جہان بیکار ماند

اور اگر یہ کہو کہ ان معاملات مین جو جزر دین کا ہے یعنی ان واقعات کے احکام، وہ علمار نہیں جانتے تو یہ بالکل غلط ہے، ویسرا ے اگر کپڑا بننا یا جوتا سینا نہیں جانتا تو یہ اس کا نقص نہیں، بلکہ فخر ہے، اس کا اصلی کام پیشیون وغیرہ کے متعلق ملکی و سیاسی قوانین جاننا اور احکام دینا ہے[۱]

اسی طرح علمار کو دنیا کے کام کرنا تو نہیں آتے، لیکن احکام ہر کام کے معلوم ہین، تم اپنے معاملات کو اُن کے سامنے پیش کرو، پھر دیکھو وہ فتوی دیتے ہین یا نہیں، پس جو علمار احکام کے جاننے والے اور بے غرض ہون، اُن کو مقتدار بناؤ، تابع نہ بناؤ،

صاحبو! سیاست کو بھی وہی لوگ زیادہ جانتے ہین، جن کو تم دنیا سے بے خبر اور تاریک خیال

---

[۱] یہ اقتباسات سب تو اصی باحق سے ماخوذ ہین، کہین کہین اختصار یا توضیح کے مدنظر کچھ لفظی قلیل تصرف کے ساتھ، از ص ۳۰۶ تا ۳۰۹،

کہتے ہو، کیونکہ وہ شریعت کو تم سے زیادہ جانتے ہیں، اور شریعت نے سیاست کے اصول بھی سب سے بہتر بتلائے ہیں"

غرض کہ مسلمانوں کے لئے دنیوی و سیاسی معاملات میں بھی خیر و فلاح کی صورت یہی ہے کہ وہ ان کے متعلق شریعت کے احکام کو بے غرض علماے حقانی سے معلوم کرتے، اور ان کا اتباع کرتے رہیں،

لیکن اس بدقسمتی کو کیا کیجئے کہ ایسے علماے حقانی رہ کتنے گئے ہیں، اگر ایک طرف دنیادار مسلمانوں یا سیاسی لیڈروں کو خوشامدی علماء یا پہلوان کے بیلوں کی تلاش رہتی ہے، تو دوسری طرف ملتے بھی تو زیادہ تر ایسے ہی ہیں، جن کی بدولت اسلام اور مسلمانوں دونوں کی رسوائی کے ایسے ایسے شرمناک واقعات پیش آتے رہتے ہیں، کہ بس حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کی زبان سے یہی کہنے کو جی چاہتا ہے کہ آسمان کیوں نہیں پھٹ پڑتا اور زمین کیوں نہیں شق ہو جاتی !

آج کل کا ایک بالکل تازہ منظر ملاحظہ ہو کہ یوپی کی کونسل میں زمینداری کے ختم کرنے کا قانون کانگرسی حکومت کی طرف سے پیش ہے، اور ہمارے ایک عالم ماشاء اللہ خود حکومت میں شریک ہیں، اور ایک دوسرے عالم لیگ کی طرف سے مخالف صف میں تشریف فرما ہیں، شریعت میں زمینداری (یعنی زمین خرید کر اُس کو لگان پر اُٹھانا) نہ گناہ ہے، نہ حرام، بلکہ ایسے زمیندار یا مالک زمین سے بلا اس کی رضامندی کے اس حقوق ملکیت سلب کر دینا البتہ ناجائز ہوگا،

یہ دوسرے لیگی عالم مشاہیر علماے حقانی کے ایک بڑے مشہور گھرانے کے ہونہار چشم و چراغ ہیں لیکن شریعت سے زیادہ لیگ کی اتباع میں حکومت کی تجویز کے مخالف ہیں، یعنی یہ نہیں کہ جس چیز کو شریعت نے حلال و جائز ٹھہرایا ہے، اس کو ناجائز قرار دینے والوں کی ہر حال میں غیر مشروط مخالفت کریں، بلکہ اس کے بجائے اس انتقام پر راضی ہیں، کہ اچھا اگر زمینداری کو ختم کرتے ہو تو ہم تمہاری تائید کریں گے، مگر اس شرط سے کہ ساتھ ہی مہاجنی و سرمایہ داری کو بھی ختم کر دو!

اس علم و اقرار کے باوجود کہ زمینداری کی حمایت ... کے لئے باعث شرم نہیں، کیونکہ زمینداری شرعًا ممنوع نہیں، اور نہ مذہب نے اسے ناجائز قرار دیا ہے، پھر خدا جانے کس منطق سے اس شرعی جواز کو عدم جواز میں تبدیل کر دینے کی تائید محض مسلم لیگ کی ترمیم و شرط سے جائز ہو گئی، جو یہ ارشاد ہوا کہ جب مسلم لیگ کی ترمیم میں تنسیخ زمینداری کے اصول کو تسلیم کر لیا گیا ہے، تو ہماری اس ترمیم کو حکومت کیوں نہیں منظور کرتی اور زمینداروں کے ساتھ سرمایہ داروں، سودخواروں، مہاجنوں اور بنیوں کو کیوں نہیں ختم کرتی ہے۔

(روزنامہ نوید ۹؍ اگست ۱۹۴۶ء)

نیز سودخوری و مہاجنی کے ساتھ نفس سرمایہ داری سے عداوت بھی آخر اسلامی شریعت کی کس دفعہ کی رو سے ہے ؟ اگر کوئی شخص تجارت یا صنعت و حرفت وغیرہ کے جائز شرعی ذرائع سے ارب پتی بھی ہو جائے، اور زکوٰۃ وغیرہ کے شرعی واجبات و حقوق بھی پورے پورے ادا کرتا رہے، تو کیا اس کی یہ سرمایہ داری حرام ہے، بس وہی کہ پہلوان لیڈر کا اشارہ جدھر ہو جائے !

لیکن علم و تفقہ کے کمال کا بڑا مظاہرہ اس متشدین دوسرے شریک حکومت مولانا نے فرمایا جو جمعیۃ العلماء کے نمائندے ہیں، اور ایک دینی عربی مدرسہ کی خدمت کو خیرباد فرما کر ابھی ابھی سیاسی خدمات کے صلہ میں حکومت کی وزارت گراں قدر کرسی پر بٹھا دیئے گئے ہیں، بس رحمان ہی ان کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھے، انھوں نے تو بے خوف و خطر زمینداری کی سرے سے حرمت ہی کا فتویٰ صادر فرما دیا کہ حکومت کا فرض ہے کہ اس نظام (زمینداری) کو قطعًا منسوخ کر دے، اور استدلال میں یہ عالمانہ تفقہ ملاحظہ ہو کہ یہ زمینداری آئین شریعت کے نہیں، بلکہ آئین قدرت کے خلاف ہے، جس طرح سورج کی کرنوں کا کوئی ٹھیکہ دار نہیں ہو سکتا، جس طرح ہوا کسی خاص جماعت کے لئے مخصوص نہیں ہو سکتی، جس طرح پانی پر کسی خاص طبقہ کو قبضہ نہیں دیا جا سکتا، اسی طرح زمین جو قدرت کا ایک فیاضانہ عطیہ ہے، جو تمام جانداروں کی ضروریات زندگی کے لئے ہے، کسی جماعت یا شخص کو حق نہیں پہنچتا، کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ

زمین پر قبضہ کرکے دوسرے انسانون کو ضروریات کی آسایش و آرام سے محروم کر دے"

سبحان اللہ کیا تحقیق انیق ہے۔ ائمۂ مجتہدین سے لے کر اس وقت تک ساڑھے تیرہ سو سال مین سلف و خلف کے بڑے چھوٹے فقہا مین بھلا کیون کسی کو یہ تفقہ فی الدین میسر ہوا ہوگا، کہ زمین کی ملکیت کو آفتاب کی کرنون کی ٹھیکہ داری کے حکم مین داخل فرمایا ہو، نعوذ باللہ من شرور انفسنا! پھر ان مولینا کے صیغہ کا بھی یہ معاملہ نہ تھا، کہ ایسی مجتہدانہ تقریر فرمانا فرض منصبی ہوتا،

بس ان سارے مفاسد کا منشاء و سرچشمہ وہی خشت اول کی کجی ہے، کہ حکومت و سیاست کے عصری تصورات کو مسلمانون نے بھی بالذات مطلوب و مقصود بنا لیا ہے، جو اسلامی تصور کی رو سے مسلمانون کی ترقی نہین، بلکہ ان کی اسلامی زندگی کی موت ہے، اور حضرت مجدد العصر علیہ الرحمہ کی اس باب مین بھی اصلاح و تجدید کا مرکزی نقطہ وہی ہے، کہ مسلمانون کا مقصود بالذات ہر شعبۂ حیات کی طرح حکومت و سیاست سے بھی بالکلیہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی ہونا چاہئے، جس کا راستہ ایمان و عمل صالح ہے، یعنی اپنی استطاعت بھر ناموافق سے ناموافق حالات محکومی میں بھی انفرادی و اجتماعی زندگی مین شریعت کے احکام و حدود کا اتباع، ہماری ساری فکر و تدبیر بالذات اپنے ایمان اور اعمال ہی کی تصحیح و تکمیل مین صرف ہو، باقی حکومت جس کا قرآنی اصطلاح مین استخلاف فی الارض نام ہے، وہ ایمان و عمل صالح پر حق تعالیٰ کی طرف سے موعود ہے۔ استخلاف فی الارض کے معنی ہی یہ ہین، کہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ یا نائب کی حیثیت سے اس کی زمین پر اسی کے احکام کا نافذ کرنا، تو جن لوگون نے خود اپنے اوپر ان احکام کو نافذ کیا ہو، اُن سے خدا کی زمین اور دوسرون پر نافذ کرنے کی کیا توقع کیجا سکتی ہے، اور وہ اس وعدہ کے پورا ہونے کے متوقع کس منہ سے ہو سکتے ہین؟[1]

---

[1] حضرتؒ کا اصل مسلک و مذاق سیاسیات کے باب مین سمجھنے کے لئے بہتر ہوگا کہ اُن کے خلیفۂ خاص اور مسترشد باختصاص مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کا رسالہ مسائل سیاسیہ ضرور ملاحظہ کر لیا جائے، (عبد الماجد)

بلکہ مخلص لہ الدین، مومن کی اصل شان تو یہ ہے کہ اس کا مقصود ایمان و عمل صالح سے بھی یہ نعوذ استخلاف نہیں ہوتا، اس کی نظر میں یہ بھی شرک ہے، اس کا مقصود تو خالص خدا اور رسول کی رضا ہو، اس رضا کے ساتھ اگر اس کو پاخانہ بھی اٹھانا پڑے، تو خدا کی ناراضی کے مقابلہ میں اس کو گوارا کرے گا، اور ہفت اقلیم کی بادشاہت پر بھی لات مارے گا، ا مومن مخلص کا مقصود و مطلوب صرف حق تعالیٰ ہیں باقی سب ان کی نظر میں چھوٹے بڑے بُت ہی ہیں،

پرسی کہ کرا خواہی از خیل بتان جانی

من از تو ترا خواہم غیر از تو مرا خواہم

لُب لباب

قومیات و سیاسیاتِ حاضرہ کے باب میں حضرت جامع المجددین علیہ الرحمۃ کی تجدیداتِ دین کا لُبِ لباب تفصیلاتِ بالا کے پیش نظر یہ نکلا کہ

۱۔ مسلمانوں کے قومی و باطنی مزاج یا مافی انفسہم کا قیاس غیر مسلم اقوام پر قیاس مع الفارق ہے، مسلمانوں کی قومی و سیاسی یا دنیوی ترقی بھی بالکلیہ ان کی دینی ترقی کے تابع یعنی اس پر موقوف ہے کہ یہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر قدم پر احکام دین کے اتباع کا پورا پورا التزام رکھیں،

۲۔ لیکن یہ لازم نہیں کہ ہر فرد یا ہر جماعت دینی احکام کے ساتھ دنیوی یا قومی و سیاسی تدابیر و تجربات کی بھی ماہر و جامع ہو، بلکہ عام طور پر یہ جامعیت نہ ہوتی ہے، اور نہ مطلوب ہے، البتہ یہ واجب ہے کہ جو افراد یا جماعات احکام دین کی ماہر و محقق نہیں، وہ امور دنیا میں جو تدابیر اختیار کریں، اُن کا شرعی حکم پہلے علمائے دین سے معلوم کر لیں،

۳۔ اور عام حالات میں محققین دین اور مدبرین دنیا کی جماعتوں کا الگ الگ ہونا جائز، بلکہ اکثر

صورتوں میں اعلم و انسب ہے جیسا کہ وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ الخ اور انتم اعلم بامور دنیاکم وغیرہ نصوص سے ظاہر ہے،

۴۔ ہاں اگر کبھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں، کہ امور دنیا کو انجام دینے والی جماعتیں "داعی الی الخیر" جماعت کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی پروا نہ کریں اور تدابیر دنیا میں احکامِ دین معلوم کر کے جواز و عدم جواز پر کاربند نہ ہوں تو بطور فرض کفایہ واجب ہوگا، کہ احکامِ دین کے ساتھ ساتھ علماء کی ایک جماعت امور دنیا کی بھی ماہر و جامع ہو، جس میں صرف سیاسیات ہی کی تخصیص نہیں، بلکہ معاشیات وغیرہ حسب ضرورت وحسب موقع تمام معاملاتِ دنیا داخل ہیں،

۵۔ اب ہندوستان کے خاص موجودہ حالات کے لحاظ سے اس وقت امور سیاسیہ کی دو بڑی جماعتیں موجود ہیں، کانگرس اور مسلم لیگ، لیکن کانگرس خالص مسلمانوں کی جماعت نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے، اور نہ اس سے خالص اسلامی احکام کے تحت خالص مسلمانوں کے سیاسی حقوق و منافع کی حفاظت و نگرانی کی توقع یا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، اس لئے کانگرس مسلمانوں کے لئے امور سیاسیہ کے انصرام کی کوئی مستقل جماعت نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے،

۶۔ بلاشبہ کسی تیسری طاقت کے مقابلہ میں جو ہندوستان کے مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کی یکساں دشمن ہو، اس کے رفع شر کے لئے غیر مسلموں کی کسی جماعت کے ساتھ کوئی وقتی و عارضی عہد و پیمان یا اتحاد عمل کیا جا سکتا ہے، وہ بھی احکامِ شریعت کے شرائط وحدود کے اندر، بقدر اور عارضی ضرورت کی صرف عارضی مدت تک، ان شرائط میں ایک بڑی شرط یہ ہے کہ اس غیر مسلم جماعت میں مسلمانوں کی حیثیت مغلوب و تابع کی نہ ہو، بلکہ غالب و متبوع کی،

۷۔ اور کانگرس میں مسلمانوں کی ادغامی شرکت کی نہ موجودہ صورت ایسی ہے، نہ آئندہ اس کا کوئی عملی امکان ہے، اس لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے نزدیک کانگرس کی تنظیم میں مدغم ہو کر داخل یا

شریک ہونا تو مسلمانوں کے لئے قطعاً ناجائز اور دین و دنیا دونوں کے لئے سراسر زیان و ضرر ہے،

۸۔ لہذا کانگرس کے ساتھ کسی عارضی یا وقتی اتحاد عمل کے لئے بھی ضروری ہے، کہ مسلمانوں کی کوئی بالکل مستقل و جداگانہ سیاسی تنظیم ہو، جو کانگرس کی تنظیم کے ساتھ مساویانہ طاقت کی حیثیت سے کوئی معاہدہ مشترک دشمن کے مقابلہ یا مسلمانوں کے کسی اور مشترک مفاد کے لئے کرسکتی ہو،

۹۔ بصورت موجودہ ایسی جماعت ظاہر ہے، کہ صرف مسلم لیگ ہے، اس لئے اس کے نقائص کے باوجود کانگرس کے مقابلہ مین اس کی شرکت کو مسلمانوں کے حق مین حضرت مجدد تھانوی علیہ الرحمہ نے اہون و اسلم تجویز فرمایا ہے،

۱۰۔ مگر چونکہ مسلم لیگ اب تک اپنی تدابیر سیاسیہ مین اصولاً یا عملاً احکام دینیہ کی تابع نہین، اس لئے اس مین شرکت کی شرط حضرت نے یہ قرار دی ہے، کہ اہل قوت و اثر اپنی قوت و اثر سے اس کی اصلاح مین برابر ساعی رہین، اور غیر اہل قوت برابر اہل قوت سے اس کا تقاضا و مطالبہ کرتے رہین، اور علماء خاص طور پر اکابر لیگ کو احکام دین کے اتباع کی دعوت و تبلیغ فرماتے رہین،

۱۱۔ پھر بھی اگر لیگ کی اصلاح مین کامیابی نہ ہو، یا مستقبل قریب مین متوقع نہ ہو، تو حضرت کی ہدایت و ارشاد کے مطابق اس کے سوا چارہ نہین، کہ خود علماء ہی کی کوئی ایسی جماعت ہو، جو محقق دین ہونے کے ساتھ مدبر سیاست بھی ہو، یا بنے اور بطور فرض کفایہ کے امور سیاسیہ مین بھی مسلمانوں کی رہنمائی کا فرض کم از کم اس وقت تک انجام دے، جب تک یا تو لیگ اپنے کو احکام دین کی تابع نہ بنائے، یا کوئی اور ایسی ہی خالص امور سیاسیہ کی ماہر مسلمانوں کی تنظیم نہ قائم ہو جائے، جو احکام دین کی تابع ہو،

۱۲۔ فی الحال علماء کی ایسی جماعت جمعیۃ العلماء ہی ہو سکتی ہے، لیکن اس کو پہلے ہر طرح اس کی سعی کر لینی چاہیئے، کہ لیگ اتباع احکام کی شرط کو قبول کرے، یا مستقبل قریب مین قبول کر لینے کی امید ہو جائے، جب اس سے مایوسی غالب ہو جائے تو پھر وہ اس فرض کفایہ کا بوجھ تمام و کمال اپنے ہی دوش پر لے

حالات مین کسی ایسی ہی تبدیلی رونما ہونے کے احتمال سے حضرت علیہ الرحمہ نے خود شرکت لیگ کے فتوے میں یہ قید لگادی تھی کہ یہ جواب مسلم لیگ کی موجودہ حالت پر ہے، اگر خدانخواستہ حالات بدل جائین تو حکم بھی بدل جائے گا،"

اور راقم ہذا کے نزدیک تو لیگ کی جارحانہ کارروائی یا عمل اقدام (ڈائرکٹ ایکشن) کی تجویز اور کلکتہ وبمبئی وغیرہ مین ہزارون بے گناہ مسلمانون کا جو خون بہا ہے، اس مین کسی طرح بھی حضرت شرکت کی اجازت نہ فرماتے، کیونکہ یہ حضرت کی تحقیق کی روسے خودکشی کے مرادف ہے،

۱۴- بہرنوع جمعیۃ العلماء کے لئے حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے مسلک کی روسے پہلے تو ہر حال مین یہ ضروری ہوگا کہ وہ کانگرس کے ساتھ اپنے ادغامی واتباعی تعلق کو قطعاً منقطع فرمائے، بلکہ اب چونکہ کانگرس مین شرکت کا جو بڑا مقصد ہوسکتا تھا (یعنی انگریزون سے آزادی) وہ اب اس کی عدم شرکت سے بھی انشاءاللہ موخر نہین ہوسکتا، اس لئے مسلمانون کی دینی ودنیوی مصلحت کی بناپر کانگرس سے انقطاع کا اعلان بہرنقطۂ اولی واسلم ہے،[۱]

اس کے بعد مسلم لیگ سے مایوسی کی صورت مین اس کو اپنے ساتھ اچھے نہ کچھ جدید سیاسیات کے زیادہ ماہر جدید انگریزی تعلیم یافتہ مسلمانون کو ضرور شریک رکھنا چاہئے جو سیاسیات حاضرہ کے گہرے قومی وبین الاقوامی حالات وتجربات اور مسائل ونظریات سے پوری طرح امداد کرتے رہین،

۱۵- لیکن عام حضرات علماء اور اکابر جمعیۃ العلماء کی خدمت مین سب سے اہم واقدم امر حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اصول ومسلک کے تحت یہی عرض کرنے کا ہے، کہ سیاسیات مین ان کی خاص اپنی کوئی دینی تنظیم وجماعت خواہ کامیاب ہو یا نہ ہو، مگر وہ انفرادی واجتماعی طور پر مسلمان عوام وخواص مین تبلیغ دین، اور ان کو پورا پورا

---

[۱] کانگرس نے خود جمعیۃ العلماء یا قوم پرور مسلمانون سے عارضی حکومت مین جتنی پروا کی وہ خود جمعیۃ کے تازہ شائع رزولیوشن سے واضح ہے،

...لمان بنانے کی سعی و فکر کے ساتھ اپنے اصلی فرض منصبی سے کسی حال اور کسی آن غفلت نہ فرمائیں،

اگر حضرت کے ایما کے موافق دس سال تک ہر طرف سے یکسو ہو کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے میں ...رف کر دیئے جائیں، تو پھر انشاء اللہ علماء کو نہ کانگرس کا منہ دیکھنا پڑے گا، نہ لیگ کا، نہ ہندوؤں ...یا نہ انگریزوں کا،

آخر میں ایک مسئلہ کا حل رہ جاتا ہے، جو اہمیت کے اعتبار سے اوّلیت کا درجہ رکھتا ہے، لیگ کا ...راہ راست پر آنا یا لانا یا احکامِ شرع کے تابع کسی دوسری تنظیم کا قائم کرنا کرانا یا خود علماء و جمعیۃ العلماء کا ضرورت وقت کے تقاضے سے بطور فرض کفایہ سیاسی مسائل و معاملات میں مہارت حاصل کر کے مسلمانوں کی رہنمائی کرنا، یہ سب ایسی چیزیں ہیں، جو انفرادی حیثیت سے افراد کی استطاعت و اختیار سے باہر ہیں، مثلاً راقم احقر زیادہ سے زیادہ اس قسم کے معروضات تحریراً یا تقریراً پیش کر دے سکتا، یا اپنی بساط بھر کچھ دوڑ دھوپ کر لے سکتا ہے، لیکن حسب منشاء و مطابق شریعت علماء یا غیر علماء کی کسی کارگر تنظیم و جماعت کا قائم ہو جانا اس کے قبضۂ قدرت میں بہرحال نہیں،

تو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کی جامع تجدید نے اس بنیادی سوال کو تشنہ بالکل نہیں چھوڑا، اور صفحاتِ بالا میں خوب اور مکرر سہ کرر اپنے مواقع پر واضح کر دیا گیا ہے، کہ دینی سیاست یا حکومت و سلطنت کی اہمیت دین و شریعت میں کما حقہ مسلم ہونے کے باوجود ایسی ہرگز نہیں، کہ اس کے بغیر افراد کے لئے اپنی اختیاری سعی و طاقت سے کمال دین کا کوئی بلند سے بلند مقام حاصل کرنا ناممکن یا خارج از استطاعت و وسعت ہو،

دینی و اسلامی حکومت یا خلافت تو الگ رہی اگر خدانخواستہ کسی وقت ساری خدائی خدا کی منکر و کافر ہو جائے، اور صرف ایک مومن رہ جائے، تو وہ بھی صالحین شہداء و صدیقین کے اونچے سے اونچے درجۂ قرب و قبول تک رسائی پا سکتا ہے، بلکہ انبیاء علیہم السلام کے کمالات تک میں اس سے ذرہ برابر

کوئی نقص و خلل نہین واقع ہوسکتا کہ آغازِ نبوت سے انجام تک ساری دنیا اُن کی منکر و کافر ہی رہے، حق تعالیٰ کی طرف سے کسی کو بھی کسی قسم کی تکلیف مالا یطاق بالکل نہین، اور قرب و قبول کا مدار تمام تر اس پر ہے کہ آدمی موافق و ناموافق جیسے حالات مین بھی ہو، اپنی استطاعت و اختیار بھر حق تعالیٰ کی رضاجوئی اور اس کے احکام کی بجاآوری مین کوتاہی وکم ہمتی کو راہ نہ دے، اس کے بعد اگر اس کو کسی نے زنجیرون مین اس طرح جکڑ دیا ہے کہ وضو یا تیمم کرنا کیا معنی جسم وجوارح کو جنبش تک نہین دے سکتا ہو تو اس آسکی آنکھون کے اشارون کی نماز کے کمال و قبول مین رتی برابر کمی نہین واقع ہوسکتی[1]،

اختیاری و غیر اختیاری کا یہ مسئلہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی ساری تجدیدات وتعلیمات کا ایک بڑا سنگ اساس ہے، جس سے شریعت و طریقت کے بے شمار لاینحل عقدے حل فرمائے گئے ہین،

یہی نہین کہ حکومت و سیاست پر قرب و قبول کا قطعاً انحصار نہین، بلکہ اگر حکومت و سلطنت کو خدا کی ناراضی کی راہون سے حاصل یا ناراضی کی راہون مین استعمال کیا جائے، تو خدا کی ایسی ناراضی کے ساتھ ہفت اقلیم کا تاجدار یا فرعون ہوکر مرنے کے بجائے مومن کے لئے اپنے اختیار بھر رضاجوئی کے ساتھ پاخانہ اٹھاکر مرجانا کہین بہتر اور عین مطلوب ہوگا،

بلکہ عہدِ نبوت سے جتنا بُعد ہوتا جارہا ہے، دورِ دجل و فتن و شر و رکی روایات پر نظر ایمان رکھو تو کو کھلی آنکھون نظر آرہا ہے، کہ موجودہ دور اور اس کی قومیات و سیاسیات بالخصوص اس درجہ دجالیت اور فتنون سے بھرگئی ہین، کہ بہت ہی شاذ اور بہت ہی غیر معمولی ایمانی قوت و عزیمت رکھنے والے افراد ان مین پڑکر اپنے ایمان و عمل صالح کو خیریت وسلامتی کے ساتھ ساحل حیات تک پہنچا سکتے ہون، باقی عام مسلمانون کو اگر ایمان و آخرت کچھ عزیز ہے، تو اُن کے لئے تو بس ع

"اگر خواہی سلامت برکنار است"

---

[1] یہ سارا پیراگراف حضرتؒ کے مسلک کا بہترین ترجمان ہے، (عبدالماجد)

یعنی تا بمقدور وہی اصحاب کہف کی نوعیت کی مخفی زندگی، جیسا کہ مختلف روایات میں مختلف طرح سورۂ کہف کی تلاوت کو فتنۂ دجال اور دجالیت سے حفاظت کا ذریعہ فرمایا گیا ہے، باقی حدیثوں میں دور فتن و شرور کے جو آثار و علائم بیان فرمائے گئے ہیں، اور جن کی کثرت و شدت آج کسی ایمانی نگاہ سے مخفی نہیں ان سے حفاظت کے لئے صحاح وغیرہ کی روایات میں گوناگوں عنوانات سے یہی ہدایات ملتی ہیں کہ ایسے زمانے میں عمومی یا قومی و سیاسی معاملات سے دور رہ کر بس اپنے دین و ایمان کی خیر مناتے رہو، مثلاً

"جب دیکھو کہ لوگوں میں عہد شکنی و خیانت اور آپس میں آویزش و عداوت پھیل گئی ہے تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بس گھر میں پڑے رہو، زبان بند رکھو، اور امر عامہ (پبلک یا قومی کاموں) سے دور رہ کر خاص اپنی ذات یا اپنے دین کی حفاظت میں لگے رہو"

"اسی طرح ہے کہ جب دیکھو کہ لوگ اپنے نفس و ہوا کی پیروی میں پڑ گئے ہیں، اور دنیا کو دین پر ترجیح دینے میں لگے ہیں، اور کتاب و سنت کو چھوڑ کر ہر شخص صاحب رائے بن بیٹھا ہے، تو عوام کے معاملات سے الگ ہو کر اپنی خبر رکھو، کیونکہ ایسا زمانہ آنے والا ہے جب میں صبر کے سوا چارہ نہ ہوگا، اور صبر کرنا بھی انگارے کو ہاتھ میں پکڑنا ہوگا،

ایمان کا یہ حال ہوگا کہ آدمی صبح مسلمان ہوگا، اور شام کو کافر، شام کو مسلمان ہوگا، اور صبح کا فر، ایسے زمانہ میں سونے والا مسلمان جاگنے والے سے بہتر ہوگا، اور بیٹھا رہنے والا کھڑے رہنے والے سے اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے اور چلنے والا دوڑنے والے سے، ایسے وقت میں اپنی کمانوں اور تلواروں کو ناکارہ کر ڈالنا، اور اگر کوئی تم پر حملہ کرے تو چاہئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے بہتر کی راہ اختیار کرو جس نے اپنے قاتل بھائی سے کہا تھا، کہ اگر تم مجھکو قتل کرنے لئے ہاتھ بڑھاؤگے، تو میں تم کو قتل کرنے کے لئے ہرگز ہاتھ نہ بڑھاؤں گا"

"حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے، کہ ایسا زمانہ آنے والا ہو کہ نمازیں مردہ ہو جائیں گی، مکانات بڑے بڑے عالیشان بنائے جائیں گے، قسم اور لعنت کا زور ہوگا، زنا اور رشوت کی گرم بازاری ہوگی، آخرت دنیا کے بدلے فروخت کی جائے گی، جب یہ حالات دیکھنا تو نجات کی راہ یہ ہوگی، کہ گھر میں فرش یا بورئیے کی طرح چمٹ کر پڑ جانا، زبان اور ہاتھ نہ ہلانا،

ان فتنوں کے زمانے میں جو شخص یکسو ہوکر اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لگا رہ سکے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گویا ہجرت کرکے میرے پاس چلا آیا، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کے ذیل میں فرمایا ہے، کہ اصحاب کہف بیک ہجرت کہ در وقت استیلاء فتنہ از ایشان بوجود آمدہ بود بدرجۂ علیا رسیدند"

"ایک اور بڑے ایمان و عبرت کی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر نرغہ کے لئے دشمن اس طرح دعوت دیں گے، جیسے کاسہ طعام کے گرد لوگوں کو پکار پکار کر جمع کیا جاتا ہو، کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا اس نرغہ کا باعث ہماری قلت تعداد ہوگی، فرمایا نہیں، تعداد تو بہت ہوگی، مگر خس و خاشاک کی سی حالت ہوگی، کہ تمہارے اندر نہ قوت و شجاعت ہوگی، اور نہ دشمنوں کے دل میں تمہاری ہیبت و عظمت ہوگی، عرض کیا گیا کہ ہماری اس کمزوری کی وجہ کیا ہوگی، فرمایا دنیا کی محبت اور موت کی کراہیت[۵]"

دشمنوں کے قلب سے مسلمانوں کا وزن جس طرح نکلتا جا رہا ہے، اس کا خود سیاسیات ہی میں تازہ اندازہ اس سبق آموز سلوک سے ہو سکتا ہے، جو کانگرس کے مقابلہ میں دفد وزارت اور وائسرائے نے مسلم لیگ سے نہیں، در اصل سارے مسلمانوں کے ساتھ کیا، اور یہ کاسۂ طعام کی طرف دعوت کی

۵؎ یہ اقتباسات تقضار آثار ازقیا مہ مؤلفہ نواب صدیق حسن خان مرحوم سے ماخوذ ہیں، فصل ۱،

اسی روسی **دعوت الی البطن** کا کوئی اشارہ ہے۔ (؟) جس کی جانب اس وقت ایک سب سے بڑے سیاسی منڈل (کانگرس) کے سب سے بڑے دیوتا (جواہرلال) نے عارضی حکومت (انٹیرم گورنمنٹ) کی زمام ہاتھ میں لیتے ہی پکارا کہ ہمارا **انتہائی مقصد** چار سو ملین انسانوں کو کھانا کپڑا وغیرہ (یعنی وہی کا سہ طعام کی دنیوی ضروریات) فراہم کرنا ہے۔ (پانیر ۲۷ ستمبر ۱۹۴۶ء)

بھلا جس سیاست کا **انتہائی مقصد** برملا "زیستن برائے خوردن" ہو، اور جو اس زیستن و خوردن کی حیوانی زندگی سے آگے کسی انسانی مستقبل سے بالکل اندھی بہری ہو، تو وہ مسلمان ایسی کور وکر رہنمائی کا دامن مستقلاً کیسے تھام سکتا ہے، جس کا انتہائی مقصد اس دنیوی زیستن و خوردن کے بعد ہی شروع ہوتا ہے؟ اور جس نظام سیاست میں اس مابعد کی زندگی کا سرے سے کوئی تصور داخل نہ ہو، اس میں آخر کوئی مسلمان کیسے داخل رہ سکتا ہے، اور مسلمان مسلمان رہ کر ایسے نظام سیاست (کانگرس) کا زیادہ سے زیادہ صرف اس دشمن دین کے اخراج تک ساتھ دے سکتا ہے جس نے "زیستن برائے خوردن" کا سبق پڑھایا ہے،

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، کہنا یہ ہے کہ مذکورۂ بالا روایات و نصوص کی رو سے شرور و فتن کے عموم و شیوع کے زمانے میں نجات و سلامتی کی راہ یہی ہے، کہ جہان تک بن پڑے قومیات و سیاسیات وغیرہ متعدی و عمومی خدمات سے دامن کش رہے[۱] یا اپنے دین و ایمان کی خیریت و حفاظت کے ساتھ دین کی اگر کچھ متعدی خدمات کی بھی اہلیت و ہمت ہو، تو اس کی اسلم صورت یہی ہے، کہ رائج الوقت طریقوں سے دور رہ کر جو کچھ اور جہان تک اپنی ذات سے تحریراً و تقریراً یا عملاً تبلیغ و اصلاح وغیرہ کی کوئی خدمت ہو سکے اس کو انجام دے، مگر اس میں بھی قدم پھونک پھونک کر رکھے، ورنہ کسی گوشۂ عافیت ہی میں گم رہے،

---

[۱] اس بارہ میں صحابۂ کرام تک کے مذاق مختلف رہے ہیں، چند نے بیشک خلوت گزینی ہی کو ترجیح دی ہے لیکن اکثر نے نصوص قطعیہ و احکام محکمات کے ماتحت اپنی اپنی بصیرت کے موافق اجتہاد و عملی اصلاح ہی کی راہیں اختیار فرمائیں، اور خلافت عثمانی اور خلافت مرتضوی کے زمانہ کے شرور و فتن کچھ آج کل کے شرور و فتن سے کم نہ تھے (عبدالماجد)

بہت سے محدثین و محققین نے تجدید دین کی اس مشہور حدیث کو ابواب فتن ہی کے ذیل میں درج فرمایا ہے کہ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ من یجدد لھا دینھا، اس لئے کہ دین کی تجدید یا یاد دہانی کی ضرورت ایسے دینی فتنوں کے زمانے سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے، اور زمانۂ نبوت سے جتنا بعد ہوتا جاتا ہے، اتنے ہی یہ فتنے ہمہ گیر ہوتے جاتے ہیں، اور اب تو شاید ہی دین کا کوئی گوشہ ان کی گرفت سے باہر رہ گیا ہو، اس لئے حضرت **جامع المجددین** علیہ الرحمہ کی بعثت مبارکہ سے نہ صرف پوری **جامعیت** کے ساتھ دین کے تمام علمی و عملی اجزاء کی تجدید فرمائی گئی، بلکہ شرور و فتن کی ایسی ہمہ گیر و بے پناہ بارش کے دوران میں خود اپنے دین کی پناہ کے لئے عزلت و خلوت کے ساتھ ساتھ تجدید دین کی جامع و کامل متعدی خدمات کا جو نمونہ حضرت مجدد وقت نے اپنی زندگی میں چھوڑا ہے، وہ بجائے خود شرور و فتن کی روایات بالا کی روشنی میں ہر طبقہ کے خادمانِ دین کے لئے بڑا جامع و کامل اُسوہ ہے،

در کفِ جامِ شریعت در کفِ سندانِ عشق

ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اور جن حضرات نے حضرت علیہ الرحمہ کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی کچھ معتد بہ سعادت حاصل کی ہے، یا حضرت کی کتابوں کا گہرا مطالعہ فرمایا ہے، وہ جانتے ہیں کہ حضرت کا خاص رنگ و مذاق خلوت و خدمت کی جامعیت ہی کا تھا، الحمد للہ کہ اس زندگی کے پہچاننے والے حضرت کے اکابر مجازین یا خلفاء کا بھی یہی مذاق ہے کہ اپنے اپنے گوشوں میں معتکف افراد امت کے دین کو تازہ و زندہ فرماتے رہے ہیں، خود حضرت علیہ الرحمہ تو آخر حیات میں ۲۰ سال سے زائد خانقاہ امدادیہ آستانۂ اشرفیہ میں اس طرح معتکف رہے کہ سفر تک بالکلیہ ترک فرما دیا تھا، بلکہ اس کی دعا فرمائی تھی اکہ کوئی ایسا عذر لاحق ہو جائے جو زیادہ تکلف بھی نہ ہو، اور سفر سے معذوری ہو جائے، چنانچہ آنت اُترنے کا ایسا ہی عذر اللہ تعالیٰ نے پیدا فرما دیا، کہ کھانسی وغیرہ کی معمولی حرکت سے بھی اکثر اتر آتی تھی، اور پھر بردے میں لیٹ کر کپڑا اٹھا کر آنت چڑھانا اور کمانی لگانا

نی تھی، اس عذر کا اعلان فرما کر پھر دوبارہ متعلقات کے سلسلے کے علاوہ کوئی سفر نہیں فرمایا، بلکہ کسی دوسرے محلہ تک بھی تشریف نہیں لے گئے۔ (اشرف السوانح ص ۷۰ حصہ اول)

جا بجا خلوت پسندی کے اس مذاق کی ترجیح کا ایما بھی فرمایا ہے۔ خود رفتن ہی کی روایات کے پیش نظر کسی صاحب علم نے جن کی نظر ان روایات پر تھی، اپنا حال عرض کیا کہ

"خاص بات یہ ہے جو روز بروز مرکوز خاطر ہوتی چلی جاتی ہے کہ آج کل کسی مناقشہ میں خواہ دینی ہو یا دنیوی خواہ اپنی ذات سے متعلق ہو، یا اور کسی سے مطلق دخل دینے کو جی نہیں چاہتا، ہر وقت علیک بخاصۃ نفسک کا ایک نشہ سا رہتا ہے، کیونکہ دیکھتا ہوں کہ الشح مطاع اور ھوی متبع اور اعجاب کل ذی رای برائہ اور دنیا موثرہ کی گھٹا چاروں طرف محیط ہو رہی ہے۔ اس وقت یہی جی چاہتا ہے، کہ کسی طرح اپنا ایمان سلامت لے جاؤں کاش غنم متبع بھا شعف الجبال میسر آجائے، یا ایمان کے ساتھ بطن الارض میں جگہ مل جائے، بار بار لیتنی شجرۃ تعضد کا خیال آتا ہے، اور یوں تمنا ہوتی ہے کہ کوئی مجھ کو نہ جانے اور نہ میں کسی کو جانوں، اور اسی طرح جان جان آفریں کو سپرد کر دوں مگر کیا کروں ہم ناچار کو جھگڑوں سے پوری رہائی نہیں ملتی۔"

اس کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا، کہ "رہائی کی محبت بھی بحکم رہائی ہے"، دریہ مذاق خاص اس ناکارہ کا بھی ہے[۵۱]، گو اب تک کم ہمتی سے یہ نہیں ہوا، مگر اب کچھ اس کے اسباب نظر آتے ہیں، خدا کرے اس میں کوئی غائلہ نہ ہو[۵۲]" اسی طرح ایک جگہ مسائل مثنوی (تکشف ص ۳۰۶) میں خلوت وجلوت کی تحقیق میں ارشاد ہے کہ

---

[۵۱] مولانا کا مذاق خاص اپنی ذات کے لئے جو کچھ بھی ہو، بہرحال وہ مسلم لیگ میں شرکت اپنے متوسلین و متعلقین کے لئے پسند فرماتے تھے، اور لیگ کی سرکامیابی سے خوش ہوتے تھے۔ (عبد الماجد) [۵۲] تبویب تربیۃ السالک حصہ ۲۲۱

"تو افضل باب خلوت میں یہ ہے کہ جس شخص کو کوئی ضروری حاجت دینی یا دنیوی نہ دوسروں سے ہو، نہ دوسروں کی کوئی ایسی ہی حاجت اس شخص سے متعلق ہو، اس کے لئے خلوت جائز بلکہ افضل ہے خصوصًا ایام فتن وشرور میں"،

غرض خلوت تامہ اگر میسر نہ ہو تو ایسے ایام شرور وفتن میں دوسرا درجہ یہی ہو سکتا ہے کہ جہانتک ہو سکے تعلقات میں تقلیل سے کام لیا جائے، تاکہ ان شرور وفتن سے بقدر استطاعت دین کی حفاظت ہو سکے، بعض مقامات پر انہی روایات فتن کے ضمن میں خلوت گزینی کی حضرت نے اور بھی زیادہ تصریح وتاکید فرمائی ہے، افسوس غلبۂ نسیان کی وجہ سے یاد نہیں آرہے ہیں،

باقی تجدیدی واصلاحی گوناگون فرائض وخدمات کے ساتھ ساتھ عزلت اور تقلیل تعلقات کے ضدین کو جمع فرماکر خود اپنی زندگی میں حضرت جامع التجدیدین نے جس طرح دکھلادیا، وہ بجائے خود تجدیدی جامعیت کی مستقل کرامت ہے،

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

سیرۃ عائشہ

ام المومنین حضرت عائشہ رضی صدیقہ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب وفضائل واخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں، اور معترضین کے جوابات، آخر میں علامہ سیوطی کی عین الاصابہ فیما استدرکتہ السیدۃ عائشۃ علی الصحابہ بھی ہے، **قیمت:- ہیر**

ضخامت:- ۳۲۹ صفحے، طبع سوم باضافۂ حواشی،

"منیجر"

ہندوستان مین علم حدیث

(بسلسلۂ امام شوکانی)

از

مولوی ابو یحیی امام خان صاحب نوشہروی

عرصہ ہوا معارف[1] مین یہ سلسلۃ الذہب بعنوان "ہندوستان مین علم حدیث" حضرت جامع العلوم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی زید مجدہ نے بامید اجرا ثبت فرمایا تھا، ہندوستان بھر کے اصحاب نظر نے اس پر جو کچھ لکھا وہ تمام ملا کر بھی اس فرد یگانہ کے برابر نہ اتر سکا، اور ابھی تک معارف کے لبون پر کسی حریف مے مرد افگن عشق کے لئے یہ صدا مکرر باقی ہے،

اب وہ زمانہ ہے کہ ہندوستان مین لکھنے والون کی کمی نہین، مگر تحقیق علوم کے بجائے تبلیغ مسلک اور مسائل جزئیہ پر ارمان نکلتے ہین، افسوس کہ اس ترک حنیفیت کی وجہ سے اصل علم ہی دامانِ خیال یار کی طرح چھوٹا جارہا ہے، وانّ الرزیۃ کل الرزیۃ،

اور جن حلقون مین ایسی جنبہ داری کے بغیر یہ ذوق نظر آتا ہے ان مین نہ تحقیق خالص ہے، نہ فکر صحیح، بلکہ اپنے مستشرق شیوخ کی پیروی تک انکی منتہا ہے، ایسے اربابِ نظر کا ماخذ مہات کتب نہین، بلکہ نجومات ہین، جن پر یون دادِ سخن لٹتی ہے، کہ گویا اکتشاف فرمایا جارہا ہے، اور حال یہ ہے، کہ قدم قدم پر ٹھوکرین ہین،

---

[1] جلد ۲۲ (بابت ماہ اکتوبر و نومبر و دسمبر ۱۹۲۸ء)

یوں مری فردِ عمل وقفِ مئے و مے خانہ ہو
کوئی سجدہ ہے تو وہ بھی لغزشِ مستانہ ہو

ایک طبقہ ان مصوبین قانتین کا ہے، جو علوم سے آگاہ ہیں، اور مسائل مہمہ پر لکھنا چاہتے ہیں، مگر زبان قلم بمنزلۂ دلایکا دہین ہے، اُس زبان مین کم مایگی کی وجہ سے جس مین اپنا مافی الضمیر ادا کرنا ہے ورنہ "ہندوستان مین علم حدیث" پر خامہ فرسائی کے لئے یہی بوریا نشین تھے، ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا منھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللّٰہ ذلک ھو الفضل الکبیر۔

کل کا واقعہ ہے کہ دولتِ خداداد بھوپال مین تدریسًا و تصنیفًا بزم تحدیث گونج رہی ہے انہی بوریا نشینون مین سے ایک درویش صفت مردِ مومن (امیر الملک نواب والاجاہ سید صدیق حسن خانؒ) کی وجہ سے یہ نگارنگ بزم آرائیان اُسی کے جذب توجہ کا کرشمہ ہین، آیئے ذرا دیر مل بیٹھین، اور

حکایتِ قدآن یار دلنواز کنیم
باین فسانہ مگر عمر خود دراز کنیم

اللہ رے اثر توجہ! ملک بھر کے فضلاء جمع ہین، مگر سب امیر الملک کے ہم مسلک ہی نہین ہین، بلکہ ممتاز ماثل مولانا علی عباس چریاکوٹی احناف کے سرخیل ہین، فضلاے گوپاموکے ذمہ شعرائے فارسی کی حرف و حکایت ہے، روزِ روشن کا پردہ صبا[1] گوپاموی کے ہاتھون اٹھتا ہے، یہ اس مضمون پردار المصنفین صدیقی کی دوین کتاب ہے، اس مین ۱۴۱۲ شعراء کا تذکرہ ہے، شمع انجمن، نگارستان گلشن سخن، اور اختر تابان، اول الذکر کے ساتھ ملا کر خمسۂ صدیقی کہہ لیجئے، آخر الذکر صرف شاعرات پر ہے،

---

[1] مظفر حسین صبا (مولف روزِ روشن)، [2] روزِ روشن ص ۷۷۲،

شعرا میں یوسف ہیں[1] شیخ احمد شیروانی کے صاحبزادہ رفعت[2] ہیں ، سہسوانی اہلِ سخن میں سے اعجاز[3] و جمیل[4] و نکہت[5] ہیں، ذوقی[6] کاکوروی ہیں ، زہری[7] ہیں ، شہیر[8] ہیں ، اعظم[9] ہیں ، ان کا وطن خیرآباد اور مولانا عبدالحق خیرآبادی کے شاگرد ہیں ، نوش[10] (کنج منوہر لال) ہیں ،

بزم مشاعرہ ہر مہینے منعقد ہوتی ہے ، ایک مشاعرہ کی طرح

ع دہ ، و یار نشستیم کہ نتوان برخاست

تھی ، صبح گلشن میں اس کا نظارہ دیکھیے ،

"شب موعود بر وقت معہود کمر خدمت بر میان جان بستند ، بحضور محفل صفا منزل سرمایۂ سعادت اندوختند و بر زانوے ادب نشستند و چشم بر تحریک شفاء برکت گشاده دوختند طبع دراک ادا فہم بسرپرد اشتیاق منتظر آن رسید و باین غزل کرامت نشان جنبید

جذبۂ شوق گر از جانب کنعان برخاست ۔۔۔ بوے پیراہنِ یوسف ز گریبان برخاست

یہ وہی بوریا نشین میر مشاعرہ ہیں ، مقطع میں فرماتے ہیں :-

اے خوشا حال کہ نواب من از شہرتِ شعر ۔۔۔ ہمہ در ہند نشست و ز صفاہان برخاست

دوسرے شاعر کی گوہر افشانی سنیے ،

دگر آن سلسلۂ موز لف پریشان برخاست ۔۔۔ دوستان مژدہ کہ تقوی شد و ایمان برخاست

---

[1] مولوی محمد یوسف علی گوپا مئوی والد گرامی صاحب ممدوح [2] نام محمد عباس صبحِ گلشن ص ۵۵۳ ، [3] محمد عبد العزیز ، صبح گلشن ص ۶۲۲ ، [4] سید جمیل احمد : صبح گلشن ص ۶۲۲ ، [5] نکہت شاکر حسین : [6] مولوی محی الدین خان ذوقی کاکوروی صبح گلشن ص ۶۲۴ [7] منشی محمد جعفر زہری ، صبح گلشن ص ۵۵۳ [8] خان محمد خان صاحب شہیر ، صبح گلشن ص ۵۵۰ [9] مولوی محمد اعظم حسین اعظم فرزند مولوی لطف حسین خیرآبادی : صبح گلشن ص ۵۵۳ [10] صبح گلشن ، ص ۵۴۹ ،

یہ نواب زادہ ہیں (فرزند مبین) سید نور الحسن خان کلیم، مقطع سنئے،

ماچہ گوئیم کہ چون رفت زکوے تو کلیم قصہ کوتاہ بصد حسرت و ارمان برخاست

تیسرے شاعر کے سامنے شمع آتی ہے،

فتنہ شد شور و از ان چہرہ تابان برخاست پردہ شد شرم و زرخسارہ جانان برخاست

یہ افتخار الشعراء حافظ خان محمد خان شہیر ہیں، مقطع ملاحظہ ہو،

نغمہ از غزل و زمزمہ مدح شہیر ہمہ از محفل صدیق حسن خان برخاست

چوتھے شاعر مولوی محمد احسن ہیں، ۱۴ غزلیں پڑھیں، ایک کا مطلع ہے،

عرق آلودہ چون آن آفت دوران برخاست فتنہ از ہر طرفش مردم جنبان برخاست

اور مقطع ہے:

لب ہر زخم نمش گفت دعا با احسن چارہ سازم چو بسامان نمکدان برخاست

۵- مولوی محمد یوسف گوپاموی کا ایک شعر یہ ہے،

۵- نیست این زلف پریشان برخ در فروغ دود از مشعل خورشید درخشان برخاست

۶- رفعت کا سر نیاز جھکتا ہے:-

ترک خونخوار بکف تیغ سرافشان برخاست خوب شد بار سر از دوش عزیزان برخاست

زھری مقطع میں کہتا ہے:-

روح عرفی بپذیرفتنش آمد در پیش زھری چون سوے شیراز غزلخوان برخاست

اعظم کا ایک شعر سنئے،

اعتبار عجب آورد سپہر نیلی

ہست دروے کہ ز آہ دل سوزان برخاست

ایک رنگین نوا کا ترانہ ہے :-

تازآغوش من شیفتہ جانان برخاست دل زپہلو بدر افتاد وزتن جان برخاست

یہ کنج منوہر لال نوش تھے ، ان کا ایک اور شعر ہے :-

ماتمت با خرد انقش محبت بنشست فرصتت باد جنون! ابر بہاران برخاست

ایک سخن گو فرماتے ہیں :-

تو وآن غمزے کہ در فکر متاع دین است من وآن دل کہ چو گبر از سر ایمان برخاست

یہ ارشاد احمد محوی پھلتی تھے ۔

شاعر محسن[1] ہیں :-

بین کہ از کوے تو عاشق بچہ عنوان برخاست خلق نالان بدم خنجر بران برخاست

محسن کے مقطع کی تزئین ملاحظہ ہو ،

محسن این ابر گہربار کہ بینی گرویست کز در دولت صدیق حسن خان برخاست

یہ رام پور کے ایک نوجوان ہیں ، عبد الجبار خان نام اور جامی تخلص ، انھوں نے ۱۲۰۰ عدد پورے کر دیئے ،

لذت ذبح چون دریافت رگ گردن ما قاتل ما زسر نعش پشیمان برخاست

فلاکت زدہ ہیں یہ شعر اسی تاثر کا نتیجہ ہے ،

صبح امید وطن بے رخ جانان شام است عاقبت حضرت یعقوب زکنعان برخاست

میر مشاعرہ کی نگہ التفات کے منتظر ہیں ، شعر عرض ہوا ،

حبذا جذبہ آن شوق کہ جامی ز وطن جانب حضرت صدیق حسن خان برخاست

---

[1] منشی افتخار احمد محسن ، صبح گلشن ص ۵۵۵ ،

صبا کی محشر خرامی دیکھئے،

الحذر اے فلک از من کہ ترا خواہد سوخت آہ جان سوز گراز دل شرر افشان برخاست

مظفر حسین گوپاموی (مؤلف روز روشن) بھی صبا ہیں، ان کا ۱۳ واں مقام ہے،

بزم اٹھنے کو ہے اعظم (سید محمد اعظم حسین بن سید محمد زکی) نے اس پر ہی تو فرمایا،

چرخ از جور بیارام! کہ جانان برخاست فتنہ در گوشہ نشین! کافت دوران برخاست

شب سراسیمہ نشینم بخیال زلفش چون سحر خیز کہ از خواب پریشان برخاست[۵۲]

اس مشاعرہ میں ۱۴ حضرات نے اپنا اپنا کلام سنایا، اللہ رے جامعیت صدیق حسن!

ہر کہ بنشست بہ پہلوے تو شادان بنشست

چون سحر خیز کہ از خواب پریشان برخاست[۵۲]

مجلس علماء کا منظر | علماے اہلحدیث میں جس کی قسمت نے یاوری کی، وہ نورتن صدیقی میں شامل ہوا، یمنی برادران میں سے شیخ حسن محدث (م ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء) اور شیخ زین العابدین تھے (اول الذکر امیر الملک کے استاد بھی ہیں)، دوسرے صاحب قاضی مملکت (بھوپال) ان کی رحلت کے بعد یہ عہدہ شیخ محمد علی مچھلی شہری (م ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۱ء) کو تفویض ہوا، یہ ایک واسطہ سے امام شوکانی کے شاگرد ہیں، ان میں شیخ عبدالحق بنارسی (م ۱۲۲۸ھ / ۱۸۵۱ء) ہندوستان کے علماے شہیر سے ہیں، علوم حدیث پر ۲۵ کتابیں لکھیں، ان میں النعمۃ السابقہ فی تخریج حجۃ اللہ البالغہ[۵۳] ہے، یہ سب قلمی ہیں، ابھی تک ایک بھی نہیں چھپی، شیخ کے ورثاء کے پاس ہیں، مولانا شمس الحق صاحب عون المعبود (م ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء) نے بہت کوشش کی، مطبع انصاری (دہلی) عروج پر تھا، مگر ان کے اخلاف نے قاضی صاحب کے مبیضات میں سے ایک کتاب بھی نہ دی

---

۵۱ مستفاد از (تذکرہ) صبح گلشن ص ۵۲۹ تا ۵۵۲ ۵۲ تذکرہ صبح گلشن ص ۵۰۵ از غزل نواب صاحب

۵۳ تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۳۷۹،

قاضی محمد یحییٰ شہری کا تقرر | والیۂ بھوپال حضرت علیا جناب نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ ریاست کے تمام امور اپنے لائق اور فرزانہ شوہر نواب والاجاہ علیہ الرحمہ کے مشورہ سے سرانجام دیتی تھیں، قاضی القضاۃ مولانا زین العابدین انتقال فرما چکے تھے، حضرت نواب صاحب متلاشی تھے، کہ اسی تردد میں آپ نے حضرت عبداللہ صاحب غزنوی کو خواب میں دیکھا، وہ ایک شخص کی طرف اشارہ کرکے فرما رہے ہیں کہ ان کو مقرر کردو، ان کا نام محمد یحییٰ ہے، بیدار ہوئے، تو حلیہ اور نام دونوں ذہن میں محفوظ رہ گئے، اتفاق سے قاضی صاحب بھوپال پہنچے، نواب صاحب سے ملنے گئے، تو انھوں نے دیکھتے ہی فرمایا، بس یہی صورت تھی، نام پوچھا تو وہی پایا جس کی بشارت خواب میں ہوئی تھی، عہدۂ قضاۃ پیش کیا، یہ ۵ ارجمادی الاخریٰ ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء کا واقعہ ہے،

حضرت والاجاہ ان کی بہت قدر افزائی فرماتے تھے، ایک مرتبہ نواب صاحب سے عرض کیا کہ آپ نے علم حدیث کی بہت خدمت کی، مگر عربی زبان میں بلوغ المرام کی شرح محدثین کے طرز پر نہ لکھی، چند روز بعد والاجاہ نے فتح العلام شرح بلوغ المرام لکھ کر چوبدار کے ہاتھوں قاضی صاحب کے پاس بھیج دی، بستہ کھول کر دیکھا تو دل کی پژمردہ کلی کھل گئی۔

۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء میں جب حضرت والاجاہ نوابی سے معزول کر دیئے گئے، اور قوائے سلطنت میں اضمحلال آنا شروع ہوا، تو یہ نزاکت دیکھ کر قاضی صاحب نے استعفا پیش کر دیا، اس موقع پر حضرت علیا نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ[52] نے ایک لاکھ روپیہ قاضی صاحب کی خدمت میں بطور رخصتانہ پیش کیا،[53]

مولانا سلامت اللہ جیراجپوری | مولانا سلامت اللہ جیراجپوری (م ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء) اکابر اہل الحدیث سے ہیں،

---

[51] مشہور عامل بالحدیث من غیر تقلید مہاجر از غزنی و مقیم امرتسر (م ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء) (مولانا محمد داؤد صاحب غزنوی کے جد بزرگوار) سلسلۂ ہندوستان میں علم حدیث پر آپ کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے۔ فصل من مذکور

[52] م ۱۳۱۹ھ / ۱۹۰۱ء

[53] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۲۶۳ تا ۲۰۰

سے بھی، کتب درسیہ کا زیادہ حصہ مفتی صاحب فرنگی محلی سے پڑھا، پھر دہلی جا کر حضرت میاں صاحب سے حدیث کی تکمیل کی، اس کے بعد نہایت انہماک کے ساتھ توحید کی اشاعت اور تبلیغ کرنے لگے، ....

ایک زمانہ تک بنارس میں قیام رہا، اور وہاں علوم حدیث و تفسیر کی کتابوں کا درس دیتے رہے، پھر نواب صدیق حسن خان صاحب نے آپ کو بھوپال میں بلایا، اور مدرسہ و تعفیہ کا مہتمم مقرر کر دیا، شاہجہان بیگم والیۂ بھوپال آپ کا بہت احترام کرتی تھیں، اُن کے عہد میں بھوپال کے واعظ شہر آپ ہی تھے، کوئی عالم مسجد جامع میں آپ کی اجازت کے بغیر وعظ نہیں کہہ سکتا تھا، اس کے معاوضہ کے لئے بیگم صاحبہ موصوفہ نے کئی بار کہا، مگر آپ نے قبول نہ فرمایا،

آپ کے تلامذہ اساتذہ بنتے گئے، مثلاً مولانا حفیظ اللہ صاحب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، آخر عمر میں مولانا سلامت اللہ کا منصب ریاست بھوپال کی طرف سے مقرر ہو گیا تھا، وہیں جسد عنصری سے روح کا انفصال ہوا[۱]،

مولانا محمد بشیر سہسوانی | تیسرے اہلِ حدیث عالم مولوی محمد بشیر سہسوانی (م ۱۳۲۶ھ ۱۹۰۸ء) ہیں، وہ سربرآوردگان روزگار میں تھے، سرکار عالیہ اور جناب والاجاہ حضرت نواب صاحب نے بارادت دلی آپ کا اعزاز واحترام کیا، اور مدارس ریاست کی افسری کا عہدہ تفویض ہوا، یہ ۵ محرم ۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء کا واقعہ ہے،

بھوپال کے زمانۂ قیام میں حدیث و تفسیر کا درس جاری تھا، اور مسائل مستفتی بہا پر مجتہدانہ انداز سے افتاء لکھے جاتے تھے، اعزا و اقارب پر الطافِ کریمانہ کی بارش رکھتے تھے، الغرض جس طرح آگرہ سے اس علم کی مہک بھوپال تک پہنچی تھی، اسی طرح بھوپال سے یہ مشام جان تمام اکناف ہند میں پھیل گئی،

موصوف کے زمانہ قیام (بھوپال) میں حضرت نواب صاحب اور مولانا عبد الحئی مرحوم لکھنوی کا وہ مشہور تاریخی (تحریری) مناظرہ شروع ہو گیا تھا جس میں طرفین نے متعدد رسائل لکھے[۲]، اسی اثناء

---

[۱] تراجم علمائے حدیث ہند ج اص ۲۹۳ تا ۳۰۰ [۲] مولانا ان کتابوں پر اپنا نام ثبت فرماتے تھے مگر نواب صاحب دوسروں کا

میں مولانا لکھنوی نے ابراز الغی میں کہیں یہ خیال ظاہر فرمایا، کہ نواب صاحب کے پردہ میں مولانا بشیر لکھتے ہیں[1]
اس پر مولانا موصوف نے بسعی کمال علامہ معترض کے اس الزام کو رفع کیا، اور ہر دو اصحاب کی صلح
سے گویا قران السعدین کرانے کی سعادت حاصل کی،

بھوپال میں حقوق راعی و رعایا پر بڑی خوبی سے ترغیب و ترہیب فرماتے تھے، اور احکام الٰہی
کے سامنے کسی کے شخصی احترام کو خاطر میں نہ لاتے تھے،

الغرض اسی طرح حضرت نواب صاحب کے سایۂ الطاف و اکرام میں ۲۰ سال گذارے، کہ
خلد آشیاں نے ۱۳۰۷ھ کو رحلت فرمائی، جس سے اہلِ علم کے حلقہ میں عام مایوسی پیدا ہونے لگی، اس لئے
مولانا موصوف بھی دل برداشتہ ہو گئے، مگر حضرت علیا نواب شاہ جہان بیگم صاحبہ نے انھیں بھوپال
سے کسی طرح جانے نہ دیا،[2]

والاجاہ کے زمانہ کا ایک واقعہ ذکر کے لائق ہے کہ ایک مرتبہ والاجاہ شہ نشین پر رونق فرما تھے،
اور حاشیہ میں حضرات علماے عظام کے ساتھ مولانا محمد بشیر بھی تشریف فرما تھے، کوئی رسالہ مکمل کر کے
لائے تھے، اور اس کو والاجاہ کی خدمت میں پیش کیا تھا، والاجاہ نے ملاحظہ کے بعد فرمایا. مولوی
صاحب! ایک التجا ہے، مولانا نے کہا ارشاد! فرمایا، یہ رسالہ مجھے اس قدر پسند آیا ہے، کہ جس کی وجہ
سے جناب تھوڑی دیر کے لئے میری جگہ شہ نشین پر تشریف فرمائیے، میں آپ کی جگہ پر آ بیٹھوں، مولوی صاحب
نے فرمایا، سرکار! ہم لوگ آپ کے نمک خوار اور ممنون احسانات ہیں، یہ جرأت کیونکر ہو سکتی ہے،
فرمایا! یہ میری درخواست ہے، ضرور قبول فرمائیے تعمیل ارشاد ہوئی، نواب والاجاہ شہ نشین
سے ہٹ کر حاشیہ میں آ بیٹھے، اور مولانا شہ نشین پر جلوہ بار ہوئے، اور اس دن کی نشست اسی طور پر رہی[3]

---

[1] شاید مولانا کا یہ خیال مناظرانہ کتب پر نہ تھا، بلکہ کتب مہمات پر تھا [2] تراجم علماے حدیث ہند جلد ۱ ص ۲۵۱ و ۲۵۲

[3] یہ واقعہ راقم السطور سے مولانا احمد اللہ مرحوم شیخ الحدیث دار الحدیث رحمانیہ دہلی نے بیان فرمایا،

مولانا محمد اسمٰعیل علی گڑھی | علمائے اہل حدیث میں سے جو حضرت بھوپال میں قیام فرما تھے ان میں ا

مولانا محمد اسمٰعیل علی گڑھی (م ۱۳۲۳ھ ۱۹۰۴ء) ہیں، یہ بھی علمائے فحول میں سے تھے،

علی گڈھ میں مولانا شاہ عبد الجلیل شہید علیہ الرحمۃ اکابر علما میں سے گذرے ہیں، علوم ظاہر

ساتھ فیوض باطن سے بھی متمتع تھے، معقولات میں مولانا بزرگ علی مارہروی کے شاگرد اور حدیث و فقہ

شاہ محمد اسحاق دہلوی سے مستفیض تھے، اور خلافت حضرت سید احمد بریلوی نے عطا فرمائی تھی، جا

علی گڈھ کی امامت تفویض تھی، کہ اس وقت کے معیار کے مطابق یہ سب سے بڑا منصب تھا، اس پر

کی جنگ آزادی کی علم برداری نصیب ہوئی، میدان وغا میں اترے، جہاد کیا، یہ جنگ سونہال

باغ (جو پختہ سڑک آگرہ کو گئی ہے) پر ہوئی، جس میں فائز بہ شہادت ہوئے، مسلمانان علی گڑھ نے آپ

کی نعش مبارک آپ کے دوسرے ہمراہیوں کی لاشوں کے ساتھ جامع مسجد میں دفن کی، یہ حظیرہ

(القدس) جامع مسجد کے شمالی دروازہ سے اندر جاتے ہوئے ملتا ہے، سال شہادت ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۷ء ہے

صاحب ترجمہ مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم آپ ہی کے خلف الصدق تھے،[۱] اور اپنے پدر بزرگوار سے علوم و

میں پائے، اور علوم کی خدمت انجام دیتے رہے، اُن کے تبحر علمی کی دھوم بھوپال پہنچی، تو نواب صاحب

قاضی شہر کا عہدہ پیش کیا، مگر موصوف کو اپنے قدیم کرمفرما نواب محمد خان (چھتاری) کی مفار

گوارا نہ ہوئی، اس کے کچھ دنوں کے بعد نواب صاحب آگرہ تشریف لے گئے، تو مولانا موصوف ملنے

گئے، حاضری میں قدرے تعویق ہوئی تھی، اس لئے معذرت کے طور پر کہا

"قدمبوسی کا تو غیر معمولی اشتیاق تھا، مگر دربان کی احتیاط سے قدرے تاخیر ہو گئی"

نواب صاحب نے فرمایا:-

"در درویش را دربان نباید"

---

[۱] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۲۲۳ بضمن ترجمہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب علی گڑھی)

مولانا نے جواباً فرمایا:-

"بباید تا سگِ دنیا نیاید"

اس پہلی ملاقات کا حضرت خلد آشیان پر خوشگوار اثر پڑا اس کے بعد نواب صاحب سے شرفِ مکاتبت حاصل رہا، اپنی تصانیف دربار عالی میں پیش کین اور خلد آشیان نے ایک سو روپیہ ماہوار وظیفہ تاحیات جاری فرما دیا،[51]

حفاظ صحاح | حضرت والاجاہ نے جس طرح قرآن پاک حفظ کیا جاتا ہے، اسی طرح کتب احادیث صحاح ستہ و مشکوٰۃ مشتمول بلوغ المرام کے حفظ کا اعلان فرمایا، ہر ایک کتاب پر انعامی رقم کی تعیین فرمائی، راقم الحروف کو اس سلسلہ کے دو حضرات سے شرفِ نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا یعنی ایک مولوی حافظ عبدالوہاب نابینا دہلوی[52] (م ۱۳۵۱ھ) اور دوسرے مولوی عبدالتواب غزنوی علی گڑھی[53] (جو بحمد اللہ بقید حیات موجود ہیں،) ان دونوں کے مواعظ میں راقم نے سرود حدیث کا ایسا سمان دیکھا کہ:- ع

جو دل میں نہاں ہے وہ بیاں ہو نہیں سکتا

فمنهم من قصصنا عليك ومنهم من لم نقصص عليك

امام شوکانی اور نواب والاجاہ مرحوم | یہ نواب والاجاہ مرحوم کی ریاست کے فیضان کا ذکر تھا، خود نواب والاجاہ نسباً سید الحسینی تھے، مسلک عمل بالحدیث من غیر تقلید تھا، اور ان محاسن کی وجہ سے ہند و بیرونِ ہند کے تمام اہلحدیث کے سرخیل ہیں، نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام میں امام شوکانی (محمد بن علی ابن محمد بن عبداللہ (م ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء) کے معرف ہونے کا فخر موصوف ہی کو حاصل ہے، کہ جو کچھ ملا، اسی

---

[51] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۲۲۰، [52] تراجم علمائے حدیث (بضمن ترجمہ علمائے دہلی) جلد ۱ ص،
[53] تراجم علمائے حدیث ہند ج ۱ ص ۲۳۲، بضمن ترجمہ علمائے علی گڈھ

کی نسبت اجازہ وطرز استدلال وخزائنِ کتب کے مطالعہ سے ملا، امام شوکانی کے ترجمہ کے ضمن میں فرماتے ہیں :-

"واز محاسن اتفاقات آنست کہ درحال تحریر این کتاب در ماہ ربیع الاول ۱۲۹۸ھ ۱۸۸۰ء شبے کہ صبح آن تاریخ ششم از ماہ مذکور بود، حضرت ایشان را در خواب دیدم وشرح منتقیٰ را درحالتے کہ کتاب در دست من است بر ایشان قرآت کردم وبلا واسطہ اجازت حاصل نمودم وتا دیر گاہ سخن درمیان رفت"

وہکذا پیش ازین بدو سہ سال درمنام دیدم کہ ایشان تشریف آوردہ اند وبر مؤلفات من ثنا نمودہ وعزیزے دیگر درخواب دیدہ کہ دختران ایشان بخانۂ من ازین قدوم آوردہ اند تعبیر رفت"!

"کہ مراد بآمدن ایشان ..... دمولفات محرر سطور در ہر پیرایۂ عربی وعجمی وشیوع یافتن آن بتوسط این عاجز در امصار وبلدان دور ونزدیک شرقاً وغرباً ودیناً ودنیاً ولله الحمد"

اسی نسبت نے اُن کی زبان قلم سے قاضی شوکانی کا فسانہ اطراف عالم میں سنایا،

رسید مژدہ کہ آمد بہار وسبزہ دمید وظیفہ گر برسد مصرفش گلست ونبید

شیخ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں ۔

"ومصنفات مطولات ومختصرات تالیف نمود اسماے بعضے ازان در اتحاف ذابجدالعلوم وجز آن در ترجمۂ شریفش نوشتہ ایم ازان جملہ شرح منتقی ست در ہشت مجلد کہ درین نزدیکی سنہ ۱۲۹۰ھ ہجری بہ بذل ہمت رئیسہ معظمہ صاحب قران تاج ہند نواب شاہ جہان بیگم والیہ حوزۂ بھوپال محمیہ در مصر قاہرہ بمطبع بولاق ہزار نسخہ ازان بصرف بست وپنج ہزار مبلغ

له تاج المکلل من جواہر مآثر الآخر والاول للنواب ص ۳۱۰،

(۲۵- ہزار) مطبوع شدہ "

" و بر حاشیہ آن عون الباری لحل ادلۃ البخاری ست از افادات تلامذۂ اویعنی این جانے فانی عفا اللہ عنہ "

" و از ان جملہ تفسیر فتح القدیر و سیل جرار و بل الغمام است و ہمہ مؤلفاتش مقبول و مرغوب فیہا و معشوق علماے سنت است در بدر طائع بذکر بعض مصنفات و حقائق آن پرداختہ و نام ارشاد الفحول در اصول فقہ بردہ و گفتہ و ہو الآن فی عملہ اعانہ اللہ علی تمامہ ثم تم بعد ذلک فی مجلد و این کتاب را مختصر یست از کاتب حروف حصول المامول نام کہ اولاً در ہند و ثانیاً در قسطنطنیہ طبع شدہ و بجمیع اقطار عرض پریدہ و سرمایۂ اہل اتباع گردیدہ "

" بعدہ گفتہ و قد جمع من رسائلہ ثلثہ مجلدات کبار ثم لحق بعد ذلک قدر مجلد و سمی المجمع الفتح الربانی فی فتاوی محمد الشوکانی و جمیع ذلک رسائل مستقلۃ و ابحاث مطولۃ و اما الفتاوی المختصرہ فلا تنحصر ابداً و این کتاب نزد این بندہ شرمندہ موجود ست و از ان در دیل الطالب و جز آن انتفاع کثیر بدست آوردہ و ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم "

" قال و ہو الآن یشتغل بتصنیف الحاشیۃ علی الازہار و سماہا السیل الجرار و ہی مشتملۃ علی تقریر ما دل علیہ الدلیل و دفع ما خالفہ و التعرض لما ینبغی التعرض لہ و الاعتراض علیہ من شرح الجلال و حاشیۃ و ہذا الکتاب ان اعان اللہ علی تمامہ فسیعرف قدرہ من یعترف بالفضائل ولا یجحد ما وہب اللہ لعبادہ من الخیر قال ثم ہذا الکتاب بمعونۃ اللہ تعالیٰ[1] "

فتح البیان اور فتح القدیر کا ماخذ | فتح القدیر (شوکانی) کے طبع ہو جانے کے بعد والا جاہ کے

---

[1] اتاج المکلل .... ۶ ، ۳۰۷ ، ۳۰

خلاف معاندین نے وساوس سے کام لینا شروع کر دیا تھا، مگر ایک فتح البیان ہی پر کیا موقوف ہے منکرین والا جاہی نے تو بہت ہی کچھ کہا ان کی بیشتر تالیفات پر کہا، کہنے والوں میں وہ راسخون فی العلم بھی تھے، (اور ابھی تک اُن کے بقیۃ السلف باقی ہیں،) جو اردو بھی صرف اس لئے جانتے ہیں، کہ یہ ان کی مادری زبان ہے، ورنہ فارسی سے بیگانہ اور عربی میں اب تک قرآن مجید بھی اُن کے لئے معمّا، اور پھر:- ع

اس پہ سمجھے ہیں کہ ہم در دجگر دیکھیں گے

آپ نے حصول المامول (للنواب) کا ماخذ اور پڑھ لیا یہ السیل الجرار ہے ملاحظہ فرمائیے:-

"گویم درین نزدیکی کتاب سیل جرار را در پارسی زبان اختصار و ترجمہ نمودہ ام و نامش بدور الاہلہ من ربط المسائل بالادلہ نہادہ درین ولا از قالب طبع برآمدہ است کتابے در فقہ سُنت و مرجحات احکام بسے نادر و غریب افادہ نفع اللہ بہ المسلمین المتبعین"[۱]

اور فتح القدیر کے متعلق تو ارشاد ہے:-

"وہو الآن یجمع تفسیر الکتاب اللہ جامعاً بین الدرایۃ والروایۃ ویرجوا للہ ان یعینہ علی تمامہ بمنہ وفضلہ"

" ثم من اللہ ولہ الحمد بتمامہ فی اربعۃ مجلدات کبار"

"واین تفسیر را جامع این اوراق اوّلاً اختصار کرد پستر بر آن از دیگر تفاسیر معتبرہ چیزہا افزودہ تا آنکہ کتابے مستقلاً گردید و مسمّی شد بفتح البیان فی مقاصد القرآن"

"ودر طبع و اشاعت آن بست ہزار سکہ کلدار تقریباً صرف افتادہ نزدیک است کہ از قالب مطبع جوائب بار دیگر جلوہ افروز شدہ باللہ التوفیق"[۱]

---

[۱] التاج المکلل ..... حاشیہ ص ۵۲۵ ۵۶ رر ..... ص ۳۰۰،

یہ جلیل المنزلت مصنف کس تفصیل سے اپنے مصنفات کا ماخذ بتا رہا ہے، معترضین نے امام شوکانی
کا نام سن لیا، ان کی تصانیف میں فتح القدیر کا ذکر پڑھ لیا، یہ جانتے تھے، کہ نواب صاحب شوکانی کے
مسترشد ہیں، بات بن جائے گی، فرما دیا کہ فتح القدیر ہی کو فتح البیان کے نام سے چھپوا دیا، اور ہندوستان
کے عاملین بالسنۃ پر ایسا الزام کونسی بڑی بات ہے،

اعتراضات کی ایک نوعیت یہ بھی ہو کہ امیر الملک کی بعض تحریروں پر مسلک اہل حدیث کے
خلاف ہونے میں اعتراض ہے، جیسا کہ اخبار اہل حدیث (امرتسر ۱۲ و ۲۶، اپریل ۱۹۲۶ء) میں ایک مضمون
چھپا ہے، افسوس یہ ہے کہ محبین کی نظر بھی تصانیف والاجاہی کے غوامض پر نہیں، اس لئے جب بھی ان
پر کسی تقلیدی تحریر کی وجہ سے نقص ہوتا ہے، تو نواب صاحب کے یہ نادان دوست آپ کی تحریروں
کی ذمہ داری سے بیگانہ وشی برتنے لگتے ہیں، آخر تو "قول قدیم"، و "قول جدید"، یا "رجوع" مصطلحات دین میں
ہیں، جن کے کچھ نہ کچھ مفہوم و مصداق ہیں، کتاب اللہ میں ۲۰۰ سو آیات منسوخ نہ سہی، صرف ۴، آیتیں سہی،
یا بقول بعض[۱] الناس عہد حال ایک بھی منسوخ نہ سہی، مگر اصول نسخ کی تنسیخ اس وقت تک نہ ہو سکے گی،
جب تک قرآن مجید انہی آیات و الفاظ و ترتیب بیان کا مرقع ہے جس میں مرقوم ہے ما ننسخ من
آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علی کل شیئ قدیر گویا
منسوخات یا قول قدیم کے متعلق والاجاہ فرماتے ہیں، یعنی عمر کے ۱۰ ویں سال سے تصنیف شروع ہوئی

(۱) "و ہیجدہ سالہ بلکہ کمتر ازان بودم کہ شوق تالیف و تحریر تراجم دامن گیر دل شد، تا آنکہ
مؤلفات بسیار، در ہر سہ زبان فرس و اردو و تازی بہم رسید و اکثرے ازان در ہمان زمان
تالیف در کانپور و دہلی وغیرہما، مطبوع گردید"

عمر پختہ ہوئی، تجربہ بڑھا، مطالعہ وسیع ہوا، اب پہلا لکھا ہوا اپنی ہی نظر میں تقویم پارینہ بن گیا یعنی

---

[۱] امیر المومنین، از فرق احمدیہ قادیانیہ!

۲۔ "اما بعد از آن کہ عبور بر دواوین سنت و صحف فقہ حدیث و کتب علوم اطبا و حکومت ساختہ و پرداختہ پیشین چون تقویم پارین بنظر آمد، پس مقدار کثیرے را از آن مولفات از دائرہ اعتبار بیرون انداختہ شد، زیرا کہ بر ہنجار اہل تقلید بود و طریقہ حنفیہ داشت در تحریر "فروع"

یہ تو ایسی تصانیف ہیں کہ اوائل عہد میں مدون فرمائیں، وہ مذاق قوم کے مطابق تھیں" اور بلوغ علم کے بعد؟ یعنی

۳۔ "واکنون بعون اللہ تعالیٰ و حسن توفیقہ، انچہ بقلم می آید، و تالیف و تصنیف می یابد ہمہ معتمد بر دلیل و طرح تقلید ست و رائحہ از تفریعات راے و تخریجات اہل راے ندارد نخبۃ النخبہ حقائق محررہ ائمہ اعلام ست......"[۵]

امام شوکانی کا کچھ اور ذکر خیر | نواب والاجاہ مرحوم تاج مکلل میں فرماتے ہیں :۔

"گویم و برکت وی رضی اللہ عنہ در بعض تلامذہ او نیز سرایت کرد، تا آنکہ مولفات او در لسان عجم و عرب و در فنون دین و علم ادب و مصنفات مطولہ و مختصرہ او در معارف کتاب و مدارک سنت عالمگیر شد و اقطار گیتی را از شرق و غرب و یمین و شمال فرا گرفت و دلہائے اہل علم از جمیع امصار بعیدہ و اقطار دور دست بسوے او متوجہ گردید و مصنفین عصر مولفات خود را نزد وای رسانند و از وے اجازت می ستانند و جریان کتابت می خواہند چنانکہ درین سال سید علامہ خیر الدین نعمان الوسی زادہ مفتی دار السلام بغداد کتاب جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین فرستاد و فقیہ فاہم شہاب الدین بن بہاء الدین مرجانی حنفی قزانی ہم مولف خود اہدا کرد، یکے منتخب الوفیہ در ضبط تواریخ، و وفیات اکابر علمائے امت از عہد نبوت تا زمان والد خود و کتاب فوائد مہمہ و موائد متمہ در علم قرآن و رسم مصاحف عثمان

---

[۵] از نمبر ۱ تا نمبر ۳ مقتبس ہے تاج مکلل... ص ۹۔۳ سے

"وکتاب حق المعرفة وحسن الادراک بما یلزم فی وجوب الفطر والامساک وابن ہر سہ نسخہ

در بلدۂ قزان در ۱۲۹۵ء طبع شد"

"و شیخ علامہ برہان الدین بلغاری کتاب ناظورۃ الحق را اتحاف فرمودہ الی غیر ذلک"

"واما مکاتیب علماے اقطار صنعا وما ئن بینیہ و فضلاے حرمین شریفین ومصر و قدس

شام وبیروت وتونس، واستامبول وجزائر وجز آن پس در حصر نگنجد تا آنکہ مجموعے کبیر از ان

مجتمع شدہ"[1]

نواب صاحب کی زبان قلم سے امام شوکانی کا یہ سراپا کہان تک سنایا جائے، اب وہ!

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا

بن گیا رقیب آخر تھا جو مہربان اپنا (باقی)

---

[1] تاج مکلل ص ۲۰۰، ۴۰۰، ۱۳۰

حیاتِ شبلی

(حصہ اوّل)

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحعمری ہی نہین، بلکہ اُن کی وفات ۱۹۱۴ء تک ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی سیاسی علمی تعلیمی، ادبی اصلاحی اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصل اور دلچسپ تاریخ بھی ہے، شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت اس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامۂ شبلی مرحوم کی علمی خدمت پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبۂ آگرہ واودھ کے مسلمانون کی علمی وتعلیمی تاریخ تو بڑی تلاش وجستجو سے مرتب کیا گیا ہے ..... ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ ۸۲۰ صفحے، قیمت غیر مجلد ؎ مجلد ؎ "منیجر"

اسلامی نظریۂ سیاست

جناب محمد حمید زمان صاحب صدیقی پٹھان کوٹ

(۵)

اسلامی نظریۂ اجتماع سیاست کی عملی حیثیت، گذشتہ مباحث مین اسلامی نظریۂ سیاست پر محض اصولی اور نظریاتی حیثیت سے گفتگو کی گئی تھی، اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ سیاسی نظریہ محض فکر و ذہن تک ہی محدود ہے، یا اس مین ایک عملی حقیقت بننے کی صلاحیت بھی موجود ہے، کیونکہ محض نظری حیثیت سے کوئی حیاتیاتی نظریہ خواہ کتنا ہی خوبصورت اور دلفریب کیون نہ ہو، جب تک وہ حیاتِ انسانی مین خاص قسم کی تبدیلی پیدا کرکے اس کو اپنے منشار کے مطابق چلانے پر قادر نہ ہو کسی توجہ اور التفات کا مستحق نہین،

عالم انسانی مین ہر چیز کا وجود اسباب و علل اور محرکات و دواعی کے وجود پر موقوف ہے، جب تک علت وجود اپنے تمام لوازم کے ساتھ وجود مین نہ آجائے، اس چیز کا عالم وجود مین آنا ممکن نہین، اس بنا پر کسی نظامِ حکومت اور فلسفۂ اجتماع کو بروے کار لانے کے لئے ضروری ہے، کہ جس خطۂ ارضی مین اس کو نافذ کرنا چاہتے ہین، وہان کے انسانون کے قلوب و اذہان مین ایک ایسی تبدیلی ہو جانی چاہئے، جو اس نظریۂ حیات سے مناسبت رکھتی ہو،

جب زمین مین غلہ پیدا کرنے کی صلاحیت ہی مفقود ہو تو اس مین کسی چیز کی کاشت کرنا اور اس سے ثمرات و نتائج کی امید رکھنا عبث ہے، اسی لئے سب سے پہلے نا قابل کاشت زمین کو گھا

ہوں خود رو جڑی بوٹیوں خار دار جھاڑیوں اور ہر اس چیز سے پاک کرنا ضروری ہو جو عمل زراعت اور اس کے نتائج کے لئے مانع اور نقصان رساں ہو سکتی ہے، اس کے بعد کھاد اور پانی وغیرہ کے ذریعہ اس کی قوت واستعداد کو اپنے منشا کے مطابق بنانے کی سعی کرنا ہوگی، ان مراحل کے بعد فصل کی کاشت سے مفید اور کارآمد نتائج کی توقع کی جا سکے گی،

اسی طرح انسانوں کو اگر کسی خاص شاہراہ عمل پر لانا مقصود ہے تو سب سے پہلے ان کے قلوب و اذہان کی زمین کو ناموافق تصورات کی آلایشوں سے پاک، اور پھر مخصوص نظام تعلیم و تربیت کے ذریعہ ان کے قوائے فہم و ادراک میں تبدیلی پیدا کرنی ہوگی، اس کے بعد جو عملی نظام ان کے سامنے رکھا جائے گا، وہ اس کو بخوشی قبول کرنے پر آمادہ ہو سکیں گے، پہلے عمل کو تطہیر فکر اور دوسرے کو تعمیر فکر سے تعبیر کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے دلوں کو پاک کرتے ہیں، اور ان کو کتاب حکمت کی تعلیم دیتے ہیں،

قرآن حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض رسالت میں سے تزکیہ قلوب اور تطہیر فکر کو پہلے درجہ میں رکھا ہے، اور تعلیم و تربیت یعنی تعمیر فکر کو دوسرے درجہ میں اور تعمیر فکر کے لئے کتاب اللہ اور حکمت یعنی علم سنت[۱] کو بطور نصاب مقرر کیا ہے،

---

[۱] معارف:۔ یہ صحیح ہے کہ حکمۃ کے معنی بعض روایتوں میں سنت کے آئے ہیں، لیکن حکمۃ کے مفہوم کو صرف علوم سنت میں محدود کرنا، اور اس پر کسی نظریہ کی مستقل بنا قائم کرنا بھی محل نظر ہے، بعضوں نے اس کی تفسیر "العقل فی الدین" سے کی ہے، اور بعض ارباب علم نے "الکتاب" سے مراد، احکام قانونی اور "الحکمۃ" سے احکام اخلاقی کو لیا ہے، سورہ بقرہ رکوع ۱۵، ۳۰، اور خصوصاً بنی اسرائیل رکوع ۳ و ۴ میں

"حکمت" کی تفسیر علوم سنت سے کی گئی ہے، اس لئے کہ یہ قرآنی اصطلاح ہے، اور قرآن کریم میں یہ لفظ صرف ان قطعی محکم اور یقینی علوم کے لئے استعمال ہوا ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے توسط سے انسانوں کو حاصل ہوتے ہیں،

یعنی "حکمت" انبیاء علیہم السلام کے طریق سنت اور منہاج نبوت کا دوسرا نام ہے، فلاسفہ و متکلمین نے حکمت کے لفظ میں گو توسیع کر لی ہے، اور انسانی علوم و فنون مثلاً فلسفہ یعنی مابعد الطبیعات اور فلسفہ طب بھی اس کا اطلاق کرتے ہیں، مگر یہ علوم تغیر پذیر ہیں، اور ان میں ترمیم اور قطع و برید ہوتی رہتی ہے، اس لئے ان پر حکمت کا اطلاق نہ صرف قرآن کے منشار کے خلاف ہے بلکہ لغوی اعتبار سے بھی غیر موزون ہے، اسلام میں کتاب اللہ کے بعد انسانوں کے پاس اگر کوئی سرمایۂ ایمان و یقین ہے، تو فقط علم نبوت ہے، اس کے ماسوا جو کچھ بھی ہے، وہ محض ظنی اور تخمینی ہے، جو ہرگز انسان کے لئے وجہ کمال نہیں ہو سکتا،

محرم نہیں فطرت کے سرود ازلی سے ‏ ‏ بینائے کواکب ہون کہ دانائے نباتات

غرض یہی وہ طرز تعلیم اور طریق ارشاد ہے، جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے، اور دنیا میں جتنے بھی انبیاء علیہم السلام وقتاً فوقتاً آتے رہے ہیں، وہ اسی طریق رشد و ہدایت کے پابند رہے، قرآن حکیم میں غور و فکر کرنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، کہ رسالت آب صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ سالہ مکی زندگی میں اپنی تمام تبلیغی کوششوں کو تطہیر فکر ہی پر مرکوز رکھا، یہی وجہ ہے، کہ مکہ معظمہ میں جس قدر قرآنی سورتیں نازل ہوئیں، ان میں سب سے زیادہ تزکیۂ قلوب پر زور دیا گیا ہے، اور دہ سالہ مدنی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۷) جو چند اخلاقی احکام بیان کئے گئے ہیں، اُن کے آخر میں ارشاد ہے،

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ، ‏ ‏ یہ باتیں اس حکمت میں کی ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے تمھاری طرف وحی کے ذریعہ بھیجی ہیں،

"س"

گی میں آپ نے تعمیرِ ملت کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا، اسی بنا پر مدنی سورتوں میں بالعموم
لی، عمرانی، معاشی اور سیاسی مسائل بیان کئے گئے ہیں، اور اس طرح ۲۳ سالہ دورِ حیات میں
لیے اسلام کے فلسفۂ فکر و عمل کی تکمیل کی،

ان حقائق کے پیشِ نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی جدید نظامِ فکر و عمل کو بروئے کار لانے کیلئے
سب سے پہلے انسانوں کے رجحانِ طبیعت اور اندازِ فکر میں انقلاب پیدا ہونا ضروری ہے تاکہ مطلوبہ
نظامِ حیات کے لئے سازگار ہو جائے، یہ ضروری مرحلے طے کرنے سے پہلے نظامِ سیاست تو بالجبر
ن کے سر منڈھا جا سکتا ہے لیکن ان کے دلوں میں نہیں اتارا جا سکتا، اور تاوقتیکہ دلوں میں اس
لی عقیدت و محبت کارفرما نہ ہو، زیادہ دیر تک اس کا قائم رکھنا دشوار ہے،

یہ بات بھی ناقابلِ انکار ہے کہ تطہیرِ فکر اور تعمیرِ فکر کا کام کوئی معمولی کام نہیں بلکہ مشکل سے
بھی مشکل تر ہے، کیونکہ انسانوں کے قلب و دماغ جن عقائد و تصورات سے مانوس ہو جاتے ہیں، اور
جو خیالات نسلاً بعد نسلٍ وراثت کے طور پر ان میں منتقل ہوتے چلے آتے ہیں، وہ سوسائٹی کے خمیر
میں داخل ہو کر فطرتِ ثانیہ بن جاتے ہیں، اب ان خیالات کی جگہ دوسرے خیالات پیدا کرنے کے
سالہا سال انتھک اور لگاتار جد و جہد کی ضرورت ہے، یا نبی کی مقدس شخصیت اپنی معجزانہ قوت سے
صدیوں کا کام چند دنوں میں ہی انجام دیدے لیکن سوائے نبی کے اور کسی کے بس کی بات نہیں، کہ وہ
چند سالوں میں حیاتِ انسانی میں انقلابِ عظیم پیدا کر کے ان کی کایا پلٹ کے رکھدے،

واقعات کی روشنی میں بھی یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ انسانوں کے فکر و ذہن میں تبدیلی پیدا
کرنے کے لئے بہت بڑی مدت اور کاوش کی ضرورت ہے، آج دنیا کی اقوام سیاست و تمدن کے
جس موقف پر پہنچ چکی ہیں، وہ اگرچہ افادی حیثیت سے دورِ سابق سے کچھ مختلف ہیں، پھر بھی اس تک
پہنچنے کے لئے ان کو سالہا سال کی لگاتار اور مسلسل کوشش سے دوچار ہونا پڑا ہے، اور ابھی روزِ اوّل

کا معاملہ درپیش ہے،

رست از یک بند تا افتا د در بند دگر

اس لئے یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمہوریت و مساوات کے بلند بانگ دعاوی کی تکمیل کے لئے ابھی ایک زمانہ درکار ہے، کیونکہ اب تک اُن کی ذہنیتین اس سطح پر نہین پہنچ سکی ہین، جہان سے بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود اور ہمدردی و مساوات کے اصلی سرچشمے نکلتے ہین، ظاہر ہے کہ جب اتنی مسلسل جد وجہد کے بعد بھی اقوامِ حاضرہ اپنے ہی مجوزہ نصب العین تک نہین پہنچ سکین، حالانکہ جس نظام کو ان کی عقل نے ترتیب دیا ہے وہ کسی حد تک ان کی ذہنی صلاحیتون ہی کا نتیجہ ہے، تو کسی ایسے نظامِ حیات کو قبول کرنے کے لئے وہ کیسے آمادہ ہو سکین گی، جو ابتک ان کے معیارِ عقل سے ورار الوری ہے، یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے، کہ انسان ہر ایسی چیز کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے جس سے اس کو طبعی لگاؤ ہوتا ہے، اس کے مقابلہ مین ایسی چیز کے قبول کرنے مین وہ زیادہ دقت محسوس کرتا ہے جو اس کے عقائد و تصورات سے بالکل مختلف ہو،

دراصل دنیاے انسانیت اس نظامِ فطرت سے جس قدر دور جا چکی ہے اُسی قدر اب اسے اُس کے قریب لانے مین وقت اور محنت کی ضرورت ہے، اور جس قدر انسانی قلوب مین صالح تبدیلی پیدا ہوتی جاے گی، اسی قدر اسلامی نظامِ سیاست و اجتماع کے نفاذ و اجرار کا وقت بھی قریب آتا جاے گا،

اس مین شک نہین کہ زمانہ دھیمی رفتار کے ساتھ خود ہی اپنے اصل مرکز کی طرف جا رہا ہے اور جلد یا بدیر اُسے اسلام کی معین کردہ منزل تک پہنچنا ہے، چنانچہ ہم دیکھ رہے ہین کہ اقوامِ حاضرہ اسلام کے نام سے بغض و عناد رکھنے کے باوجود غیر شعوری طور پر اسی منزل کی طرف بڑھ رہی ہین، اور آخر ایک ایسا وقت آکر رہے گا، کہ تمام دنیاے انسانیت اسلام کے دامنِ امن و عافیت مین

پناہ لینے پر مجبور ہو جائے گی،

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ، — قرآن کریم تمام عالم انسانی کے لئے ذکر ہے، اور یہ حقیقت دنیا پر کسی دن عیان ہو کر رہے گی،

انسانی دنیا کو اس غایتِ قصویٰ تک پہنچانے کے دو ہی ذریعے ہین، ایک یہ کہ کوئی فوق العادۃ شخصیت اپنی غیر معمولی قوتِ فکر وعمل سے چند سالون ہی مین تغیرِ فکر اور تعمیرِ فکر کے مراحل طے کرکے دنیا کے گمراہ انسانون کو رشد وہدایت کی بلندیون تک پہنچا دے، دوسرے یہ کہ دنیا ے انسانیت خود ہی گرتی پڑتی، اور علم ویقین کے مراحل طے کرتی ہوئی اس نصب العین تک پہنچ جائے، پہلی صورت مین خداے قدوس کی طرف سے بھیجے ہوے انبیار ورسل کی معجزانہ قوتون کو دخل ہے اور دوسری صورت خود انسانی اذہان وافکار کے تدریجی ارتقار کا نتیجہ ہے، پہلی حالت عالم انسانی کے لئے ایک مثالی اور معیاری حیثیت رکھتی ہے تاکہ انسان اُسے سامنے رکھکر اپنی تگ ودو جاری رکھ سکے، اور زندگی کے مراحل ومشکلات کے حل کے لئے ان کے سامنے ایک مثال موجود رہے، اس حالت کے دیرپا ہونے کی ضرورت نہین، کہ یہ تو شعورِ ذات کے لئے ایک زینہ ہے، اور انسانی ارتقار کے لئے ایک مثالی حقیقت کا کام دیتی ہے، مگر دوسری حالت مین انسانی فکر و ذہن خود ہی سیکڑون ٹھوکرین کھانے کے بعد نظامِ الٰہی کے لئے مستعد اور قابل بن جاتا ہے، اس لئے اسے قدرتی طور پر دیرپا ہونا چاہئے یہی وہ بابرکت زمانہ ہوگا جس کی نسبت خود مخبرِ صادق علیہ التحیۃ والسلام نے خبر دی ہے،

لَا يَبْقَى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ (اخرجہ احمد) — روے زمین پر کوئی ایسا گھر نہین رہیگا، جہان کلمۂ اسلام داخل نہ ہو جائے

خلافت الٰہیہ کا دورِ سعادت جب رات کی تاریکی کائنات کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے تو شعاعِ صبح کی نمود ہوتی ہے، جب گرمی کی شدت ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ جاتی ہے، تو خوشگوار ہوائیں بارانِ رحمت کی نوید لاتی ہیں، جب انسان کے ظاہری جسم کے لئے رب العالمین کی جانب سے یہ اہتمام ہے تو پھر اس کے قلب و نظر کو کیسے ہمیشہ بے نوری رہنے دیا جاتا، اور اس کی روح کی تپش کے لئے کیوں نہ سامانِ تسکین بہم پہنچایا جاتا،

آج سے تیرہ سو سال قبل جب کہ کائنات کی روحانی تجلیات بالکل مدھم پڑ چکی تھیں اس کے قلب و نظر پر جہالت و ضلالت کی تاریک گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، انسانی گمراہی اپنی حدِ کمال تک پہنچ چکی تھی، یہاں تک کہ زمین کی سطح پر انسانوں کی کوئی جماعت بھی دینِ حق پر قائم نہ رہ گئی، انسانیت کے گلے پر قومی، نسلی، قبیلوی اور مذہبی امتیازات کی چھری چلائی جارہی تھی، قتل و غارت اور کشت و خون کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا، ان سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان فاطرِ ارض و سما کی ہستی کا منکر اور اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللہ کے سامنے سجدہ ریز تھا، اور انسانیت مرغِ بسمل کی طرح تڑپ رہی تھی، کہ خدائے بزرگ و برتر نے اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے، اور زمین کے عین قلب میں ایک عالمگیر تجلی کا ظہور ہوا، جس نے فطرت کی تہ در تہ تاریکیوں "ظلمٰتٌ بعضہا فوق بعض" کو چاک کر کے اس کے اصلی خط و خال کو نمایاں کر دیا، ضلالت و غوایت کے بادل چھٹ گئے، اور فطرتِ انسانی اپنی تمام ضیا پاشیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو گئی، خود نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے دن اعلان کیا،

انّ الزمان قد استدار کہیئتہ	زمانہ ایک بڑا لمبا چکر کاٹ کر اُسی مرکز پر
یوم خلق اللہ السموات والارض	آپہنچا ہے، جہاں سے اس کی ابتدا ہوئی تھی،

درحقیقت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور خزاں خوردہ انسانیت کے لئے نویدِ بہار تھا، اور اربابِ جور و استبداد کے لئے پیغامِ مرگ، آپ نے ۲۳ سالہ مختصر دورِ حیات میں ایک ایسے نظامِ حیات کی بنیاد

جس کی مثال دنیا نے کبھی پہلے نہیں دیکھی تھی،

خدائے قدوس نے دنیا کی رہنمائی کے لئے ایک ایسی عظیم اور مقدس ترین شخصیت کا انتخاب کیا جو قیامت تک کائنات انسانی کی رہنمائی کے لئے کافی ہے، اور اس کی آواز پر جن لوگوں نے لبیک کہا وہ عالم انسانی میں سب سے زیادہ ایمان و عمل اور ہدایت و رشد کے لئے اہل تھے اسی لئے دنیا کی لاتعداد انسانی آبادی میں صرف ان ہی کو سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امداد و نصرت اور خلافت الٰہیہ کے قیام کے لئے منتخب کیا گیا،

جاهدوا في الله حق جهاده هو	تم اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد
اجتباكم وما جعل عليكم في الدين	کا حق ہے، اسی خدا نے تمہیں دنیا کے انسانوں
من حرج ملة ابراهيم هو سماكم	سے اس مقصد کے لئے چنا ہے، اور دین کے
المسلمين من قبل وفي هذا	معاملہ میں اس نے تم پر کوئی ناقابل برداشت
ليكون الرسول شهيدا عليكم	تکلیف نہیں ڈالی، اپنے روحانی باپ
وتكونوا شهداء على الناس،	ابراہیم کی ملت کو اختیار کرو جس نے اس
	سے پہلے اور اس وقت بھی تمہارا نام مسلم
	رکھا ہے تاکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر
	گواہ اور نگران بنیں، اور تم تمام لوگوں پر

اجتبار کے لغوی معنی کے اعتبار سے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ملت اسلامیہ اور بالخصوص صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو روئے زمین کے ان گنت انسانوں سے اسی طرح چنا گیا ہے جس طرح کسی کثیر التعداد اشیائے سے جوہر کشید کیا جاتا ہے، اور جس طرح مقصود بالذات جوہر ہوتا ہے، اسی طرح کائنات انسانی میں مقصد اصلی مسلمان کا وجود ہے، اور یہی وہ خیر امت ہے جس کا مقصد حیات ذاتی منصب و تفاخر عزت و جاہ اور دولت و زر کا حصول نہیں، بلکہ دوسروں کو ضلالت و غوایت کی تاریکی سے نکال کر ذات احدیت

سے روشناس کرانا ہے "خیر امت" کے موقر خطاب کا یہ اسی لئے اہل تصور کیا گیا ہے کہ اخرجت للناس یعنی اس کی زندگی عالم انسانی کی فلاح وبہبود کے لئے وقف ہے ،

گفت آن گلیم خویش بدر می برد ز موج

وین سعی می کند کہ برآرد غریق را

یہی وجہ ہے کہ بے شمار انسانی آبادی میں خدائے قدوس کی نگاہ انتخاب پڑی تو عرب کی اس "امت امیہ" پر جو فلسفہ اور سائنس تو کیا، حساب کے معمولی قواعد بھی نہیں جانتی تھی، ہاں اس کے پاس ایک ہی چیز تھی، "قلب صالح" تھا، جس میں عالم انسانی کی رہنمائی کرنے کی استعداد کامل موجود تھی،

عن ابن مسعود قال ان اللہ نظر فی قلوب العباد فوجد قلب محمد ﷺ خیر قلوب العباد فاصطفاہ و بعثہ برسالتہ ثم نظر فی قلوب العباد بعد قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجد قلوب اصحابہ خیر قلوب العباد فجعلھم وزراء نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم یقاتلون عن دینہ (اخرجہ ابو عمر فی خطبۃ الاستیعاب)

خدائے تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں کو دیکھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تمام لوگوں کے دلوں سے بہتر پایا، پس ان کو چن لیا، اور نبوت عطا کی، دوسری دفعہ خدا نے لوگوں کے قلوب پر نگاہ ڈالی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے قلوب کو سب سے بہتر پایا، لہذا ان کو اپنے نبی کے وزراء ہونے کا شرف عطا کیا، جو دین کی حفاظت کے لئے جہاد ،

نیز یہی حدیث بیہقی میں تھوڑے اختلاف اور کچھ اضافہ کے ساتھ ہے کہ

فجعلھم انصار دینہ و وزراء نبیہ فما رآہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن و

پس ان کو اپنے دین کا مددگار اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وزیر بنایا پس جس چیز کو یہ ایمان والے بہتر تصور کریں گے، وہ اللہ کے نزدیک بھی

مَا رُؤٗہ قَبِیْحًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ قَبِیْحٌ، — بہتر ہوگی، اور جس کو یہ برا خیال کریں گے وہ اللہ کے ہان بھی بری ہوگی،

غرض یہی وہ مقدس نفوس تھے جن کے ایمان محکم اور عمل پیہم نے کائنات انسانی میں ایک نئے نقشہ کی طرح ڈالی جس کی ابتدا خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھون سے ہوئی تھی، آپ ہی نے سب سے پہلے وحی الٰہی کی روشنی مین ایک جدید ملت کی تعمیر کی، اور اس کے ذہن و فکر کو نئے سانچے مین ڈھال کر اس کے لئے شاہراہ عمل متعین کردی، اور راستہ کی ایک ایک عبوری حالت سے آگاہ کرکے آخری منزل مقصود کا نشان بھی بتایا، اور آنے والے مختلف دورون کی جانب اشارہ کرکے ان دورون کے لئے بھی راہ عمل متعین کی، تاکہ حیات اجتماعیہ کا کوئی ایک دور بھی ہدایات نبوت سے رہنمائی حاصل کرنے مین محروم نہ رہ جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے متنوع حالات کے پیش نظر ملت اسلامیہ کو کئی ادوار مین تقسیم کیا ہے، چنانچہ ابو یعلی اور شاطبی کی روایات مین بالترتیب چار اور پانچ دور بیان کئے گئے ہین جنھین مقالہ کے ابتدائی حصہ مین ذکر کیا جا چکا،

اس حدیث مین خلافت راشدہ کا زمانہ بھی معین کر دیا گیا ہے، اور اس معین عرصہ کے بعد ملوکیت مستبدہ کی خبر دی گئی ہے،

الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃً — میرے بعد خلافت ۳۰ سال تک رہیگی،

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الخلافۃ بالمدینۃ والملک بالشام (اخرجہ الحاکم) — مدینہ منورہ مین خلافت علی طریق السنۃ ہو گی، اور شام مین ملوکیت!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کے اعمال کو سنت سے تعبیر فرمایا ہے، اور مسلمانون کو سنت نبوی کی طرح اتباع کامل کا حکم دیا گیا ہے، کہ ان کا نظام اجتماع اور آئین سیاست بالکل طریق سنت اور منہاج نبوت پر قائم تھا،

عن عرباض ابن ساریہؓ، قال قال	تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من یعش منکم بعدی	وہ بہت بڑا اختلاف دیکھے گا، لہذا تم میرے
فسیری اختلافا کثیراً فعلیکم بسنتی و	بعد میری سنت خلفاے راشدین کی سنت
سنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی تمسکوا	کو لازم پکڑو، اسی کے ساتھ تمسک کرو اور
بھا وعضوا علیھا بالنواجذ (صحاح)	اس کو نہایت مضبوطی سے پکڑ لو،

متعدد احادیث مین اس مقدس عہد کی دینی برکات اور سیاسی فتوحات کی خبر دی گئی ہے،

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ	کسری (گویا) ہلاک ہوچکا ہے، اور اس
علیہ وسلم ھلک کسری ثم لا یکون کسری	کے بعد کوئی کسری نہین ہوگا، اور قیصر
بعدہ و قیصر لیھلکن ثم لا یکون	بھی عنقریب ہلاک ہوجائے گا، اور پھر
قیصر بعدہ ولتقسمن کنوزھما	کوئی قیصر پیدا نہین ہوگا، تم اُن کے
فی سبیل اللہ،	خزانے اللہ کے راستہ مین تقسیم کروگے
عن ثوبانؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ	اللہ تعالی نے میرے لئے زمین کو اکٹھا
علیہ وسلم ان اللہ زوی لی الارض فرایت	کر دیا، تو مین نے اس کے مشرقی اور مغربی
مشارقھا ومغاربھا وان اُمتی سیبلغ	حصون کو دیکھا، بہت جلد میری اُمت
ملکھا ما زوی منھا واعطیت	کی حکومت اُس زمین پر قائم ہوجائیگی
الکنزین الاحمر والابیض،	جو مجھے دکھائی گئی ہے، اور مجھے سونے
(اخرجھا مسلم)	اور چاندی کے خزانے دیئے گئے،

ظاہر ہے کہ ان فتوحات کی تکمیل خلفاے راشدین کے زمانہ مین ہوئی، اور اسی دورِ سعادت

مین مسلمانون نے قیصر و کسری کے تخت و تاج کو پاؤن تلے روندا، و ران کے ملکون مین اسلام کا جھنڈا

نصب کیا گیا، اور عراق کی فتح کے بعد ایک ہزار اونٹ بیش بہا خزائن اور ساز و سامان سے لدے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے، یہی وہ زمانہ ہے، جس میں دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ میں قرآنی نظام سیاست و اجتماع کا نفاذ ہوا،

اس بابرکت دور کے بعد ایک بہت بڑے فتنہ کی خبر دی گئی ہے، اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس موقع پر اپنے امیر کا ساتھ دیں

عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انھا ستکون فتنۃ و اختلاف او اختلاف و فتنۃ قال قلنا یا رسول اللہ فما تامرنا قال علیکم بالامیر و اصحابہ (اخرجہ الحاکم)	بہت جلد ایک فتنہ اور اختلاف یا اختلاف اور فتنہ (علی شک الراوی) بپا ہوگا، ابوہریرہ نے سوال کیا یا رسول اللہ! ایسی حالت میں ہمارے لئے کیا ارشاد ہے ؟ فرمایا، اپنے امیر اور اس کے ہمراہیوں کا ساتھ دینا،

حضرت عثمانؓ کی شہادت سے اس فتنہ کا آغاز ہوا، اور پھر بڑھتا ہی چلا گیا، یہانتک کہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں بدامنی، شورش اور طوائف الملوکی خطرناک حد تک پہنچ گئی، اور ان کی شہادت کے بعد خلافت راشدہ کا دور ختم ہوگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شورش و بدامنی کے متعلق پہلے سے حضرت علیؓ کو آگاہ فرما دیا تھا،

عن ابن عباس قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلی اما انک ستلقی بعدی جھداً قال فی سلامۃ من دینی قال فی سلامۃ من دینک (اخرجہ الحاکم)	آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا، عنقریب تجھے سخت تکلیف اور مشقت سے دوچار ہونا پڑیگا، عرض کیا میرے دین کی سلامتی کے ساتھ ؟ فرمایا: ہاں تمہارے دین کی سلامتی کے ساتھ

خلافتِ راشدہ کے بعد بنو اُمیہ کا دورِ استبداد شروع ہوتا ہے، اس کی نسبت بھی سرادِ وجہان

صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے خبر دیدی تھی،

ثم تکون ملکاً عضوضاً الخ | اس کے بعد جابر بادشاہ ہوں گے،

ملوکیت عاضہ اور ملوکیت جابرہ کے بعد ایک پانچویں دور کی بھی خبر دی گئی ہے،

ثم تکون خلافۃ علی منهاج النبوۃ	آخر میں ایک دفعہ پھر خلافت علی طریق السنۃ
تعمل فی الناس بسنۃ النبی ویلقی	کا دور آئے گا جس کے اعمال سنت کے اسلوب
الاسلام بجرانہ فی الارض و	پر ہوں گے، اور اس دور میں اسلام کو زمین
یرضی عنها ساکن السماء وساکن	میں استحکام حاصل ہوگا، آسمان والے، اور
الارض لاتدع السماء من قطرالا	زمین والے اس دور سعید سے خوش ہوں گے
صبتہ مدرارا ولاتدع الارض	آسمان رحمت خداوندی کی موسلادھار بارش
نباتها وبرکاتها الا اخرجتہ	برسائے گا، اور زمین اپنی تمام نباتات، اور
(اخرجہ الشاطبی فی الموافقات)	خزائن باہر نکالدے گی،

یہی وہ آخری دور ہے، جو اسلام کی آخری منزل ہے، اور جس میں لیظهرہ علی الدین کلہ کا اعلان خداوندی ایک حقیقۂ ثانیہ بن کر دنیا کے سامنے جلوہ گر ہوگا،

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اسلامی نظام سیاست میں کوئی کشش تھی، تو پھر وہ زیادہ عرصہ تک کیوں نہ قائم رہ سکا،

مختصراً اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام کا دائرۂ اثر و نفوذ کسی ایک وطن یا قوم میں محدود نہیں، بلکہ جغرافی اور نسلی قیود سے بلند تر اور تمام عالم انسانی کی وسعتوں کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے، ظاہر ہے کہ کوئی حیاتیاتی نظریہ افادہ کے اعتبار سے جتنا محدود ہوگا، اس کا اجراء و نفاذ بھی اسی قدر آسان ہوگا، اور جس قدر اس کا دائرۂ نفوذ بڑھتا جائے گا، اسی تناسب سے اس کے قیام میں

دشواریاں بڑھتی جائیں گی،

اسلام کا نصب العین تمام روئے زمین میں خلافتِ الٰہیہ کا قیام ہے اور تاوقتیکہ تمام عالم انسانی استعداد و قابلیت کے ایک خاص موقف تک نہ پہونچ جائے اس وقت تک اسلامی نظامِ حیات دیرپا اور عالمگیر نہیں ہو سکتا، عہدِ خلافت راشدہ میں اگرچہ دنیا کے بہت بڑے حصہ میں خلافتِ الٰہیہ کا نفاذ ہوا مگر وہ دیرپا نہ ہو سکا کیونکہ ان کے لئے جن شرائط کی ضرورت تھی، وہ پوری طرح اس وقت تک عالم وجود میں نہیں آئے تھے مگر اس بات کی ضرورت تھی کہ ایک کامل اور جامع کتاب ہدایت اور ایک مکمل نمونۂ عمل انسانوں کے حوالہ کر دیا جائے جو زندگی کے مختلف مراحل میں ان کے لئے ایک مثالی حقیقت کا کام دیسکے اور عملی تجربات میں ان کی ٹھیک ٹھیک رہنمائی کر سکے یہانتک کہ ان کا شعور و ذات درجۂ تکمیل تک پہنچ جائے

عن مالکؒ انہ بلغہ انہ علیہ السلام قال	میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک
ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم	تم اُن سے تمسک کرتے رہوگے، گمراہی سے
بھما کتاب اللہ سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	محفوظ رہوگے یعنی کتاب اللہ اور سُنّت"

نیز خاتم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں اسلامی نظریہ سیاست کے نفاذ سے دنیا پر یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ نظامِ زندگی محض تصورات کی دنیا تک محدود نہیں بلکہ ایک عملی حقیقت بننے کی اس میں پوری صلاحیت موجود ہے مگر اس کی تکمیل اس وقت ہوگی، جب کہ انسان کا شعور و ذات مختلف مراحل طے کرتا ہوا اپنے اصل مرکز پر پہنچ جائیگا یہی انسان کی آخری منزل مقصود ہوگی، اور کسی نہ کسی دن اسے اس غایتِ قصوی تک پہنچنا ہوگا، مگر یہ وقت کب آئیگا، اس کے متعلق کوئی قطعی جواب نہیں دیا جا سکتا، ہاں اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جب دنیائے انسانیت سالہا سال کی مسلسل ناکامیوں اور نامرادیوں سے تنگ آجائیگی، اس کے فہم و ادراک کی جولانیوں کے لئے تمام راہیں بند ہو جائیں گی، تو یاس و ناامیدی کے عالم میں اسے یہ کہنا پڑے گا، ع "تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی" اور پھر اعترافِ عجز کے ساتھ اسے بارگاہِ رب العزت میں جھکنا ہوگا، اور حسرت و افسوس کے ساتھ اظہارِ ندامت کرنا پڑے گا کہ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا۔

تلخیص تبصرہ

رباعیات عمر خیام کا قدیم ترین نسخہ

ماہ رواں میں طہران کا ماہانہ علمی رسالہ "یادگار" جلد ۳ نمبر ۳ موصول ہوا، اس کے ایک ادارتی مقالہ سے رباعیات خیام کے ایک قدیم ترین نسخہ کا حال معلوم ہوا، فاضل مدیر یادگار نے رباعیات خیام کے ان نسخوں میں سے جو اس وقت تک معلوم تھے، بوڈلین لائبریری کے نسخہ کو قدیم تر لکھا ہے، جو ۸۶۵ھ یعنی خیام کی وفات کے ۳۴۴ برس بعد کا لکھا ہوا ہے، اور جس میں صرف ۱۵۸ رباعیاں ہیں،

لیکن یہ مستشرقین کی تحقیق ہے، جس کا تتبع مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میں کیا ہے، حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ نے اپنی تصنیف "خیام" میں چند ایسے دوسرے نسخوں کی نشان دہی بھی کی ہے، جو بوڈلین کے اس نسخہ سے قدیم تر ہیں، ان میں دو نسخے قسطنطنیہ میں ہیں، جو ۸۶۴ھ اور ۸۶۱ھ کے لکھے ہوئے ہیں، اور ایک نسخہ لکھنؤ میں بابو گوری شنکر سکسینہ کی ملکیت میں ہے، جو ۸۲۶ھ میں لکھا گیا ہے (خیام ص ۲۶۱ و ۲۶۲)

بہرحال یہ تینوں نسخے بھی نویں صدی ہجری کے قرار پاتے ہیں، جن میں قدیم تر لکھنؤ کا نسخہ مکتوبہ ۸۲۶ھ ہے، رباعیات کا جو جدید مجموعہ طہران میں دریافت ہوا ہے، اس کی کتابت کی تاریخ ۶۰۴ھ ہے یعنی خیام کی وفات کے کل ۸۰ برس کے بعد وہ لکھا گیا ہے، اس لحاظ سے اس نسخہ کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہو جاتی ہے،

خیام کی یہ رباعیاں دراصل ایک مجموعہ منتخبات کے اندر ہیں، جس میں مختلف شعراء کے کلام کے انتخابات درج ہیں،

اتفاق سے اس مجموعہ کے ابتدا اور ... کچھ اوراق غائب ہیں، اور جو محفوظ رہ گئے ہیں، ان میں سنائی، معزی، سوزنی، عمر خیام اور ازرقی کے منتخبات موجود ہیں، اور خوش قسمتی سے عمر خیام کی رباعیات کے سب اوراق محفوظ رہ گئے ہیں، مجموعہ کے باقی ماندہ کل اوراق کی تعداد ۵۵ ہے، جن میں سے ۱۲ ورق خیام کی رباعیات کے ہیں، ہر صفحہ میں ۱۶ سے ۱۸ سطریں ہیں، اور رسم خط قدیم ہے، رباعیات کا انتخاب اس عنوان سے شروع ہوتا ہے،

"من کلام عمر الخیامی النیشاپوری علیہ الرحمہ"

پھر خاتمہ پر درج ہے،

"انتخاب اشعار حکیم عمر خیامی نیز بپایان رسید"

ان منتخب رباعیوں کی تعداد جو ۱۲ ورقوں میں ہیں، ۲۵۱ ہے، اس سے خیام کی رباعیات کی تعداد کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، اب تک محققین کو رباعیات خیام کے کسی قدیم نسخہ کی جستجو رہی ہے، اس کی عدم موجودگی میں مختلف علمی و ظنی قیاس آرائیوں سے ان کی تعداد معین کرنے اور مختلف رباعیوں کے انتساب کی صحت و عدم صحت کے جانچنے کا معیار مقرر کرنے کی کوششیں کرنی پڑی ہیں، اس نسخہ کے انکشاف سے ان مباحث پر غیر معمولی روشنی پڑے گی، اور کسی نتیجہ تک پہنچنے میں آسانی حاصل ہوگی، اور کم سے کم یہ پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گا، کہ وہ ڈھائی سو سے زیادہ تھیں، جن میں سے ۲۵۱ رباعیوں کو منتخب کیا گیا ہے، افسوس ہے کہ لائق مقالہ نگار کو اس مجموعہ کی رباعیوں کو دوسرے مجموعوں کی رباعیوں سے مقابلہ کرنے کا موقع نہ مل سکا ہے، وہ صرف چند رباعیوں کا مقابلہ برلین کے نسخہ سے کر سکا ہے، اور ان کو اس مقالہ میں شائع کر دیا ہے، لیکن مقالہ نگار کا عام اندازہ ہے، کہ ان ڈھائی سو رباعیوں میں سے بیشتر دوسرے مجموعوں میں بھی موجود ہیں،

اس مجموعہ کے خاتمہ پر کتابت کی تاریخ ثبت ہے، مجموعہ ازرقی کے انتخابات پر ختم ہوا ہے،

آخر مین تحریر ہے:۔

"چون انچہ در صدر کتاب وعدہ دادہ بودیم از منتخباتِ شعرا بر سبیل اجمال بتقدیم رسید کتاب را برین اشعار استاذ الشعرا حکیم ازرقی ہروی رحمہ اللہ ختم کنیم، اگر طغیان قلمی یا غلطی در عبارت یا در مفہوم یا سہو در نظر آید، معذور باید داشت کہ بر سبیل ارتجال در حالِ استعجال اتفاق تحریر افتادہ ایزد سبحانہ و تعالی انچہ مقتضے ثبات و نظام و مستدعی و حصول مرام بود ارزانی دارد، انہ اللطیف المجیب در شہر رجب سنۃ اربع وستمایۃ العبد المذنب غیاث الدین محمد بن یوسف بن علی عفا اللہ عنہ بحق محمد والہ الطاہرین المعصومین"

ادارہ مجلہ یادگار کا ارادہ ہے کہ اس ساڑھے سات سو برس کے قدیم مخطوطہ کو عکسی فوٹو کے ساتھ شائع کرے، تاکہ رباعیاتِ خیام کے مجموعون مین سے ایک قیمتی مجموعہ منظر عام پر آجائے،

"س"

اعلان

۱۔ معارف سے متعلق ہر طرح کی خط وکتابت اور ارسال زر کے وقت براہِ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دین ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲۔ معارف ہر مہینہ کی ۵ تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہوجاتا ہے اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ تاریخ تک دفتر مین آجانی چاہئے، ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر پرچہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

"منیجر"

استفسار و جواب

کیا ولادتِ نبوی کے وقت آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی،

جناب خواجہ عبدالوحید صاحب
قدیر منزل سید روڈ لاہور

حال ہی میں سیرۃ نبوی کی ایک چھوٹی سی کتاب برغرض تصحیح میرے پاس آئی، اس کا نام تھا "حیات النبیؐ"
اور عنوان کے نیچے لکھا ہے "شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کی مستند عربی تاریخ بدء الاسلام کے فارسی ترجمہ کا اردو خلاصہ"،

اس کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے،

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو ماہ کے تھے، کہ آپ کے والد بزرگوار نے وفات پائی"

یہ جملہ پڑھکر تعجب ہوا، اس لئے کہ ہم لوگ ہمیشہ یہی پڑھتے اور سنتے آئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پیشتر آپکے والد عبداللہ بن عبدالمطلب انتقال فرما چکے تھے، بدء الاسلام کا اردو ترجمہ جو علیا حضرت میمونہ سلطانہ شاہ بانو صاحبہ بھوپال نے کیا ہے، اور جو رحمانی پریس دہلی میں طبع ہوئی، اس کے ص ۸ پر ولادت باسعادت کے زیرِ عنوان وہی الفاظ موجود ہیں :-

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو مہینہ کے تھے کہ آپکے باپ نے رحلت فرمائی"،

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اصل کتاب (جو عربی زبان میں ہے) کے الفاظ بھی یہی ہیں اور اگر ایسا ہی ہے تو اس کی سند کیا ہے، میں نے سیرۃ النبیؐ کی جلد اول اس غرض سے دیکھی، تو وہاں اول عبداللہ کی وفات کا تذکرہ ہے، جہاں باب ختم ہوتا ہے اور اس کے بعد ظہور قدسی کے عنوان سے وہ باب لکھا گیا ہے جس میں ولادت نبوی کا ذکر ہے، یہ صاف ظا

کرتا ہو کہ آپ کی پیدائش سے پیشتر آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی،

اس لئے اگر مندرجۂ بالا جملہ غلط ہے، تو اس کی تصحیح ہونی چاہئے، ان دنون حالات اپنے خیالاتِ عالیہ سے مطلع فرمائین، اور اگر کسی ماہ کے معارف مین اظہار خیالات ممکن اور مناسب ہو تو شاید بہت سے لوگون کو اس سے فائدہ پہنچ سکے،

معارف:۔ ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت حضرت کے والد ماجد کی نسبت مختلف روایات ہین، سیرۃ ابن ہشام مین یہی ہے کہ اُن کی وفات کے وقت حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز شکمِ مادر مین تھے، چونکہ بحیثیت سیرۃ کی کتاب کے یہ ماخذ زیادہ تر مشہور ہے، اس لئے زبانون پر یہی روایت ہے، مگر دوسری روایتین بھی کتابون مین موجود ہین، جن مین سے ایک وہ ہے جس کو حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے بدر الاسلام مین اختیار کیا ہے،

امام سہیلی سیرۃ ابن ہشام کی شرح مین لکھتے ہین،

وذکر انہ مات ابوہ وھو حمل و اکثر العلماء انہ فی المھد ذکرہ الدولابی وغیرہ وقیل ابن شھرین ذکرہ ابن ابی خثیمہ وقیل اکثر من ذلک ..... وقد قیل مات ابوہ وھو ابن ثمان وعشرین شھراً، (روض الانف سہیلی صفحہ ۱)

ابن ہشام کا بیان ہے کہ آپ حمل ہی مین تھے کہ آپ کے والد نے وفات پائی، اور اکثر علماء اس پر متفق ہین، کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گہوارہ مین تھے، اس کو محدث دولابی وغیرہ نے بیان کیا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے، کہ آپ دو مہینہ کے تھے اس کا ذکر محدث ابن ابی خثیمہ نے کیا ہے،

حافظ زرقانی مواہب لدنیہ کی شرح مین اس مسئلہ کی حسب ذیل تحقیق کرتے ہین،:۔

"اور جب حضرت آمنہ پر حمل کے دو مہینے گذرے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ کی پیدائش کو

دو ماہ باقی تھے، تو آپ کے والد عبد اللہ نے وفات پائی، اس وقت ان کی عمر پچیس برس کی تھی، جیسا کہ واقدی کا بیان ہے، اور یہی زیادہ ثابت ہے، یا ۳۰ برس کے تھے، جیسا کہ ابواحمد حاکم نے کہا، یا اٹھائیس برس کے تھے، یا اٹھارہ برس کے تھے، اور اسی کو حافظ مغلطائی اور حافظ ابن حجر نے صحیح کہا ہے، اور اسی کو حافظ سیوطی نے پسند کیا ہے

اور کہا گیا ہے کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گہوارۂ طفولیت میں تھے، سہیلی نے کہا ہے کہ یہی اکثر علماء کا قول ہے، محدث دولابی نے اسی کو کہا ہے، ۔۔۔۔ اب اس قول کے بعد کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت گہوارہ میں تھے، اس میں اختلاف ہے کہ اس وقت آپ کی کیا عمر تھی، محدث ابن ابی خیثمہ کی روایت ہے، کہ دو ماہ کے تھے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۷ ماہ کے تھے، اور یہ بھی کہ ۲۸ ماہ کے تھے، لیکن راجح اور مشہور قول یہ ہے جیسا کہ امام نووی نے کہا ہے اور ذہبی اور ابن سعد اور بلاذری اور ذہبی نے اس کو راجح کہا ہے کہ آپ اپنے والد کی وفات کے وقت ابھی تک شکم مادر ہی میں تھے، اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے، جس کو حاکم نے روایت کیا ہے، اور جس کو حاکم نے صحیح مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے، مستدرک میں حاکم نے قیس بن مخرمہ صحابی سے روایت کیا ہے، کہ

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد نے وفات پائی، آپ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں تھے"

ج ۲ نمبر الہلال ۱۳۲۲ مصری

قیس بن مخرمہ صحابی آپ کے خاندان کے تھے، اور بالکل ہم عمر تھے، یعنی اسی سال ہوئے جس سال آپ پیدا ہوئے، (مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۴ حیدرآباد دکن) اس لئے روایت صحیح ہے، اور یہی علماء میں معتبر اور مسلمانوں میں مشتہر ہے، حاکم کی یہ حدیث مستدرک ۶۰۵ میں ان لفظوں کے ساتھ ہے توفی ابوہ وامہ حبلی بہ (ھذا حدیث صحیح علی شرط مسلم)

آپ اس رسالہ پر حاشیہ لکھ دیں کہ ایک روایت یہی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ولادت سے پہلے آپ کے والد کی وفات ہو چکی تھی" "س"

مطبوعات جدید

قرآن اور تصوف از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ حجم ۲۰۱ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۱۶ قیمت :- عا، پتہ :- ندوۃ المصنفین قرول باغ دہلی،

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب اسلامی عقائد و مسائل کو زمانۂ حال کے فلسفیانہ طرز استدلال میں مرتب کرکے معارف اور ملک کے دوسرے علمی رسالون میں پیش کرتے رہے ہین، "قرآن اور تصوف" ان کے اسی نوعیت کے چند مضامین کا مجموعہ ہے، جو معنوی ترتیب سے ایک مستقل کتاب کے ابواب بن گئے ہین، اس مین انھون نے قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے اسلام کے حقیقی تصورات و تعلیمات کو پیش کرکے دکھایا ہے، کہ یہی وہ بنیادی حقائق ہین، جن کو اکابر صوفیہ نے دور قدیم مین تصوف کے نام سے پیش کیا ہے، مقدمہ مین لفظ "تصوف" اور "صوفی" پر بحث آئی ہے، مصنف نے امام قشیری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "لفظ صوفی ۲۰۰ھ کے کچھ پہلے مشہور ہوا" (قرآن اور تصوف ص ۹) لیکن امام قشیری کا یہ بیان لفظ تصوف کے بارہ مین ہے، نہ کہ لفظ صوفی کے متعلق، اور انھون نے صرف "پہلے" لکھا ہے، نہ کہ "کچھ پہلے"، امام قشیری فرماتے ہین،

فانفرد خواص اهل السنة ...	اس نے خواص اہل سُنت .... تصوف
.... باسم التصوف واشتهر هذا	کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری
الاسم لهؤلاء الاکابر قبل المائتین	صدی ہجری سے پہلے ان اکابر کے لئے
من الهجرة، (رسالہ قشیریہ ص۹)	اس نام کی شہرت ہوئی،

لفظ صوفی کے استعمال کے متعلق جامی کی نفحات الانس کا بیان اس سے زیادہ واضح ہے، اس میں شیخ ابو ہاشم صوفی کے متعلق جنھوں نے ۱۵۰ھ میں وفات پائی ہے، مذکور ہے،

"اول کسے کہ ویرا صوفی خواندہ اند وے بود، پیش از وے کسے را بایں نام نخواندہ بودند"

(تذکرہ ابو ہاشم صوفی)

بایں ہمہ دوسری اور تیسری صدی میں وہ اکابر جن کی امتیازی شان زہد و عبادت سمجھی جاتی تھی، عموماً "الزاہد" اور "المتعبد" ہی کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، تیسری صدی کے بزرگوں میں سے شیخ ابو حمزہ الصوفی ۲۶۹ھ کو الصوفی اور حضرت شیخ جنید بغدادی المتوفی ۲۹۷ھ کو شیخ الصوفیہ کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، اور اسی زمانہ سے "الزاہد و المتعبد" کا لقب رفتہ رفتہ ترک ہوتا گیا، اور اس کی جگہ "الصوفی" نے لے لی،

پھر مصنف نے اکابر صوفیہ کے اقوال و تعبیرات سے تصوف کی حقیقت سمجھائی ہے، اور پھر آگے چل کر ان حقائق کی تطبیق کتاب و سنت سے دی ہے، اور عبادت و استعانت، قرب و معیت، تنزلات ستہ، خیر و شر، اور یافت و شہود کے عنوانات جداگانہ بابوں میں قائم کئے ہیں، اور ان میں ان موضوعوں کے دقائق و حقائق کو اسلام کی حقیقی تعلیمات اور کتاب و سنت و اکابر امت کی تشریحات کی بنیادوں پر زمانۂ حال کی منطقی ترتیب، فلسفیانہ طرز استدلال کے ساتھ دلنشین پیرایہ میں پیش کیا ہے، جس کا مقصود مصنف کے الفاظ میں "حصول مقام عبدیت مع الالوہیت اور یافت و شہود حق ہے" جس کا قدرتی نتیجہ محویت فی الحق اور یافت و شہود حق و خلق ہے، اور آخر میں دکھایا ہے کہ "جب عرفان کامل کے ساتھ حق تعالیٰ کی محبت و عشق کا جاذبہ بھی عارف کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے، تو آپ وہ اسی دنیا میں رہ کر جنت فردوس میں داخل ہو جاتا ہے، فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي (۳۰ ع ۱۴) اور اپنی عبدیت کی تحقیق کے ساتھ ہی وہ جنت ذات میں داخل ہو جاتا ہے،"

ہر وقت چشمۂ قرب سے شراب محبت میں سرشار رہتا ہے، عینا یشرب بہا المقربون (۲۶-۸۳) (ص ۱۶۳)

یہ تصنیف جدید علم کلام کے سلسلہ کی ایک اچھی کڑی کہی جاسکتی ہے جس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ اس کی بنیاد کسی یونانی فلسفہ کے سوال و جواب پر ہونے کے بجائے کتاب و سنت کے حقائق پر رکھی گئی ہے، ہم مصنف کو اس تصنیف پر مبارکباد دیتے ہیں، مقدمہ کے بعد والے باب کو "دوم" لکھنے کے بجائے "اول" قرار دینا تھا، کہ مقدمہ تو کتاب کے ابواب سے جدا رہتا ہے،

معاہدۂ ہند و برطانیہ، از جناب سر سید سلطان احمد صاحب، حجم ۹۶ صفحے، تقطیع ۲۲×۸،

کاغذ اور لکھائی چھپائی بہتر، قیمت:- عہ، پتہ:- نگارستان ایجنسی اردو بازار، دہلی،

جناب سر سید سلطان احمد صاحب نے وائسرائے کونسل کی ممبری کے زمانہ میں اپنی شخصی حیثیت سے ہندوستان کے سیاسی مسائل پر اس تصنیف میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا تھا، جس زمانہ میں ہندوستان کی سیاسیات میں تعطل جاری تھا، پہلی شملہ کانفرنس ہو چکی تھی، مصنف کے تخیل میں درجہ نوآبادیات کا آزاد ہندوستان تھا، اور اس کی اس حیثیت میں اس کو جن مسائل سے سامنا کرنا پڑتا، اس کتاب میں ان پر نظر ڈالی ہے، اور اپنی معقول تجویزیں پیش کی ہیں، مصنف کی نظر میں مستقبل کا ہندوستان جنوبی ایشیا کا سب سے بڑا با اثر مملکت ہوگا، اس پر ایشیا میں امن و امان قائم رکھنے کی ذمہ داری عائد ہوگی، اس سلسلہ میں مصنف نے ہندوستان کی مغربی، شمالی و مشرقی سرحدوں کی آزاد و نیم آزاد حکومتوں اور قبائل پر نظر ڈالی ہے، ان سے ہندوستان کے موجودہ گوناگون تعلقات کی نوعیتوں اور آیندہ قائم ہونے والے روابط کو دکھایا ہے، اور اپنی تجویزیں پیش کی ہیں، پھر ہندوستان کے تعلقات ایشیائی سلطنت، روس، چین، اور ایشیا میں اثرات رکھنے والی حکومت امریکہ سے دکھائے ہیں، پھر برطانوی سلطنت اور ہند کے آیندہ تعلقات کا ذکر آیا ہے، اور ان دونوں پر جو جداگانہ فرائض عائد ہوتے ہیں، ان کو بیان کر کے ہندوستان کی وحدت کی ضرورت اور وفاق ہند میں مستقبل کے ہندوستان کی نجات دکھائی ہے، اور یونین

کا مجوزہ خاکہ پیش کیا ہے، اور ہندو برطانیہ کے تعلقات کو ایک معاہدہ کے ذریعہ سے طے کرنا اور ملک کے تعطل کو دور کرنے کا مشورہ دیا ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کی کتاب انگریزی زبان میں تھی، ترجمہ کی زبان میں سلاست و روانی نہیں ہے، کتاب کا وہ حصہ زیادہ قابلِ قدر ہے جس میں ہندوستان کے تحفظ اور اس سلسلہ میں ہمسایہ حکومتوں کے تعلقات پر نظر ڈالی گئی ہے، مجوزہ یونین کے متعلق مصنف نے جو خیالات ظاہر کئے تھے، یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ ۱۶ رمئی کے وزارتی وفد کے اعلان میں تقریباً بنیادی خاکہ موجود ہے،

صد پارۂ دل، از جناب دل محمد صاحب ام اے، حجم ۲۶۶ صفحے، تقطیع فلسکیپ ۱/۲ قیمت ۳ ر

پتہ :- خواجہ گلزار محمد صاحب، خواجہ بک ڈپو، موہن لال روڈ، لاہور،

جناب خواجہ دل محمد صاحب ایم اے سابق پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور ہماری زبان کے کہنہ مشق شاعر ہیں، اُن کی قومی، اسلامی اور اخلاقی نظموں کے مجموعے "دردِ دل" اور "آئینۂ اخلاق" قدر دانوں کے حلقہ میں مقبول ہو چکے ہیں، نیز "بھگوت گیتا" کا منظوم اردو ترجمہ ان کے قلم سے نکل کر ملک کے مختلف حلقوں سے خراجِ تحسین وصول کر چکا ہے، اب "صد پارۂ دل" کے نام سے ان کی پانسو رباعیوں کا مجموعہ شائع ہوا ہے، جناب سر شیخ عبد القادر صاحب نے اس مجموعہ کا "سرآغاز" لکھا ہے، جس میں خواجہ صاحب کے کلام کے خصوصیات دکھائے گئے ہیں، یہ مجموعہ رباعیوں کی معنوی خصوصیات کے لحاظ سے پانچ حصوں "میخانۂ عرفان" "طلسمِ ہستی" "اسرارِ حقائق" "اعمال و اخلاق" اور "نیرنگِ جذبات" کے عنوانوں میں تقسیم کیا گیا ہے، اور ان میں سے ہر حصہ میں موضوع سے متعلق سو سو رباعیاں درج کی گئی ہیں، امید ہے کہ حضرتِ دل کا یہ تازہ تحفہ بھی قدر دانوں میں مقبولیت عام حاصل کریگا،

فرعونی تاریخ، از جناب خواجہ حسن نظامی صاحب، تقطیع ۲۰×۲۲/۱۶ قیمت ۳ ر پتہ :-

دفتر لوح محفوظ، اردو لائبریری، دہلی،

"فرعونی تاریخ مصر کی قدیم سیاسی و تمدنی سرگذشت ہے، کتاب دو حصوں مین ہے، پہلا حصہ ۲، صفحون پر مشتمل ہے، جو گویا قدیم مصری تصویرون کا ایک عکسی البم ہے، جس مین پہلی تصویر "حضرت یوسف" زلیخا کے گھر مین" کے عنوان سے ہے، خواجہ صاحب نے اس تصویر کے شائع کرنے کا جواز یون نکالا ہو کہ "یہ اُس زمانہ کی ہے جب کہ وہ پیغمبر نہیں ہوئے تھے، کیونکہ "اصلی" پیغمبری اپنے والد حضرت یعقوبؑ کی وفات کے بعد شروع ہوئی تھی" (ص ۷) گویا جن علما کے نزدیک پیغمبرون، اور اولیاے صالحین کی تصویرین کھینچنا یا شائع کرنا ناجائز ہے، انھون نے اس قسم کی کوئی شرط بھی لگا رکھی ہے، کہ وہ ان کے "اصلی" پیغمبر اور ولی ہوجانے کے بعد کی ہو، اسی طرح دوسرے حصہ کے دیباچہ مین خواجہ صاحب نے اس کتاب کو "تاریخ مصر" کے بجائے "فرعونی تاریخ" سے موسوم کرنے کی عجیب وجہ لکھی ہے، فرماتے ہین، "مجھے اپنے خدا کی پیروی ضروری معلوم ہوتی ہے، جس کو فرعون نام سے ایسا لگاؤ ہے کہ قرآن مجید مین جگہ جگہ اُس نے فرعون کا ذکر کیا، لفظ مصر کا ذکر قرآن مجید مین بہت کم ہے، اور عربی مین کہاوت ہے، من احبّ شیئًا اکثر ذکرہ جو جس چیز سے محبت رکھتا ہے، اس کا بار بار ذکر کرتا ہے" (دیباچہ حصہ دوم ص ۳ و ۴) یعنی بیک جنبشِ قلم فرعون بھی نعوذ باللہ محبوبِ الٰہی بن گیا، دوسرا حصہ ۴۰۰ صفحون پر مشتمل ہے، جس مین مصر کی قدیم سیاسی و تمدنی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اور مختلف بابون مین مصر کی بادشاہیون کے سیاسی حالات، مصر کے تمدن، علوم و آداب، عقائد و روایات، رسم و رواج، مصری آرٹ، صنعت و حرفت، فن تعمیر، غرض قدیم مصر کے ہر گوشہ پر نظر ڈالی گئی ہے، اور آخر مین "مصری عجائب گھر" کی سیر کرائی گئی ہے، مصری تمدن کی قدامت و اولیت وغیرہ کے مباحث مین وہ نظریے قبول کئے گئے ہین، جن کو مصر کے اہل علم نے قائم کیا ہے، نیز خواجہ صاحب نے جا بجا مصری عقائد و مذہبیت کی مماثلت قدیم ہندوانہ عقائد و رسم و رواج سے بھی دکھائی ہے، کہین کہین طرز ادا محتاط مورخین کے طرز گفتگو سے علیحدہ ہے، بہرحال اردو مین یہ کتاب قدیم مصری معلومات کا بہترین مرقع ہے اور اس لئے قدر افزائی کی مستحق ہے،

"س"

جلد ۵۹ ماہ ربیع الآخر ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۷ء عدد ۳

مضامین

مقالات

استفسار و جواب

ادبیات

وفیات

باب التقریظ والانتقاد

ہندوستان اس وقت انقلاب کے دروازے پر کھڑا ہے، کئی صدیوں سے جو تاریخ جاری تھی، اب اس کے آخری صفحے بھی مرتب ہو جائیں گے، خوشی کی بات ہے، کہ اس سیاسی انقلاب کے ساتھ زندگی کے ہر شعبہ میں ایک نئی روح دوڑانے کی امنگ بھی پیدا ہو چکی ہے، ابھی جنوری کے پہلے ہفتہ میں انڈین سائنس کانگرس کا ۳۴ واں سالانہ اجلاس دہلی میں منعقد ہوا، جس میں سائنس کے مختلف شعبوں کے ہندوستانی ماہرین کے علاوہ مختلف ملکوں، روس، انگلستان، فرانس، امریکہ، اسٹریلیا، کناڈا اور چین کے ماہرین سائنس نے شرکت کی، اور اپنی تقریروں میں سائنٹفک ترقیوں کے لئے ہندوستان کے درخشاں مستقبل سے اپنی امیدیں وابستہ دکھائیں، اور صدر منتخب نے اپنے خطبہ میں ان عزمون کو بیان کیا جن کے بموجب سائنس کی ترقیوں میں مستقبل کا ہندوستان اپنا حصہ ادا کرنے والا ہے، اور ملک کے سائنس دانوں سے توقع ظاہر کی، کہ وہ اپنے سائنٹفک خدمات کو ہندوستان کی ترقی کا ذریعہ بنائیں گے، اور جدید سائنٹفک اداروں سے اس ملک کی ضرورتیں پوری کریں گے،

اسی طرح ہندوستان کا موجودہ نظام تعلیم بھی ایک انقلابی دور سے گذر رہا ہے، سب سے اہم مسئلہ تعلیم کی زبان کا ہے، شکر ہے کہ اب اس مسئلہ پر نظری حیثیت سے گفتگو کرنے کا دور ختم ہو چکا، انگریزی زبان کی تعلیم کے لئے سب سے پہلا کالج ۱۸۳۳ء میں بمبئی میں قائم کیا گیا تھا، اور ۱۸۳۵ء میں کلکتہ کے میڈیکل کالج کی بنا پڑی، اور اس وقت سے آج تک اس ملک میں سرکاری تعلیم کی زبان انگریزی رہی، اس ایک صدسالہ دور کا جو کچھ تعلیمی تجربہ ہے، ہمیں اس سے فائدہ اٹھانا ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، کہ انگریزی کے ذریعہ تعلیم ہونے سے ملک کو نفع اور نقصان دونوں پہنچا، مگر اب جب کہ خالص ملکی حکومت ہوگی، اور ہماری ملکی زبان میں نئے سے نئے علوم کو پڑھانے کے ذرائع و وسائل مہیا ہو چکے ہیں، اور جامعہ عثمانیہ میں اس کا عملی تجربہ بھی کیا جا چکا ہو تو انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنائے رکھنے کے وہ بنیادی دلائل بھی باقی نہیں رہ گئے، جو لارڈ میکالے اور ولیم بینٹنک نے پیش کئے تھے، ایسی صورت

میں اب انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنائے رکھنا کوئی مناسب بات نہیں کہی جا سکتی تھی، خوشی کی بات ہے کہ مرکزی حکومتِ ہند کے نئے رکن تعلیم نے قلمدانِ وزارت سنبھالتے ہی اس اہم مسئلہ پر توجہ کی، چنانچہ اس کو حل کرنے کے لئے وہ مختلف صوبوں کے وزرائے تعلیم، اور یونیورسٹیوں کے ماہرین کو مشورہ کے لئے جمع کرنے والے ہیں، اور توقع ہے کہ سال رواں یا آیندہ سال سے ملکی زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیدیا جائے اور ہندوستانی طلبہ جو ایک سو برس سے علوم کی تحصیل اجنبی زبان میں کرتے آئے ہیں، اس بار سے سبکدوش ہو جائیں، اور وہ مختلف علوم کی تحصیل اپنی ملکی زبان میں کر سکیں، اور انگریزی زبان کی تحصیل کو ایک معیاری ادبی زبان کی حیثیت سے برقرار رکھ سکیں، امید ہے کہ ہندوستان کے ہر طبقہ کی طرف سے یہاں کے نظامِ تعلیم میں اس خوشگوار تبدیلی کا پرتپاک خیر مقدم کیا جائے گا،

ہمارے لئے اس سے بھی زیادہ باعثِ مسرت یہ ہے کہ مرکزی حکومتِ ہند کے محکمۂ تعلیم کی زمام ایک صاحبِ علم و فضل شخصیت کے ہاتھوں میں آجانے کی وجہ سے ہماری عربی و فارسی تعلیم کا مسئلہ بھی حکومت کے زیرِ توجہ مسائل کی فہرست میں داخل ہو گیا ہے، اور صوبۂ متحدہ اس سلسلہ کی مساعی کے لئے جولانگاہ قرار پایا ہے کہ دراصل یہی صوبہ ہندوستان کی عربی درسگاہوں کا مرکز ہے، یہاں جو تبدیلیاں رونما ہوں گی، وہ سارے ہندوستان کی عربی درس گاہوں کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکیں گی، ابھی ۲۲ فروری ۱۹۴۷ء کو عربی و فارسی کیٹی کا جو اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا، اور اس میں جو ماحول نظر آیا، وہ ہمارے لئے بہت کچھ حوصلہ افزا ہے، اس اجلاس میں ملک کی اہم درسگاہوں کے روحِ رواں حضرات نے عملی شرکت فرمائی، اور ہندوستان میں عربی تعلیم کی اصلاح و تجدید کے مسئلہ پر اپنے قیمتی مشورے دیئے،

مولانا آزاد نے اپنے خطبۂ صدارت میں نصابِ تعلیم کی اصلاح پر سب سے زیادہ توجہ فرمائی جیسا کہ مولانا موصوف نے فرمایا یہی دعوت تھی، جو آج سے پچاس برس پہلے ندوۃ العلماء کی تحریک کے نام سے ملک میں پیش کی گئی تھی اور بحمد اللہ کہ اس پچاس برس میں خواہ زبان سے اس دعوت کی قبولیت کا اقرار نہ کیا گیا ہو، مگر عملی طور پر اس کی صدائے بازگشت سے ہمارے عربی مدارس کے حجرے خالی نہیں رہے، آج عربی مدارس کا نصابِ تعلیم بہت کچھ بدل چکا ہے، غیر ضروری علوم کی منتہی کتابیں درس سے خارج کی جا چکی ہیں علومِ آلیہ کو آلہ و وسیلہ کی حیثیت سے پہچانا جا چکا ہے، پھر عربی علم ادب اور دوسرے نئے علوم کو مدرسوں میں کمی کے ساتھ سہی روشناس کیا جا چکا ہے،

یہی وجہ ہو کہ اس اجلاس کے خطبۂ صدارت کے جواب میں علماے کرام کی جانب سے جو تقریرین کی گئین، وہ بھی امید افزا ہین کہ حاصل اب اس کی ضرورت سے انکار کرنے کا دور گذر چکا، صالح زمین تیار ہوچکی ہے، صرف توجہ اور انہماک سے بے جھجک کام کرنے کی ضرورت ہے، جن اصلاحات کا رائج ہونا باقی رہ گیا ہے، ان کو رائج کیا جائے، اور جہان طلبہ پر غیر ضروری کتابون کا بار اب بھی باقی رہ گیا ہو اس کو ہلکا کیا جائے، اور دینی علوم وفنون کے ساتھ عربی ادب ونقد وبلاغت کی مکمل تعلیم دی جائے، اور نصاب مین تاریخ جغرافیہ، جدید فلسفہ، جدید ہیئت، ریاضی اور سائنس کے ضروری ابتدائی معلومات، اور مطالعۂ فطرت (نیچر اسٹڈی) کے مضامین بڑھائے جائین، اور نئے علوم وفنون مین بصیرت حاصل کرنے کے لئے انگریزی ادب کو زبان ثانی کے طور پر پڑھایا جائے، اس طرح عربی تعلیم کے نصاب اور مدارس کے نظام کو ایک ایسے قالب مین لے آیا جائے کہ وہان کے فارغ التحصیل علما ہمارے دور حاضر کی دینی، ملی، علمی، تعلیمی اور تمدنی ضرورتون کے لئے مفید ہوسکین، اور امت کی صحیح رہنمائی کے فرائض انجام دیسکین، صوبۂ متحدہ کی عربی فارسی کمیٹی سے ہماری بہتر توقعات وابستہ ہین، دعا ہے کہ اس کے ارکان یکجہتی سے اس مسئلہ پر غور وفکر فرمائین، اور باہمی صلاح ومشورہ سے مفید تجویزین مرتب کرین، اور ان کو نفاذ اور عمل مین لانے کے لائق بنا سکین،

اسی طرح بنگال اور سندھ کے صوبون مین نئی یونیورسٹیون کے قیام کی تجویزین بھی درپیش ہین، ان صوبون مین سیاسی صورت حال نے مسلمانون مین ایک نیا ولولہ پیدا کردیا ہو، امید ہے کہ یہ نئی یونیورسٹیان تعلیم کے نئے خاکے اور نئی ضروریات کو پیش نظر رکھ کر قائم کی جائین گی،

حکومت ہند کے تازہ فیصلہ کے مطابق اردو کے گہوارہ لکھنؤ کے ریڈیو اسٹیشن سے اردو زبان کے نشریات کا حصہ صرف ۲۰ فیصدی اور ہندی کا ۸۰ فی صدی ہوگا، اس فیصلہ کے ناموزون ہونے کی آواز مستحکم دلائل کے ساتھ ملک کے مختلف ذمہ دار حلقون کی طرف سے اٹھائی جاچکی ہے، حقیقت یہ ہو کہ حکومت کا یہ فیصلہ خود اس کے قائم کئے ہوئے ان اصولون کے بھی خلاف ہو، جن کی روشنی مین اس فیصلہ تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے، اس مین نہ تو متعلقہ علاقون کی زبان کی حیثیت واہمیت کا لحاظ رکھا گیا ہے، اور نہ اسٹیشن کی لسانی حیثیت کا، کہ لکھنؤ بہرحال وہ محل وقوع ہے "جہان اس زبان کی توسیع وترقی ہوئی ہے"، ان حالات مین ایسے فیصلہ کا اعلان کرنا حد درجہ حیرت انگیز اور بڑی جسارت کا کام ہے، ضرورت ہے، کہ حکومت ہند جلد سے جلد اس پر نظر ثانی کرے کہ اس کا دامن اردو، اور اس کے مرکز لکھنؤ کی ادبی ولسانی عظمت کو مٹانے کے الزام سے بری ہو،

مقالات

کچھ "فتاوی تاتارخانیہ" کے متعلق

از

سید ریاست علی ندوی

معارف بابت ماہ فروری ۱۹۳۲ء میں ایک مقالہ" خان اعظم تاتارخاں اور اس کی یادگار علمی خدمات" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، ان دنوں راقم السطور کے مقالات کا ایک مجموعہ "عہد اسلامی کا ہندوستان" کے نام سے زیر ترتیب ہے جس میں ایسے مقالات جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے ہندوستان کے اسلامی دور کی تاریخ سے وابستہ ہے یکجا کئے گئے ہیں، اور ان کو مباحث و معلومات کے زمانہ کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا گیا ہے،

یہ مقالات ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۶ء تک میں وقتاً فوقتاً شائع ہوئے ہیں، اس بیس برس کی مدت میں بہت سے ایسے نئے ماخذ چھپ کر سامنے آئے جو ان مضامین کی تسوید کے وقت تک چھپے نہیں تھے، یا ہمارے کتبخانہ میں آنہ سکے تھے، اس لئے ان پر نظر ثانی کرنے کے سلسلہ میں ان نئے ماخذ سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت پیش آئی، اس سلسلہ میں مذکورہ بالا مقالہ" خان اعظم تاتارخاں ...." پر بھی نظر ثانی کا موقع ہاتھ آیا، تو اس میں" فتاوی تاتارخانیہ" کا ذکر تشنہ نظر آیا، ذیل کی سطروں میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے،

مقالہ" خان اعظم" میں فتاوی تاتارخانیہ کے متعلق جو کچھ ذکر آیا ہے۔ وہ صرف قاضی شمس سراج

عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے ماخوذ تھا اور بانکی پور کی مجمل فہرست مخطوطات "مفتاح الکنوز الخفیہ" اور رام پور کی مجمل فہرست کتب عربی کے حوالہ سے صرف یہ اجمالاً عرض کیا گیا تھا کہ اس کے نسخے بانکی پور اور رام پور میں موجود ہیں، اس کے بعد بانکی پور کی فہرست مخطوطات کی انیسویں جلد ۱۹۳۵ء میں چھپ کر آئی جس میں فقہی مخطوطات کا ذکر تفصیل سے آیا ہے اسی طرح مولانا عبدالحیٔ مرحوم کی نزہۃ الخواطر ۱۳۵۰ھ میں طبع ہوئی، پھر خدیویہ مصر اور بعض دوسرے کتب خانوں کی فہرست مخطوطات کا اضافہ ہمارے کتب خانہ میں ہوا، ان میں سے خصوصاً اول الذکر دونوں کتابوں سے فتاوی تاتارخانیہ کے متعلق بعض نئے معلومات روشنی میں آئے،

قاضی شمس سراج عفیف نے اپنی تاریخ فیروز شاہی میں فتاوی تاتارخانیہ کا تذکرہ تفسیر تاتارخانیہ کے ساتھ اس کے ذیل میں کیا ہے، وہ لکھتا ہے :-

"تفسیر تاتارخانی کہ در جہان مشہورست آں تفسیر جمع کردہ تاتارخاں بود چنیں گویند راویان روایت وحاکیان حکایات کہ تاتارخاں خواست کہ تفسیرے مفصل مرتب کند تمام تفاسیر جمع کنانیدہ جماعۂ علمائے حاضر گردانیدہ، در ہر آیتے وکلمہ آں قدر مفسران گذشتہ کہ اختلاف نوشتہ بودند برائے تالیف تفسیر بدل وجان درنشست و در یکجا اختلاف حوالہ بداں صاحب تفسیر کردہ گوئی جملہ تفاسیر دریک تفسیر جمع گردانیدہ چوں آں تفسیر مرتب گشتہ تاتارخاں آں تفسیر را تفسیر تاتارخانی نام داشتہ، وہمچنیں خان اعظم طالب دین یک فتوی رست کنانیدہ واں بریں نوع بود کہ جملہ نسخ فتاوی شہر دہلی بر خویش جمع کرد در ہر مسئلہ در ہر کلمہ کہ اختلاف ہر یک مفتی ست در فتاوی خود نوشتہ واں را فتاوی تاتارخانی نام داشتہ و اختلاف ہر یک مفتی حوالہ بصاحب آں فتاوی کردہ ایں چنیں فتاوی موازنہ سی جلد مرتب شدہ"[۱]

عفیف کے اس بیان سے یہ چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں :-

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی ص ۳۹۱،

۱۔ فتاویٰ کی ترتیب و تدوین کی خدمت بھی، تفسیر تاتارخانیہ کی طرح ایک جماعت علما نے انجام دی

۲۔ خان اعظم تاتارخاں نے خاص طور پر اس خدمت کے لئے جماعت علماء کو مقرر کیا،

۳۔ یہ کتاب تصنیف پاکر "فتاویٰ تاتارخانیہ" سے موسوم ہوئی،

حاجی خلیفہ نے بھی اس کتاب کا ذکر اپنی کشف الظنون میں کیا ہے، مگر اس کا بیان عفیف کی مذکورۂ بالا تصریحات کے خلاف ہے، وہ لکھتا ہے،

"تاتارخانیہ" فی الفتاوی	تاتارخانیہ، فتاویٰ میں امام فقیہ عالم بن علاؒ
لامام الفقیہ عالم بن علا	حنفی کی تصنیف ہے، یہ ایک ضخیم کتاب کئی
الحنفی وھو کتاب عظیم فی	جلدوں میں ہے۔۔۔۔ اور اس میں خان اعظم
مجلدات ۔۔۔۔۔ وذکر انہ	تاتارخاں کے ایما سے مرتب ہونے کا ذکر آیا ہے
اشار الی جمعہ الخان الاعظم	اور چونکہ کتاب کو کسی نام سے موسوم نہیں کیا گیا
تاتارخان ولم یسمہ ولذلک	ہے، اس لئے اس تذکرہ کی وجہ سے تاتارخانیہ
اشتھر بہ وقیل انہ سماہ	کے نام سے مشہور ہو گئی، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ
زاد المسافر[1]	مصنف نے اس کو زاد المسافر کے نام سے
	موسوم کیا تھا،

پھر آگے چل کر "زاد المسافر" کے تحت میں یقین کے ساتھ لکھتا ہے،

"زاد المسافر فی الفروع"

وھو المعروف بالفتاوی	زاد المسافر فقہ میں ہے، یہ فتاویٰ تاتارخانیہ
التاتارخانیہ لعالم بن علاء الحنفی	کے نام سے موسوم ہے، عالم بن علا حنفی

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۱۱

المتوفی سنہ ست وثمانین وثمانمائۃ[1] متوفی ۸۸۶ھ کی تصنیف ہے،

شیخ عالم بن علاء حنفی کا ذکر نزہۃ الخواطر میں گلزار ابرار (تصنیف مولوی محمد غوثی) کے حوالہ سے آیا ہے، اس میں مذکور ہے :-

الشیخ الامام العالم الکبیر فرید الدین	شیخ امام عالم جلیل فرید الدین عالم
عالم بن العلاء الحنفی الاندرپتی	بن علاء حنفی اندرپتی فقہ اصول، اور عربی
احد العلماء المبرزین فی الفقہ	اور کے علماے ماہرین میں سے تھے، فقہ
والاصول والعربیۃ لہ الفتاوی	میں ان کی ایک کتاب تاتارخانیہ ہے،
التاتارخانیۃ فی الفقہ المسمی	جس کو انھوں نے زاد السفر سے موسوم
بزاد السفر صنفہ فی سنۃ سبع و	کیا ہے، اس کو انھوں نے ۷۷۷ھ میں
سبعین وسبعمائۃ للامیر الکبیر	تالیف کیا اور امیر کبیر تاتارخان کے نام
تاتارخان وسماہ باسمہ و	سے معنون کیا، فیروز شاہ کی خواہش تھی
کان فیروز شاہ یرید ان یسمیہ	کہ یہ کتاب اس کے نام سے معنون ہو لیکن
باسمہ فلم یقبلہ لصلات	مصنف اور تاتارخان کے درمیان جو مخلصانہ
کانت بینہ وبین تاتارخان[2]	روابط قائم تھے، ان کی وجہ سے مصنف
	نے اس کو قبول نہیں کیا،

---

[1] کشف الظنون جلد ۲ ص ۳۰۵ یہ ظاہر ہے کہ عالم بن علاء کا سال وفات ۸۸۶ھ یہاں غلط درج ہو گیا ہے، زمانہ کے اعتبار سے اس کو ۷۸۶ھ ہونا چاہئے، معلوم ہوتا ہے یہ لفظی مسامحت نقل در نقل سے کشف الظنون میں بلاتحقیق

[2] فتاویٰ تاتارخانیہ کا سال تصنیف ۷۷۷ھ قرار دینا محل نظر ہے کیونکہ تاتارخان کا سانحہ وفات جیسا اس کے سوانح میں درج ہو چکا ہے ۷۵۲ھ سے پہلے پیش آچکا تھا [3] نزہۃ الخواطر ص ۶۰

ان اقتباسات بالا سے ظاہر ہوا کہ

۱۔ تاتارخانیہ کی ترتیب کی خدمت ایک ہندوستانی عالم شیخ فریدالدین عالم بن علاء کے ہاتھوں انجام پائی، نہ کہ علماء کی کسی جماعت نے تاتارخان کہا جاتا ہے اس کے اہتمام میں اس کو مرتب کیا ہے۔

۲۔ بلکہ صاحب گلزار ابرار کے لکھنے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تصنیف کی تدوین ایسے شخصی اور انفرادانہ طریقہ سے عمل میں آئی، کہ اگر مصنف چاہتا تو فیروز شاہ کی خواہش کے بموجب اس کو تاتارخان کے بجائے اس کے نام سے معنون کرتا، اس طرح تاتارخان سے اس کتاب کا تعلق محض برائے نام رہ جاتا ہے۔

۳۔ اس کتاب کا نام فتاویٰ تاتارخانیہ اصل نام نہیں ہے، جس سے اس کو مصنف نے موسوم کیا ہے، بلکہ اس میں تاتارخان کے ذکر کے آنے کی وجہ سے اس نام سے اس کی شہرت ہو گئی ہے۔

۴۔ اس کا نام حاجی خلیفہ کے بیان کے مطابق زاد المسافر اور صاحب گلزار ابرار کی روایت کے بموجب زاد السفر رکھا گیا ہے۔

قاضی شمس سراج عفیف، حاجی خلیفہ، اور صاحب گلزار ابرار کے ان بیانوں میں جو اختلافات ہیں، ان کی تصحیح فتاویٰ تاتارخانیہ کے اصل نسخہ سے بہت کچھ ہو سکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ رامپور، حیدرآباد اور مصر کی فہرستیں بالکل مجمل ہیں، خدیویہ مصر کی فہرست میں مرتب نے صرف کشف الظنون کی عبارت نقل کر دی ہے، ان فہرستوں میں اصل نسخہ کے حوالہ سے اس کتاب پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے، لیکن خوشی کی بات ہے کہ کتب خانہ مشرقی بانکی پور کے فہرست نگار نے اپنا فرض ادا کیا ہے، اور اصل نسخہ سے مدد لے کر اس کتاب کے متعلق معلومات فراہم کئے ہیں، اس سلسلہ میں فتاویٰ تاتارخانیہ کے مقدمہ کی ایک عبارت خاص طور پر مفید مطلب ہے، مقدمہ میں مذکور ہے :-

اما بعد فقد اشار الی	مجھے اس کی تالیف کے لئے خان اعظم تاتار
الخان الاعظم تاتارخان ... وقد	خان نے اشارہ کیا ہے ..... اور میں نے اللہ

سئالت اللہ ان التشمر لجمع کتاب	دعا کی کہ کتاب فتاوی کو جمع کرنا شروع
الفتاوی.... ولا جرم تتبعت فی	کرون.... چنانچہ مین کتابون کے جمع کرنے
جمع الکتاب ورتبت ابوابہ علی	مین لگا، اور اس کے ابواب ہدایہ کی ترتیب
ترتیب الھدایہ وسمیتہ بالفتاوی	پر قائم کئے، اور اس کو مین نے فتاوی تاتار
التاتارخانیہ[1]	خانیہ سے موسوم کیا،

مقدمہ کی اس عبارت مین اگرچہ مصنف نے اپنا نام نہین لیا ہے اگر زیر بحث امور مین سے چند باتین صاف ہوجاتی ہین،

۱- فتاوی کے جمع و ترتیب کی تحریک خان اعظم تاتارخان کی طرف سے ہوئی، اور اسی کے ایما و ہدایت کے مطابق اس کی ترتیب عمل مین آئی،

۲- اس کا نام نہ زاد المسافر رکھا گیا، اور نہ زاد السفر، بلکہ اس کو فتاوی تاتارخانیہ ہی کے نام سے موسوم کیا گیا تھا، نہ کہ محض اس نام سے اس کی شہرت ہوگئی ہے،

لیکن پھر زاد المسافر یا زاد السفر سے اس کے موسوم کئے جانے کی روایت کہان سے چلی تو سردست اس کا پتہ لگانا دشوار ہے آیندہ اگر شیخ عالم بن علاء کے مزید سوانح اور ان کی تصنیفات کا سراغ لگ سکا تو شاید یہ مشکل حل ہوجائے،

۳- مقدمہ کی اس عبارت سے اس روایت کا بے اصل ہونا بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ فیروزشاہ نے اس کو اپنی طرف منسوب کرنا چاہا، مگر مصنف اس پر آمادہ نہین ہوا کہ دراصل مصنف کو اس کتاب کی ملکیت کا آزادانہ اختیار حاصل نہ تھا کہ وہ اگر چاہتا تو تاتارخان کے بجاے فیروزشاہ سے اس کو منسوب کردیتا، پھر فیروزشاہ کی طرف سے کسی ایسی خواہش کا ظاہر ہونا اس کے شاہانہ وقار سے فروتر تھا،

---

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۹ ص ۱۴۲ ۔

اور اگر وہ خواہش ظاہر ہو چکی ہوتی، تو خان اعظم تاتارخان کا تعلق اس تصنیف سے جس نوعیت کا تھا، اور دوسری طرف فیروز شاہ اور تاتارخان کے درمیان جیسے مخلصانہ مراسم تھے، ان امور پر نظر رکھ کر تاتارخان کے اخلاق سے یہ بعید تھا، کہ وہ اپنے آقا کی خاطر اتنا معمولی سا ایثار بھی گوارا نہ کرلیتا،

اس لئے اس روایت کو ایسی افواہون مین شمار کرنا چاہئے جو کسی کتاب یا مصنف کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے مشہور ہو جاتی ہین، اور صاحب گلزار ابرار نے اسی قسم کی ایک افواہ کو بے سند اپنی تصنیف مین قبول کرلیا ہے،

باقی رہا یہ سوال کہ یہ شیخ عالم بن علار کی تصنیف ہے، یا علما، کی ایک جماعت نے مل کر اس کو مرتب کیا ہے، تو اس مین کچھ زیادہ پیچیدگی نہین ہے، اگرچہ مقدمہ مین جامع فتاویٰ نے اپنا نام ظاہر نہین کیا ہے لیکن عبارت مین اپنا ذکر بصیغۂ واحد لایا ہے، پھر بانکی پور کے کتب خانہ مین ایک نسخہ پر یہ بھی مکتوب ہے کہ

نقل عالم بن علاء الھندی فی الفتاوی التاتارخانیہ[1]

عالم بن علار ہندی نے فتاویٰ تاتارخانیہ مین نقل کیا ہے،

اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اس زمانہ مین اہل علم کے درمیان جن مین یہ کتاب متداول تھی اس کے جامع کی حیثیت سے عالم بن علار ہندی کا نام معروف تھا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ تیس جلدون کی ضخیم کتاب کی تیاری کا کام تھوڑی مدت مین کسی ایک شخص کی تنہا خدمت سے انجام پانا دشوار ہے اس لئے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ قاضی شمس سراج عفیف کے بیان کے مطابق اس خدمت کو علمار کی ایک جماعت نے انجام دیا ہوگا، اور جمع و ترتیب کی آخری ذمہ داری شیخ عالم بن علار اندپتی کے سپرد اسی طرح ہوگی، جیسے کہ فتاویٰ عالمگیریہ کی ترتیب کی ذمہ داری شیخ نظام کے

---

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور جلد ۱۹ ص ۱۱۶

کے سپرد تھی اس لئے شیخ عالم بن علاء اندرپتی کو دورِ حاضر کی اصطلاح میں مرتب کہا جا سکتا ہے، اور مقدمہ کی عبارت بھی انہی کے قلم کی بھی جا سکتی ہے، اس لئے اگر اس تصنیف کی نسبت ان کی طرف کی جائے، تو کوئی ناموزون بات بھی نہیں ہے۔

الغرض فقہ کا یہ عظیم الشان کارنامہ خانِ اعظم تاتارخان کے علمی و دینی شغف سے عالم وجود میں آیا، اس کے اہتمام میں اور اس کے مصارف سے یہ تصنیف تیار ہوئی، اور ترتیب و تدوین کی خدمت شیخ عالم ابن علاء اندرپتی کی نگرانی میں علماء کی ایک جماعت کی معاونت سے اتمام کو پہنچی،

ماخذ اور کتاب کی ترتیب | حاجی خلیفہ نے فتاویٰ تاتارخانیہ کے ماخذ اور کتاب کی ترتیب کا بھی تذکرہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے :-

جمع فیہ مسائل المحیط البرھانی	اس میں محیط برہانی، ذخیرہ، خانیہ اور
والذخیرۃ والخانیۃ والظھیریۃ	ظہیریہ کے مسائل جمع کئے ہیں، اور المحیط
وجعل المیم علامۃ للمحیط	کے لئے میم کی علامت مقرر کی ہے[1] و بقیہ
وذکر اسم الباقی وقدم بابا فی	کے نام لکھے ہیں، اور شروع میں ایک
ذکر العلم ثم رتب علی ابواب	باب علم کے بیان میں لکھا ہے[1] اور ہدایہ
الھدایۃ	کے ابواب کے مطابق کتاب مرتب کی ہے

حاجی خلیفہ نے اپنی عام روش کے خلاف کتاب کے ابتدائی جملے نقل کئے ہیں، اور نہ باب العلم سے پہلے جو مقدمہ منسلک ہے، اس کا تذکرہ کیا ہے، بانکی پور کی فہرست میں کتاب کے نسخہ میں آغاز کے حسب ذیل فقرے نقل کئے گئے ہیں،

"الحمد للہ الذی صیر الفقہاء انجما للاھتداء وجعل ربنا علی ما صنع

---

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۲۱۱،

علینا من العطاء علیہ"[1]

اسی طرح مقدمہ سے اخذ کرکے اس کتاب کے مآخذ میں ۲۰ کتابوں کے صرف نام درج کئے ہیں،
لیکن نہ ان کتابوں کے مصنف کے نام لکھے گئے ہیں، اور نہ ان کے زمانہ کی تعیین کی گئی ہے، اسی طرح
کشف الظنون میں بعض کتابوں کے ضمن میں ذکر آیا ہے، کہ اس کا حوالہ تاتارخانیہ میں آیا ہے، مگر خود تاتارخانیہ
کے مقدمہ میں جو فہرست ہے اسمیں اس کتاب کا نام موجود نہیں، اور نہ حاجی خلیفہ نے خود جہاں تاتارخانیہ کا
ذکر کیا ہے وہاں اس کتاب کو اس کے ماخذ میں شمار کیا ہے، بہرحال تاتارخانیہ کے ماخذ کی فہرست ان
کے مصنفین کے نام، ان کا یا اُن کی تصنیف کا زمانہ اور کتابوں کے قلمی یا مطبوع صورت میں موجود ہونے
کی تصریح حسب ذیل ہے،

۱۔ المحیط کے نام سے زیادہ معروف محیط سرخسی ہے، مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ تاتارخانیہ
کے ماخذ میں المحیط البرہانی رہی ہے جس کی تائید حاجی خلیفہ کی تصریح سے بھی ہوتی ہے، یہ صاحب ذخیرۃ
الفتاوی برہان الدین محمود بن تاج الدین احمد بن عبد العزیز الصدر الشہید المتوفی سنہ ۶۱۶ھ کی تصنیف ہے
اس کا نسخہ خدیویہ مصر میں نمبر د ۱۲ کے نشان کے ساتھ موجود ہے، اور جیسا کہ حاجی خلیفہ کا بیان اوپر
گذرا، یہ تاتارخانیہ کے اہم مآخذ میں رہی ہے، اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا گیا ہے جس نے حوالہ میں اس کا
نام بار بار لکھنے کے بجائے اس کے لئے میم کی علامت اختیار کی گئی ہے،

۲۔ ذخیرۃ الفتاوی شیخ برہان الدین المتوفی سنہ ۶۱۶ھ موصوف کی یہ دوسری کتاب ہے جو
مآخذ میں رہی ہے، اس کے نسخے خدیویہ مصر (ج ۲ ص ۵۱) اور بانکی پور (نمبر کتاب ۱۲۷۵، جلد ۱۹ ص ۱۶۰)
میں موجود ہیں،

۳۔ فتاوی ظہیریہ، تصنیف ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد القاضی المحتسب بخارا المتوفی سنہ ۶۱۹ھ۔

---

[1] فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱ صفحہ ۱،

(موجود در بانکی پور نمبر ۷، ۱۷، وحیدر آباد)

۴۔ فتاوی خانیہ معروف بہ فتاوی قاضی خان، تصنیف فخرالدین ابوالمحاسن حسن بن منصور اوزجندی فرغانی المتوفی ۵۹۲ھ (مطبوع)

۵۔ کتاب الخلاصہ: تصنیف افتخار الدین طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری المتوفی ۵۴۲ھ

(موجود بانکی پور نمبر ۱۶۱۶، وخدیویہ ج ۲ ص ۱۳۲)

۶۔ جامع الفتاوی:۔ تصنیف ناصر الدین ابوالقاسم محمد بن یوسف سمرقندی متوفی ۵۵۶ھ

(موجود خدیویہ مصر ص ۲۲)

۷۔ جامع الفقہ معروف بالفتاوی العتابیہ، تالیف ابونصر احمد بن محمد عتابی بخاری متوفی ۵۸۶ھ

(خدیویہ ج ۲ ص ۴۴)

۸۔ فتاوی سراجیہ کے نام سے تین مصنفین کی کتابین ہین، ایک سراج الدین عمر بن اسحاق المعروف بہ سراج ہندی المتوفی ۷۷۳ھ کی ہے، دوسری ابوطاہر محمد بن محمد کی طرف منسوب ہے، تیسری سراج الدین علی بن عثمان اوسی فرغانی کی ہے، جو ۵۶۹ھ مین ترتیب پائی، غالبًا موخرالذکر مصنف کی کتاب تاتارخانیہ کے ماخذ مین رہی ہے، بانکی پور، خدیویہ اور دارالمصنفین مین اس کے نسخے موجود ہین، کلکتہ اور لکھنؤ سے ۱۸۲۷ء اور ۱۲۹۳ھ مین طبع ہو چکی ہے،

۹۔ الحجہ سکے نام سے افسوس ہے کہ فقہ حنفی مین کسی ایسی کتاب کا پتہ نہین چلا، جو آٹھوین صدی ہجری تک تصنیف پا چکی ہے، اور اس کو تاتارخانیہ کے ماخذ مین سمجھا جائے۔

۱۰۔ فتاوی غیاثیہ:۔ تالیف شیخ داؤد بن یوسف خطیب، یہ سلطان غیاث الدین کے لئے تالیف پائی تھی، خدیویہ مصر اور دارالمصنفین مین اس کے نسخے موجود ہین، ۱۳۲۲ھ مین بولاق سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے،

۱۱۔ التہذیب کے نام سے دو کتابیں فقہ میں ہیں لیکن وہ دونوں شافعی فقہار کی لکھی ہوئی ہیں، اور بظاہر تاتارخانیہ کے مآخذ میں نہیں ہیں، فقہ حنفی میں ایک کتاب تہذیب لذہن اللبیب فی الفروع ہے، کشف الظنون میں مذکور ہے، کہ یہ خیرۃ الفقہار سے بھی موسوم ہے، (ج ۱ ص ۳۵۲) لیکن خیرۃ الفقہا نام کی کسی کتاب کا ذکر آگے چل کر اس میں موجود نہیں، البتہ خیرۃ الفتاوی سے موسوم ایک کتاب علی بن محمد بن احمد بن عبد اللہ بن نصیر الدین ملکان البرقوانی کی ہے، مصنف کا زمانہ تاتارخانیہ سے متقدم سمجھا جا سکتا ہے، اس لئے اگر التہذیب سے یہ کتاب مراد ہو سکتی ہے، تو یہ مآخذ میں سمجھی جا سکتی ہے،

۱۲۔ التجرید کے نام سے دو کتابیں ہیں، ایک رکن الدین عبد الرحمن بن محمد المعروف با بن امیر دبید کرمانی متوفی ۵۴۲ھ کی ہے، مصنف نے خود اس کی شرح الایضاح کے نام سے لکھی تھی، پھر شمس الائمہ تاج الدین عبد الغفار بن لقمان متوفی ۵۶۲ھ نے بھی المفید والمزید کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے، دوسری کتاب تجرید القدوری کے نام سے معروف ہے، یہ امام ابوالحسین احمد بن محمد متوفی ۴۲۸ھ کی تصنیف ہے، لیکن اول الذکر کتاب کا مآخذ میں ہونا زیادہ ممکن ہے،

۱۳۔ نوازل فی الفروع امام ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی متوفی ۳۹۳ھ[۱] کا مشہور

---

[۱] امام ابو اللیث سمرقندی کے سال وفات میں اختلافات ہیں، مدینۃ العلوم میں ماہ جمادی الاخری ۳۹۳ھ درج ہے، ملا علی قاری نے اپنی طبقات میں ۳۷۳ھ لکھا ہے، قاضی عیاض نے اپنی شرح الشفا میں ۳۸۳ھ درج کیا ہے، صاحب کشف الظنون نے مختلف کتابوں کے تحت میں مختلف جگہ ان کا ذکر کیا ہے، اور مختلف سنین ۳۷۵ھ (ذکر تفسیر القرآن)، ۳۷۳ھ (ذکر شرح الجامع) ۳۸۳ھ (ذکر خزانۃ الفقہ) درج کئے ہیں، کفوی نے ۳۷۳ھ لکھا ہے، (الفوائد البہیہ ص ۹۲) اسی طرح خدیویہ مصر کی فہرست میں نوازل کے ذکر میں متوفی ۳۹۳ھ (جلد ۲ ص ۱۴۴) اور خزانۃ الفقہ کے تذکرہ کے موقع پر ۳۷۳ھ ہجری لکھا ہے، (جلد ۲ ص ۴۳) ہم نے آخر سے آخذ تا ۳۹۳ھ کو اسے ہم اختیار کیا ہے،

مسائل ہے، اس پر صاحب ہدایہ نے بھی مختارات مجموع النوازل کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، نوازل کا نسخہ بانکی پور اور خدیویہ (ج ۲ ص ۴۴) میں موجود ہے،

۱۴۔ الہدایہ :۔ تصنیف برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل فرغانی مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ (مطبوع و متداول)

۱۵۔ النہایہ شرح ہدایہ تصنیف حسام الدین حسین بن علی بن حجاج صغناقی (تصنیف ۷۰۰ھ) المتوفی ۷۱۰ھ بانکی پور کتاب نمبر ۱۶۲۴ و خدیویہ (ج ۲ ص ۱۴۵) میں موجود ہے،

۱۶۔ کفایہ شرح ہدایہ، تصنیف سید جلال الدین بن شمس الدین خوارزمی کرلانی (مطبوع و متداول) اس کی نسبت تاج الشریعہ محبوبی کی طرف بھی کی گئی ہے، مگر صحیح نہیں،

۱۷۔ وقایہ تصنیف محمود بن صدر الشریعہ احمد بن جمال الدین المحبوبی (الموجود ۶۷۳ھ) بانکی پور کتاب نمبر ۱۶۵۳ و خدیویہ مصر ج ۲ ص ۱۴۸

۱۸۔ الحاوی القدسی :۔ تصنیف احمد بن محمد بن سعید غزنوی متوفی ۵۹۳ھ، (بانکی پور کتاب نمبر ۱۶۲۴)

۱۹۔ جامع الجوامع کے نام سے ایک سے زیادہ کتابیں ہیں، لیکن کون سی تاتارخانیہ کے ماخذ میں رہی ہے، اس کی تعیین کرنا دشوار ہے،

۲۰۔ فتاوی ناطقی مقدمہ تاتارخانیہ کی طرح کشف الظنون میں بھی صرف اس کا نام درج کرکے چھوڑ دیا گیا ہے، کسی کتب خانہ میں اس کا پتہ نہیں چلا،

۲۱۔ خزانۃ الفقہ تصنیف امام ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۹۳ھ خدیویہ (ج ۲ ص ۲۳) میں اس کا نسخہ موجود ہے

۲۲۔ الفتاوی الکبری حسام الدین ابو محمد عمر بن عبد العزیز المقتول ۵۳۶ھ بانکی پور اور رامپور میں نسخے موجود ہیں

۲۳۔ الفتاوی الصغریٰ ۔ بانکی پور اور رام پور میں نسخے موجود ہیں،

۲۴۔ ینبوع النوازل، مقدمہ تاتارخانیہ میں صرف الینبوع کے نام سے اس کا ذکر آیا ہے، حاجی خلیفہ نے ینبوع النوازل کے نام سے ایک کتاب کا ذکر کیا ہے، مگر مصنف کا نام اور زمانہ تصنیف مذکور نہیں،

۲۵۔ المختار، تصنیف ابو الفضل مجد الدین عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلی متوفی ۶۸۳ھ، خدیوی (جلد ۲ ص ۱۷۹) میں اس کا نسخہ موجود ہے،

۲۶۔ المضمرات کو جامع المضمرات و المشکلات بھی کہتے ہیں، یہ قدوری کی شرح ہے، تصنیف شیخ یوسف بن عمر بن یوسف کادوری (حیدرآباد جلد ۲ ص ۱۱۰۶)

۲۷۔ فتاوی نسفی، تصنیف نجم الدین عمر بن محمد نسفی، معروف بہ علامہ سمرقندی متوفی ۵۳۷ھ، کسی کتب خانہ میں اس کا نسخہ موجود ہے، اس وقت یاد نہیں آتا، کہ کس فہرست میں نظر سے گذرا تھا،

۲۸۔ الصیرفیہ (فتاوی آہو) تصنیف مجد الدین اسعد بن یوسف بن علی البخاری الصیرفی المعروف باہو، اس کا تذکرہ مقدمہ تاتارخانیہ میں نہیں ہے، حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ اس کا ذکر تاتارخانیہ میں آیا ہے،

۲۹۔ فتاوی الصدر الشہید کے متعلق بھی کشف الظنون میں مذکور ہے، کہ اس کا ذکر تاتارخانیہ میں آیا ہے، غالباً یہ شیخ حسام الدین مقتول ۵۳۶ھ کی الفتاوی الکبری ہی کا دوسرا نام ہے،

ماخذ کی فہرست پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی کے فقیہ ابو اللیث سمرقندی کی دو کتابوں کے سوا جتنی کتابیں ہیں، وہ تقریباً سب کی سب چھٹی اور ساتویں صدی کی تصنیفات ہیں، بلکہ آٹھویں صدی کے ہمعصر مصنفین کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، صدر اول کی تصنیفات کو سامنے نہ رکھنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ چھٹی سے آٹھویں صدی تک کی اہم فقہی تصنیفات میں ان کے مباحث، دلائل اور فتاوی منتقل ہو چکے تھے لیکن اصل ماخذ ان کو نظر انداز کرنے کی یہ کوئی معقول وجہ نہیں سمجھی جا سکتی، خوشی کی بات ہے، کہ آگے چل کر عالمگیر کے عہد میں یہ کمی پوری ہو گئی، اس لحاظ سے فتاوی عالمگیریہ کو تاتارخانیہ پر تقدم حاصل ہے

بایں ہمہ فتاوی تاتارخانیہ کی یہ اہمیت نظرانداز کئے جانے کے لائق نہیں کہ پہلی سے آٹھویں صدی ہجری تک کی تین صدیوں میں فقہ حنفی کا جو کچھ سرمایہ اکٹھا ہوا تھا، تاتارخانیہ میں اس کا عطر کھینچ کر آگیا ہے، اور اس لحاظ سے یہ کتاب بڑی قابلِ قدر ہے،

انتخاب فتاوی تاتارخانیہ | یہی وجہ ہے کہ عالم اسلامی کے علمی حلقوں میں اس کو قبولیت حاصل ہوئی، چنانچہ حلب کے ممتاز صاحبِ فضل اور فقہ حنفی کی مشہور تصنیف ملتقی الابحر کے مصنف شیخ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم المتوفی ۹۵۶ھ نے جو قسطنطنیہ کی جامع سلطان محمد کی امامت، خطابت اور دیار رومیہ کے منصب افتاء پر فائز تھے، اس کا ایک انتخاب تیار کیا، کشف الظنون میں ہے،

ثم ان الامام ابراهيم بن محمد الحلبي	امام ابراہیم بن محمد حلبی المتوفی ۹۵۶ھ نے
المتوفی سنة ۹۵۶ھ لخصه فی مجلد	اس کی تلخیص ایک جلد میں تیار کی ہے،
وانتخب منه ما هو غريب او	اور اس میں نادر اور ایسے کثیر الوقوع مسائل
كثير الوقوع وليس فی الكتب	کو منتخب کیا ہے، جو بجز اس کے عام کتب
المتداولة والتزم بتصريح	متداولہ میں نہیں پائے جاتے، اور کتابوں
اسامی الكتب[1]،	کے نام کی تصریح کا التزام رکھا ہے،

شیخ ابراہیم حلبی کے مفصل سوانح حیات اعلام النبلاء ج ۵ ص ۵۶۰ و شذرات الذہب ج ۸ ص ۳۰۰ میں مذکور ہیں، اور ان میں ان کی اس کتاب کا ذکر بھی آیا ہے،

فتاوی تاتارخانیہ کے نسخے | فتاوی تاتارخانیہ کے مختلف نسخے مختلف کتب خانوں میں ہیں، کتب خانہ مشرقی بانکی پور میں اس کی تین جلدیں ہیں، پہلی جلد نمبر ۱۵۱۷، کتاب الرضاع کے کچھ حصوں پر آکر ختم ہوئی ہے اسی طرح کی ایک دوسری جلد تین حصوں میں تقسیم ہے، پہلا حصہ کتاب البیوع سے متعلق ہے اس کے آخری حصے ۹۶۳ھ کے مکتوب ہیں، ان میں کتاب اللقطہ، کتاب الطلاق، کتاب الحدود، کتاب اللقیط، کتاب الآبان، کتاب المفقود، کتاب الشرکہ، اور کتاب الوقف

کے ابواب ہین، پھر پہلی جلد کا ایک دوسرا نسخہ کتاب الحج تک ہے، اس کے سرورق کی ایک تعلیق ہے جو ۱۱۵۲ھ کی لکھی ہوئی ہے، یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ حافظ شیخ عبدالحق حیدرآبادی کی ملکیت مین رہ چکا ہے، نیز مفتی عبدالرحیم کی ایک مہر ۱۱۸۶ھ کی اس پر لگی ہوئی ہے۔[۵۱]

کتب خانہ خدیویہ مصر مین بھی اس کے چند نسخے موجود ہین، ان مین سے چوتھی جلد محمد نوری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ۱۰۶۲ھ کی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان کی یہ تالیف نوین صدی مین عالم اسلامی مین پہنچ چکی تھی۔[۵۲]

اس کی سب سے زیادہ اور مکمل جلدین کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد مین ہین، اس مین پہلی سے نوین تک مسلسل نو جلدین ہین،[۵۳] افسوس ہے کہ اس کتب خانہ کی فہرست بہت اجمالی چھپی ہے جس سے کوئی مزید واقفیت حاصل نہین ہوئی،

رامپور کے کتب خانہ مین اس کے دو مجلد ہین، پہلا مجلد، جلد اول کا ہے، جو ۷۶۵ صفحات پر مشتمل ہے، اس مین کتاب الطہارۃ سے کتاب الوقف تک کے ابواب ہین، دوسرے مجلد مین ۹۰۲ صفحات ہین، اس مین کتاب الکفالہ سے آخر کتاب الوصایا تک کے مضامین ہین، ان دونون جلدون کی تقطیع بڑی اور خط نستعلیق ہے۔[۵۴]

برٹش میوزیم کے ایک مجموعہ مین ایک کتاب منہاج البیان کے اقتباسات کے ساتھ الفتاوی التاتارخانیہ کے اقتباسات بھی ہین، اس مجموعہ کا نمبر ۱۱۵۹ ہے۔[۵۵]

اس طرح ہندوستان کی یہ اہم فقہی تصنیف جو تیس جلدون مین بتائی جاتی ہے، ابھی تک

---

۵۱ فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۹ ص ۱۵، ۱۶، ۵۲ فہرست مخطوطات کتب خانہ خدیویہ مصر ج ۳ ص ۔
۵۳ فہرست کتب خانہ آصفیہ ج ۲ ص ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۵۴ فہرست کتب عربی مخطوطات کتب خانہ رامپور ص ۲۲۲،
۵۵ ضمیمہ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ص ۱۵۷،

قلمی شکل میں محض کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہے، حیدرآباد میں اس کے زیادہ مکمل نسخے موجود ہیں، اور وہیں دائرۃ المعارف اور مجلس احیاء المعارف النعمانیہ قدیم قلمی کتابوں کی طبع و اشاعت کی خدمتیں انجام دے رہی ہیں، کیا اچھا ہو کہ ہندوستان کا یہ علمی سرمایہ زیورِ طبع سے آراستہ کر لیا جائے تاکہ اس کی اشاعت سے چھٹی سے آٹھویں صدی ہجری تک کے فقہ حنفی کے بہت سے علمی نوادر کا مرقع نیز ہندوستان کے عہدِ اسلامی کا ایک مایۂ ناز سرمایہ منظرِ عام پر آ جائے، اور اہلِ علم کے حلقہ کی ایک ضرورت پوری ہو،

عمادی غزنوی

از

جناب غلام مصطفیٰ خان ایم اے ال ال بی (علیگ) لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج (امراؤتی برار)

ڈاکٹر ریو نے برٹش میوزیم کی فہرست (ج ۲ - ص ۵۵۰ بعد) میں عمادی کے بعض ممدوحین، اور اس کے بعض سنین کی تعیین کی تھی، پھر علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے بھی (بیست مقالہ ج ۲، ص ۲۶۵ بعد) عمادی کے بعض ممدوحین کے متعلق تحقیق کی ہے، لیکن ان دونوں فاضلوں نے اُس کلام کا تجزیہ نہیں کیا، جس کو بعض کاتبوں نے "عمادی" تخلص کے دو شاعروں کی بجائے ایک ہی کا سمجھ کر خلط ملط کر دیا ہے، ہم یہاں کوشش کرتے ہیں کہ ایسے کلام کو علیحدہ علیحدہ کرکے ان دونوں شاعروں کے درباری تعلقات کی وضاحت کریں، چنانچہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے مخطوطے کی طرف رجوع کرتے ہیں اس مخطوطے میں بھی سب سے قدیم[1] ممدوح سیف الدین عماد الدولہ فرامرز بن رستم بن قالن

---

[1] مونس الاحرار (حبیب گنج، ص ۴۹۲) میں عمادی غزنوی کا ایک قصیدہ برکیارُق کے چچا ارغون (م ۴۸۹ھ / ۱۰۹۶ء) راحت الصدور، ص ۱۴۳) کی مدح میں ملتا ہے،

اے پرچمی از مشک بعد از دہ خالے	مسکین دل من گشت ز خال تو بحالے
شاہ و ہمہ شاہان ملک ارغون کہ ندا	در مردی و فرہنگ نظیرے و ہمالے

سید حسن غزنوی (م ۵۵۶ھ) نے اسی کی تقلید میں ایک قصیدہ (مخطوطہ انڈیا آفس نمبر ۱۳۰۵) لکھا تھا جس کا مطلع یہ ہے:

اے یافتہ از چہرۂ تو حسن کمالے	داد دست جمالیت خدا و چہ جمالے

[2] اس ممدوح اور اس کے خاندان کے متعلق رابینو کی کتاب "مازندران" (ص ۱۳۵) اور نہایۃ الارب کی

حاکم مازندران ہے، اس کی مدح مین متعدد قصیدے ہین، کیونکہ یہ اس کا خاص ممدوح ہے، بلکہ صاحب راحت الصدور (ص ۱۰۲) نے لکھا ہے کہ شاعر نے اپنا تخلص اسی کے نام (لقب) "عماد الدولہ" کی وجہ سے اختیار کیا تھا، اس ممدوح کی حکمرانی کے متعلق تو کوئی بات تاریخ مین نہین ملتی، البتہ اس کے باپ شمس الملوک رستم بن قارن کی حکومت (مازندران) کے بارے مین کہ وہ ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء سے ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء تک تھی، ضرور حال معلوم ہو سکتا ہے، یہان شاعر کے مختلف قصائد کے چند ایسے اشعار نقل کرنا مناسب ہوگا جن سے اس ممدوح کے القاب کی توضیح ہوجائے،

قطب الملوک شاہ عماد دول کہ چرخ — ہر ساعتے ز قدرت او امتحان برد

شاہ سیف الدین عماد الدولہ کز تعظیم او — از کف او ہرچہ خواہد رایگان می افگند

قطب ملکان عماد دولت — کز حرف زمانہ شد مسلّم

سرمایۂ داد و دین فرامرز — کز ہیبت او حصار داریم[۱]

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۱) تاریخ طبرستان (ص ۱۹ ۲ بعد) ملاحظہ فرمائین، ریو (فہرست برٹش میوزیم ۲-۵۰۸) کا خیال ہے کہ عمادی کا یہ شعر ظاہر کرتا ہے کہ عماد الدولہ کا باپ فرامرز تھا،

شاہ فرامرز زاد دولت و دین را عماد — خسرو مازندران سایۂ نیک اختری

یہی قرات ہمارے مخطوطے مین بھی ہے، لیکن علامہ قزوینی کا خیال (بیست مقالہ ۲-۲۶۹ ح) صحیح ہے کہ اس کے پہلے مصرع مین "زاد" کی بجائے "راد" ہونا چاہئے، یہان بھی یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ اس شعر کے پہلے جتنے اشعار تمہید مین ہین، وہ سب کے سب کلیات سنائی (غزلیات ص ۱۱۰، بمبئی ۱۳۲۸ھ) مین سنائی سے بھی منسوب ہین، اور وہ قصیدہ سلطان بہرام شاہ غزنوی (م ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء) کی مدح مین ہے،

[۱] علی گڈھ کے مخطوطے کی جو نقل راقم الحروف کو مل سکی ہے، اس مین کاتب نے اصل صفحات کے نمبر نہین دیئے، اس لئے نمبر دینے سے مجبوری ہے،

لیکن یہاں یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اس عماد الدولہ کی مدح کس عمادی نے کی تھی، ہم کو اسی مخطوطے کے حسب ذیل اشعار کی طرف رجوع ہونا پڑے گا،

اے مہر تو بر سپہر تمکین	ایمن شدہ از نماز پیشین
یک نکتہ بگوے تا بہ پشیت	جبریل امین شود شکر چین
از لطف بخند تا بماند	در پردۂ شرم شکل پروین
سرمایۂ جان عماد دولت	ملجار ممالک سلاطین
بے تو نہ بود کس و نہ باشد	مدح نہ بود تمام تر زین
بے تو نہ کند ضمان تن جان	ترتیب درین سخن بہ تضمین
زین است کہ از دلم جدا نیست	ہستی و بدن براہ غزنین
جستم ہمہ آرزو بہ تصریح	گفتم ہمہ رمزہا بہ تلقین
آن باد ترا کہ خواست داری	آمین دو راست پیش از آمین

چوتھے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ اُسی عماد الدولہ کی مدح میں ہے، اور ساتوین شعر سے یہی وضاحت ہوتی ہے، کہ شاعر غزنین کا ہے یعنی اس ممدوح کی تعریف عمادی غزنوی نے کی تھی، ذیل کے اشعار سے معلوم ہوگا، کہ شاعر ایک سال سے زیادہ عماد الدولہ کے دربار سے وابستہ رہا

اے کافر عشق تو مسلمان	دے دیو ہواے تو سلیمان
طاق است بہ عشق تو مجازی	بر طاق نہادہ وصل و ہجران
ہرچند مسلّی تو اودرا	در دولت شہریار ایران
قطب ملکان عماد دولت	سرمایۂ امن و پشت ایمان
شاہے کہ ز حضرتش رسیدہ	نزدیک ہمہ کس رسول احسان

عیداست شہا و عید یارین   رخ داشت ازین دیار پنہان

ممکن نہ بود بہ ہیچ حالے   عید این جا تو در خراسان

عید تو خجستہ باد ہرچند   بر من باشد ز عقل تاوان

زیرا کہ ہر آنچہ گفتم اول   زین قول ہمی شود پشیمان

ہرچند ز بودن سہ فرزند   نتوان گفتن بہ وصف یزدان

سودیست ز مایہ در گذشتن   این را عدم از وجود ایشان

سبحان اللہ شد از تمامے   کار تو چنانک وصف نتوان

در نعمت تو نکو نہ باشد   خوردن غم خاندان ویران

چھٹے شعر سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر پچھلے سال کی عید میں وہین مازندران مین تھا لیکن اس کا ممدوح جیسا کہ ساتوین شعر سے معلوم ہوتا ہے، اس وقت خراسان مین تھا، دسوین شعر مین شاعر اپنے تین لڑکون کا ذکر کرتا ہے، اور آخر مین اپنے خاندان سے جو غزنین مین ہوگا، اپنی مہجوری ظاہر کر رہا ہے۔

اس ممدوح کی مدح مین متعدد قصیدے ہین جن سے خیال ہوتا ہے، کہ وہ زیادہ عرصہ تک مازندران مین رہا ہوگا، پھر اُس کا مرثیہ بھی ملتا ہے، جس کے کچھ اشعار راحت الصدور (ص ۲۰۴) مین بھی ہین ،

درغم یار یار بایستے   یا غمم را کنار بایستے

تا بپایم ز روزگار مراد   پایہ ام روزگار بایستے

عوض چرخ اگر نخواہی یافت   باز مانہ شمار بایستے

در یکے غم چو جان بخواہم داد   یک چہ باشد ہزار بایستے

جو مرد دست یار ممکن نیست — مرد در صبر بار بایستے

مست و دیوانہ چند خواہم بود — زیرک و ہوشیار بایستے

این کہ من شرمسارم از مردم — بخت من شرمسار بایستے

از فریب جہان عمادی را — نفسے زینہار بایستے

این ہمہ آرزو بیافتے — حضرت شہریار بایستے

شہ فرامرز کز معالیٔ او — اختران را شمار بایستے

چون مدارا نہ کرد با او مرگ — آسمان بے مدار بایستے

ایک رباعی بھی اسی مضمون پر ہے، جو راوی نے بھی نقل کی ہے،

اکنون کہ عماد دولہ در خاک آسود — از دیدۂ من خاک شود خون آلود

در خاک نہادہ چون تو انم دیدن — آن را کہ مرا ز خاک بر داشتہ بود

پھر ایک قصیدہ اسی عماد الدولہ کے لڑکے شمس الدولہ کے متعلق ملتا ہے، لیکن یہ ایسا شخص ہے، جس کے بارے میں تاریخ خاموش ہے، وہ قصیدہ یہ ہے :-

ہر کرا عشقت اختیار کند — بے قراری بر و قرار کند

گل رخسار تو بدست خیال — دیدہ ہا را ز خواب خوار کند

بوے زلفت بہ ہر کجا کہ رسد — صفت بوے شہریار کند

شاہ شمس عماد دین و دول — کہ بدو عالم افتخار کند

ملکے خسروے، خداوندے — کہ کفش طعنہ بر بہار کند

آن شہی کز رکاب عالیٔ تو — عقل افعال گوشوار کند

ہر چہ نقش وجود یافت کہ آن — نہ رضاے تو خواستار کند

بخداے و رسولؑ و نعتِ تو — کہ از آن نعتش گذار کند

لالہ دل باشد و چو در پشت — قامتِ خود بنفشہ وار کند

عید را مہرگان بہ میدان تاخت — تا ز درگاہ تو دراز کند

تا گر سعی تو بہ عیدِ رضا — مہرگان را امیدوار کند

اگر آخری اشعار سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ وہ عید مہرگان مین کبھی ہوئی تھی تو وہ زمانہ ممکن ہے کہ ۵۲۲ھ ۱۱۲۸ء کا ہو، بہر حال مازندران کے بعد وہ محمود بن محمد بن ملک شاہ (المتوفی ۵۲۵ھ ۱۱۳۱ء) کے دربار مین آیا ہوگا، جہان اُس نے یہ قصیدہ پڑھا ہوگا،

برآنی کہ غم بر دلِ من گماری — من از غم نہ ترسم بیا تا چہ داری

نہ نالم ز غم گرچہ بسیار باشد — و لیکن بنالم ز بےغم گساری

ز خواریِ ہجرِ تو سر بر نتابم — کہ رسمِ قدیم است در ہجر خواری

کہ با تو بس آید کہ ہمچون عمادی — بہ ہر حال در کارِ خود مرد کاری

بہ آئین نگاری بہ شکرانہ باید — کہ مدحِ خداوند بر جان نگاری

قسیم درم را و محمود بز غش — کہ بر چرخ را ایش کند بد باری

ہمارے مخطوطے مین اس محمود سلجوقی کے متعلق کچھ اور نہین ملتا، لیکن اُس کے بھائی طغرل بن محمد بن ملک شاہ (م ۵۲۹ھ ۱۱۳۴ء) کی مدح مین دو قصیدے ملتے ہین، ایک یہ ہے:-

اے زلف و رخت سپہر و اختر — وے روے و لبت بہشت و کوثر

طوطی سیاہ گوشہ بر لب — طاؤس سپید کار و در بر

از دوستیِ رُخِ تو ما را — آید غمِ تو بہ بوے مادر

از ما بپذیر جان اگرچہ — درخوردِ تو نیست این محقر

چون مدح را همی نگسن نه باشد   آن جا کہ لب تو گشت شکر

از خشک لب عمادی آخر   بشنو غزلی چو چشم او تر

تا تازہ کند حکایت تو   در بارگہ شہ مظفر

سلطان سپہر قدر طغرل   کز قبۂ دانش است برتر

خاک در او ست چرخ اعظم   عشر کف اوست بحر اخضر

لیکن دوسرا قصیدہ اہم ہے، کیونکہ اس سے یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ اسی عمادی (غزنوی) نے طغرل وغیرہ کی مدح کی تھی، وہ قصیدہ یہ ہے:۔

دلم از دست بردۂ جانی   چہ کنم با تو دوستی جانی

خون خود خوردم و بجز اہم خورد   از پئے وصل تو پشیمانی

جاودان مان کہ فر عشق تو بود   کہ عمادی شدہ ست سلطانی

آتین بوس تو شو دگردون   گلستان بوس شاہ ایرانی

شاہ طغرل کہ پیش گاہ ازل   آیتے ساختش جہان بانی

شہر یارے کہ شحنۂ رایش   رفت بالا ز حد امکانی

تنگ حالی ز وہم پیدا کرد   جاو او در فراخ میدانی

ز مدحش جہان بگیرد اگر   دامن طبع من نیفشانی

زان نشستی بہ تخت جد و پدر   تا در آفاق فتنہ بنشانی

ثالثت گفتم ار چہ نتو اند   گفتن اندر ثنا ترا ثانی[1]

---

[1] سید حسن غزنوی نے ۵۴۳ھ کے قریب مجد الدین ابو الحسن عمرانی کی مدح میں لکھا تھا، جو اسی زمین میں ہے۔

اے کہ تن ما و دل ہو دل را جانی   از دل و جان چہ نکو تر آنی

تیسرے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عمادی نے اپنا تخلص اسی دربار میں آکر بدل دیا ہے، اور عمادی کی بجائے وہ "سلطانی" ہوگیا ہے، راحت الصدور (ص ۲۰۹) میں اسی بانیدانی مداح (یعنی عمادی غزنوی) کو اس ممدوح سے وابستہ کہا گیا ہے، اور چونکہ اس کے مؤلف کا زمانہ شاعر سے قریب تھا، اس لئے ماننا پڑتا ہے، کہ وہی عمادی ہوگا، اور وہ طغرل کے دربار میں آگیا ہوگا، نیز اس شعر میں ممدوح کے والد محمد اور دادا ملک شاہ کے متعلق بھی اشارہ کیا ہے، اسی شعر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ طغرل کی تخت نشینی کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہوگا، جب کہ یہ قصیدہ شاعر نے پیش کیا ہوگا، وہ زمانہ ۵۲۵ھ / ۱۱۳۱ء کا ہوگا،

شاعر کو طغرل سلجوقی کے دربار تک رسائی ایک امیر باز "قتلغ" کے ذریعہ ہوئی تھی، تاریخ میں اس شخص کا نام بھی نہیں ہے، لیکن اس قصیدہ میں اس طرح ہے :-

دست در ہم نمی کند کارم — پاے مردی نمی کند یارم

چہ کنم قحط مردی ست آوخ — با کہ گویم کہ راست کن کارم

قدر در کاسہ ام کہ قتلغ شم — دست بر کیسہ ام کہ طرارم

لقبم دادہ اند سلطانی — چون عمادی چرا چنین خوارم

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۷) انوری نے بھی اسی زمین اور اسی کی مدح میں لکھا تھا :-

ولم اے دوست تو داری دانی — جان بہ بر نیز اگر جوانی

سنائی نے بھی عمادی غزنوی کی تقلید کی تھی، جیسا کہ کلیات (ص ۲۰) میں ہے ع بر ہجو عمادی من کشادم این فتح، کلیات (ص ۸۰) میں سنائی کا جو قصیدہ قاضی حسن کے متعلق ہے، اس میں [illegible] عمادی غزنوی نے (مجموعۂ قصائد فارسی ص ۲۷۱) جیسا کہ لکھا ہے،

چون سنائی او فتاد از خطۂ غزنین ببلخ — تازہ کرد از مدحت قاضی حسن دیوان سخن

اس کی تفصیل ہم معارف (ستمبر ۱۹۴۶ء ص ۲۰۰) میں لکھ چکے ہیں۔

بہمہ عیب جز آن کہ ندر شنا	بہ سر میر بار می بارم
عز الدین خدائے قتلغ آن	کہ ز انعام او گران بارم
در ہنر خواجہ جہانم زانک	بہ غلامی اوست اقرارم
اعتمادم بر آستانہ تست	کہ بہ دو حق عمر گذارم
جز بہ تقلید تو نہ پذ رفتند	زیرکان زمانہ اشعارم
از تو سلطان شناختم گرنہ	من و سلطان کجا سزاوارم
نہ خورم غم چرا خورم کہ توئی	از پئے ہر مراد غم خوارم

چوتھے شعر میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ یہ نیا لقب (تخلص) "سلطانی" عمادی کی بجائے اختیار کیا گیا ہے، اور چونکہ طغرل کے دربار میں وہ تبدیلی ہوئی ہے، جیسا کہ ہم اوپر دیکھ چکے ہیں، تو ظاہر ہے کہ (شعر ۵-۷) "امیر بار[1] قتلغ بھی اُسی دربار سے وابستہ تھا، اور اُسی کی سفارش (شعر نمبر ۱) پر ہمارا شاعر طغرل تک پہنچ سکا تھا،

طغرل کے دربار میں پہنچ کر اُس کے وزیر قوام الدین ابو القاسم (م ۵۲۷ھ / ۱۱۳۲ء) کی مدح بھی کی تھی لیکن ایک ہی قصیدہ اس کی مدح میں ملتا ہے، اس لئے اغلب ہے کہ اس کے قتل (۵۲۷ھ) تک مدح سرائی کا موقع[2] کم ملا ہوگا، وہ قصیدہ یہ ہے:-

---

[1] لباب (جلد ۲ ص ۲۶۲ - ۲۶۷) میں دو قصیدے اور بھی طغرل کی مدح میں ملتے ہیں، دوسرے قصیدے میں (لباب ص ۲۶۶ سطر ۱۲) امیر بار کی طرف اشارہ ہے [2] آثار الوزراء (ق ۱۰۳ الف - بانکی پور) میں کچھ اور اشعار اس کی مدح میں عمادی غزنوی کے ملتے ہیں، مثلاً:-

گردون تو می فرازی چون خولت سحاب	سلطان تو می نشانی چون کویت خدیو
از مہر تو ستانند واز کین تو دہد	ابروے شام وسمہ و بستان صبح شیر

چشمے کہ ز تو نگار گیرد در خونِ جگر قرار گیرد

بگرفت مرا غمِ تو باری ہر روز چو من ہزار گیرد

در کوے تو ہر شب آسمان را گیرد غمِ عشق وزار گیرد

وقت است کہ در غمت عمادی جان و دل و دیدہ خوار گیرد

چون نامِ تو گویم از سرشکم انگشتِ سخن نگار گیرد

بس ہرچہ ترا بدو رساند از صاحبِ روزگار گیرد

بوالقاسم آن کہ از در او انصاف بہ نامِ کار گیرد

از دستِ جہان کند توی تر دستے کہ بہ زینہار گیرد

اے آنکہ بیک صریر کلکت پہنائے زمین سوار گیرد

چون شعلۂ خشم تو بر آید ابروے زحل شرار گیرد

بازیست خجستہ نامۂ تو کز چشمِ قضا شکار گیرد

اسی طرح ایک قصیدہ اس کے لڑکے جلال الدین کی مدح مین بھی ہے، جو محمد بن محمود بن محمد اور ارسلان بن طغرل، بن محمد وغیرہ کا وزیر ہو گیا تھا، وہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

دل و جانم بعشق تو شمرند ہمہ عالم بدین حدیث درند

زلف در روے دلبت نیا میزد ہمہ از یک دگر شگرف تراند

تو نہ یاری ولیک از غم تو ہمہ آفاق یار یک دگراند

آہوان اندر زیر غمزۂ تو کہ بجز مرغزار جان نچرند

عشق بازان روے تو بہ نیاز مدح سازان صدر واگرند

مقصد آسمان جلال الدین کہ دو دستش زجود بادہ ورند

اے ہنر پرورے، سخا پیشہ کہ ترا بر زمین ملک سشمرند
در زمانہ بدین نظر کہ مراست شرق و غرب از تو طالع نظرند
خواجگانِ جہان غلام تو اند گرچہ از تو بسال بیشتر اند

اسی زمانہ مین اس عمادی نے جیسا کہ راحت الصدور (ص ۲۰۵) سے معلوم ہوتا ہے ایک مشہور واعظ عبادی کی مدح بھی کی تھی، اس کا پورا نام ابن خلکان نے ذاالمظفر ابومنصور المظفر بن ابی الحسین بن اردشیر ابن ابومنصور العبادی المروزی الواعظ لکھا ہے، اس عبادی (المتوفی ۵۴۷ھ) کی مدح مین دو قصیدے ملتے ہین، پہلا یہ ہے:-

رہ می رویم و دیدہ بہ رہبری رسد کان می کنیم و تیشہ بہ گوہری رسد
مالش دہیم خاکِ سیہ را بہ آب سرخ چون دست ما بہ زردی اختری رسد
بے نامہ ہدایتِ تو در طریقِ سمع پیک سخن بہ منزل باوری رسد
بر آستانِ جاہِ تو چرخ ارنہ داد بوس عذرش قبول کن کہ کمر بر نمی رسد
تعبیر رمز عشق میاموز عقل را از بہر آن کہ یک کلہ در نمی رسد
شوقِ شرابِ عشقِ تو در ہر سحرگہی الّا بکام مفخر کشور نمی رسد
رنگِ درنگ گوہر عبادی آن کہ زاد صد خیر می رسد کہ یکے شر نمی رسد
بے عقدِ عنبرینۂ مدحش زہیچ ملک خشکِ شرف بہ عارضِ دلبر نمی رسد
اے خلد مجلسے کہ ترا نیست زہیچ لفظ کز وے بما معائنہ کوثر نمی رسد
بے چشمۂ صلاح تو در بوستان زہد لالہ نمی شگوفد و عبہر نمی رسد[1]

اس قصیدے کے سلسلے مین راحت الصدور (ص ۲۰۵) مین جو حکایت درج ہے، اس کا نقل کرنا

---

[1] اس قصیدے کا چوتھا شعر مین نے راحت الصدور کی قرأت کے مطابق نقل کر دیا ہے، ورنہ علی گڈہ کے

بھی مناسب ہوگا، مؤلف لکھتا ہے :۔

"شنیدم کہ عمادی کہ از شاعران او (طغرل بن محمد بن ملک شاہ) بود، بر عبادی قصیدۂ می خواند کہ شعر :۔

رہ می رویم و دیدہ بہ رہبر نمی رسد   کان می کنیم و تیشہ بہ گوہر نمی رسد

عبادی بر سر منبر بود، عمادی بدین بیت رسید کہ

بر آستان جاہ تو چرخ ارنہ داد بوس   عذرش قبول کن کہ مگر بر نمی رسد

عبادی گفت، امیر عمادی ہزار دکہ وار دبخواہد، عمادی ملازم قاضی را با خود داشت، گفت ہزار دینار شرح قرض محبوسم و موکل این است، وجہ قرض می باید، عبادی سر فرو برد، یکے از مریدان گفت بود، عبادی سر برآورد، گفت، امیر عمادی چو ہزار دینار با قرض دہد، فردا دیگر قرضش باید کہ بخورد، مریدے دیگر گفت، ہزار دیگر بود و عمادی بیاسود"

عبادی کی مدح کے دوسرے قصیدے کے بھی کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں :۔

تہ قامت القیامہ کجا عشق دا د بار   بل عشق صعب تر ز قیامت ہزار بار

اوّل قدم کہ عشق پیادہ کند فرود   آخر نفس بسود شود بر فلک سوار

کشتی کائنات درین بحر غرقہ شد   بے آن کہ اوفتاد یکے تختہ بر کنار

درزین مت ازیہن کہ شست بارگی   صف مرد برہنہ کہ سخت است کارزار

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۱) مخطوطہ میں وہ اس طرح تھا :۔

بر پایۂ سریر تو گرجان نہ داد بوس   عذرش قبول کن کہ مگر نمی رسد

اسی تیسرے شعر میں علی گڈھ والے مخطوطے میں "طباق سمع" ہے، لیکن جامعۂ عثمانیہ کے مخطوطے (نمبر ۲۰۵۳ ۱۳۱) میں "طراق سمع" ہے،

دست از پئے دعا چہ برآری پس از نماز — سر را ولت بہ پیش شیاطین فگندہ خوار

از خیط نا عبادی اگر خیط بایدت — شو دست زن بہ دامن عمادی استوار

اسی زمانہ مین شاعر کو ایک اور ممدوح عبدالرحمن بن طغایرک ملا ہوگا، یہ سلطان مسعود بن محمد بن ملک شاہ (م ۵۴۷ھ/۱۱۵۲ء) کا ایک امیر تھا، جو سلطان کے اشارہ پر ۵۴۱ھ/۱۱۴۶ء مین مارا گیا تھا، اسی کی مدح مین آٹھ بند کا ایک طویل ترکیب بند ملتا ہے، ہم یہان اس کے صرف دو شعر نقل کرتے ہین، جن مین اُس کا نام آیا ہے،

عبدالرحمن کہ گر بخواہد — از ہفت سپہر شش بکاہد

عبدالرحمن کہ نوک پیکان — بر دیدۂ مشتری نگارد

ان مین کا پہلا شعر ابن اسفندیار کی تاریخ طبرستان (مترجمۂ براؤن ص ۵۵) مین اس سلسلے مین منقول ہے، کہ عبدالرحمن جس کی مدح شاعر نے اس طرح کی ہے، ایک مرتبہ چند ساتھیون کے ساتھ اردبیل مقام سے اسپہبد علاؤ الدولہ علی بن شہریار بن قارن (۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء تا ۵۳۵ھ/۱۱۴۰ء) کے پاس آیا تھا، اور چند روز مہمان رہ کر واپس چلا گیا تھا،

اسی عبدالرحمن کے لڑکے فخر الدین کی مدح مین بھی ایک قصیدہ ملتا ہے :-

رایگان رخ نہ می نماید یار — بہ سخن راست می نہ گردد کار

از فریب و عتاب او فریاد — وز حساب و کتاب او زنہار

با دل ست این سخن نہ با قالب — با سرای سخن نہ با دستار

می پذیرد کنار و بوس ولیک — از پئے عمر کو پذیرفتار

این چنین زندگی کہ آن من ست — می کنم چون عمادی استغفار

وای این ہمنشین کہ چیست مرا — آرزو زان نگار خوش گفتار

بوسہ لب بخواہ و دست بشو — کافرم گر کنم حدیث کنار

گر لب او ست نیست در سرہست ہم اسپ خدایگان کبار
تخت بخش زمانہ فخر الدین کز حوالی او گریزد عار

ممکن ہے کہ یہ قصیدہ شاعر نے عبد الرحمن کے قتل (۵۴۱ھ/۱۱۴۶ء) کے بعد لکھا ہو جب کہ اس کا لڑکا فخر الدین بغداد کی شحنگی سے معزول ہو کر خلخال (راحت الصدور ص ۲۳۰-۲۳۷) کا حاکم بنایا گیا تھا اس کے بعد شاعر ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء کے قریب وفات پاتا ہے، جیسا کہ ابو العلاء گنجوی کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے :-

سخن وران بہ من امروز اقتدا آرند	روا بود کہ مسلم قدوۂ ہمہ شعرا
چون رفت جان عمادی بہ من گذاشت عمار	چو شد روان سنائی بہ من گذاشت سنا
تبارک اللہ پنجاہ و پنج بشمردم	بہ شست باشد بشتم چو شست گشتہ دوتا
بہ عقد سین گشتہ ست پنجہ عمرم	گہ وداع رحیل ست از ین فنا رفنا
سر ملوک منوچہر دہر چہر کزو	شدہ ست زندہ و فرخندہ خاندان بقا

ان اشعار سے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں :-

(۱) دوسرے شعر سے ظاہر ہے کہ سنائی غزنوی اور عمادی (غزنوی) اس وقت تک انتقال کر چکے تھے، یہاں یہ بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ دوسرے عمادی (شہریاری) کے اشعار بہت بعد کے عہد تک کے ملتے ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ عمادی غزنوی ہی ہوگا، جس کی وفات کی خبر اس شعر میں ہے،

---

[1] ان اشعار کے متعلق تفصیل ہم معارف (ستمبر ۱۹۴۲ء-ص ۱۹۹) میں دے چکے ہیں، بعد میں استادی ڈاکٹر ہادی حسن صاحب کی کتاب "فلکی شروانی" دیکھی، اس میں (ص ۹۵) بھی کچھ اشعار ہیں، لیکن سلسلے کے ساتھ نہیں ہیں، اس لئے یہ اشعار ضروری ہیں،

(۲) تیسرے اور چوتھے شعر سے صاف ظاہر ہے کہ ابو العلا گنجوی کی عمر اُس وقت ۵۵ سال کی ہوچکی تھی، اور چھٹی دہائی میں تھی،

(۳) منوچہر خاقان شروان اس وقت زندہ تھا، موسیو خانیکوف (Khanikof) نے ... خاقانی (اورنٹیل کالج میگزین اگست ۱۹۲۶ء ص ۵۲) میں ابو العلا گنجوی کی مفروضہ تاریخ پیدائش ۵۰۵ھ/۱۱۰۹ء اور ۴۹۰ھ/۱۰۹۷ء کے درمیان بتائی ہے، اس حساب سے وہ اشعار شاعر کی ۵۵ سالہ عمر میں یعنی ۵۴۲ھ/۱۱۴۷ء اور ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء کے درمیان لکھے گئے ہوں گے، یعنی جب کہ عمادی اور سنائی قضا کر چکے تھے، لیکن ... یہ ہے کہ سنائی نے ۵۴۲ھ/۱۱۴۷ء میں معزی کا مرثیہ لکھا تھا اس لئے وہ اشعار یقیناً ۵۴۲ھ کے بعد کے ہوں گے ... دوسری طرف آئیے تو معلوم ہوگا کہ منوچہر جس کی وفات زمباور (Zambaur - Manuel - ص ۱۸۲ De Genealogy.) کے قول کے مطابق ۵۵۰ھ/۱۱۵۵ء ہے ان اشعار میں ممدوح ہے تو ثابت ہوا کہ وہ اشعار ۵۵۰ھ کے پہلے اور ۵۴۲ھ کے بعد کسی وقت اُن شعراء کے انتقال کے بعد لکھے گیے ہوں گے، اغلب ہے کہ وہ زمانہ ۵۴۵ھ ہی کا ہوگا، جب کہ سنائی کی وفات (محققین کے نزدیک) ہوئی تھی،

اب ہم دوسرے شاعر یعنی عمادی شہریاری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو عمادی غزنوی (م ۵۲۵ھ) کے بہت بعد تک زندہ رہا ہے، علی گڑھ والے مخطوطے میں ایک قصیدہ یہ ملتا ہے :۔

زان گہ کہ در تصرف این سبز گلشنم		در کام اژدہاے نیاز است مسکنم
در حلق ہمچو حلقۂ دامی شود مرا		ہر دانۂ کہ از پئے صیدے پراگنم
محتاج آب و دانہ نیم از براے آنک		غم جائے نان و آب گرفتست در تنم
باز سپیدہ ام نشنوم در ہمہ جہان		جز آستان شاہ نہ باشد نشیمنم
خسرو ملک طغان کہ زبس لطف شاملش		از منت عطاے وے آسودہ شد تنم [۱]

---

[۱] یہ قصیدہ دراصل سید حسن غزنوی (م ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء) کی تقلید میں ہے، جس نے ۵۲۵ھ میں لکھا تھا :۔

اس قصیدے میں ممدوح ملک طغان ابن ملک مؤید آی آبہ (۵۶۹ھ/۱۱۷۴ء تا ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء) حاکم نیشاپور ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ وہ عمادی غزنوی (المتوفی تا بہ ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء) کا قصیدہ نہیں ہے، بلکہ بہت ممکن ہے کہ وہ عمادی شہریاری کا ہو، کیونکہ مختلف تذکروں میں اُسی سے منسوب ہے، اور ایک ہی مجموعے میں پایا جاتا ہے،

اسی طرح ذیل کا قصیدہ ہے، جو غلطی سے لباب (ج ۲، ص ۲۵۰ بعد) میں عمادی غزنوی سے منسوب کر دیا گیا ہے :-

گنبد مشکین شد دست چرخ زنوے بہا — غالیہ پیوند گشت با دز رخسار یار

خسرو گردون کمند شاہ جہان پہلوان — آن کہ کمند کوہ را ہیبت او اشکبار

بر در تو می رود عمر عمادی خوش است — گرچہ یقین داند آنک عمر نہ باشد دوبار

یہ قصیدہ اتابک محمد جہان پہلوان" (۵۶۸ھ/۱۱۷۲ء تا ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء) کی مدح میں ہے گو کہ علامۂ قزوینی (بیست مقالہ ج ۲ ص ۲۲۹ سطر ۲-۵) کو اس میں شک ہے، غالباً اس وجہ سے کہ "جہان پہلوان" کسی بھی بادشاہ کا خطاب ہوسکتا ہے، اور انھون نے یہ بھی کہا ہے کہ

"این مدت طویل برائے دورۂ فعالیت شاعر تا اندازۂ نادراست ولے مستبعد نیست عادۃً"

لیکن اُن کا یہ خیال محض اس وجہ سے ہے کہ انھون نے بھی ایک ہی عمادی تصور کیا ہے، حالانکہ دو شاعر اس تخلص کے تھے، میرا خیال ہے کہ یہ قصیدہ آتابک محمد جہان پہلوان ہی کی مدح میں ہے، بلکہ اس کے بہت بعد کے شہاب الدین غوری کے بھانجے ملک ناصر الدین الب غازی والی ہرات (المتوفی ۶۰۱ھ لباب، ج ۱، ص ۱۳۱) کی مدح میں بھی چند اشعار اسی عمادی شہریاری سے منسوب ملتے ہیں، اور وہ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۵) جان می برد بہ عشرت حوران گلشنم — دل می کشد بہ خدمت دیوان گلخنم

از سال پانصد و چہل و پنج گو ئیا — در من نگر کہ معجزۂ عیسیٰ خود منم

لباب (ج ۱، ص ۱۸۱-۱۹۱) میں دو اور شاعرون کے اشعار اسی زمین میں ملتے ہیں،

ں الدین محمد کی کتاب المعجم (مرتبۂ قزوینی ص ۰۰۰) میں اس طرح ہیں :-

تا چند ز صحبت مجازی تا کے سخنان نا نمازی

خود قول بود بدین دروغے خود عشوہ بود بدین درازی

اکنون بارے شکر فراخ ست یعنی لب لعل الب غازی

ہمارے مخطوطے میں ان ممدوحین کے علاوہ کچھ اور بھی ہیں جن کے متعلق تاریخ بالکل خاموش ہے، اس لئے یہ فیصلہ کرنا بھی دشوار ہے کہ ایسا کونسا کلام کس عمادی کا ہو سکتا ہے تاہم اُن اشعار کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا، جن سے اُن کی شخصیتوں پر روشنی پڑ سکتی ہے :-

مشروح روح منتخب الدہر کز شرف رائش بر اوج گنبد دوار می رود

صدری خرد محمد نعمان کہ از ہنر بر سیرت محمد مختار می رود

چون نسب گوئی امیر ابن الامیر چون لقب جوئی مجیر ابن النظیر

بہ ہمہ روزگار لاف نجات از در سید امم زدہ ایم

فرق فرقد امام قطب الدین ہگی دین کہ ام قطب الدین

ناصر الدین پہلوان سخن پہلوان و خدایگان سخن

تکیہ گاہ افاضل دنیا آن کہ او را نہ دیدہ کس ہمتا

از بہر پناہ می نیاید جز عز الدولہ شہریارے

عبد الواحد کہ گوش گردون

نشنید چنو زمانہ وارے

راد ہمایون کف عبد الجلیل نسخت اقبال زمین تا بہ لام

عنصر دولت محمد شرف الدین کز کف او حاصل بحار برآمد

۵ عبد الصمد اکرم الخلایق سرمایۂ بخت جاودانہ[۵]

[۵] سید حسن غزنوی کا بھی ایک ممدوح عبد الصمد ہے، جو عباسیؓ ہے :-

گر نتیجۂ بحر است بر خلافِ قیاس / نتیجہ آمد بحرے ز گوہر عباسؓ

ابو المحاسن عبد الصمد کہ بخت ابد / بنا ے دولتِ او را بہ دو نہاد اساس

اسی عہد مین عبد الواسع جبلی (م ۵۵۵ھ) کا بھی ایک ممدوح اس نام کا ہے لیکن وہ سید یا علوی ہے :-

عبد الصمد عزیز ملوک و نصیر دین / کز عقل ہست عاقلہ نسل بو البشر

نور و سرور چشم و دل حمزہؓ و علیؓ / آن مایۂ بزرگی و پیرایہ ہنر

اس کے متعلق ہم معارف (ستمبر ۱۹۴۶ء) مین دے چکے ہین، لباب (ج ۲-ص ۲۲۴) مین ادیب صابر کے تین شعر کسی عمادی کے متعلق ملتے ہین، ممکن ہے کہ وہ غزنوی کے متعلق ہون،

ہندوستان کی کہانی

ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان مین لکھا گیا ہے، تاکہ ہمارے مکتبون اور ابتدائی مدرسون کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکین، ضرورت ہے کہ یہ رسالہ چھوٹے بچون کے نصاب مین شامل کیا جائے تاکہ ان کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور اب کیا ہین، از مولوی عبد السلام قدوائی ندوی،

ضخامت :- ۶۰ صفحے،

قیمت :- ۸/

"منیجر"

ہندوستان مین علم حدیث

(بہ سلسلۂ امام شوکانی)

از

مولوی ابویحیٰ امام خان صاحب نوشہروی

(۲)

امام شوکانی کی ممتاز و مجتہدانہ تصنیف منتقی کی شرح (نیل الاوطار) من اسرار منتقی الاخبار کو اسی نسبت تلمذ وتساوی فی الاقتدار کے تعلق سے امیر الملک ہی نے چھپوا کر اقصاے عالم مین پھیلایا، متن مین نیل در حاشیہ برعون الباری بحل ادلۃ البخاری ہے، یہ نواب صاحب کی تالیف ہے، نسخۂ صدیقی کے بعد ایک مرتبہ نیل الاوطار اور بھی چھپی، مگر اب دونون نایاب ہین،

امام اور نیل الاوطار کے تذکرہ مین امیر الملک کی مملکت علم کے اس باب کا حوالہ قلم کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ مدوح ایسی کتابین کہان سے کس طریق سے اور کن حضرات کی وساطت سے حاصل فرماتے تھے، اس کا کچھ حال اپنی ایک مختصر تالیف العلم الخفاق من علم الاشتقاق مین فرماتے ہین، معارف (ج ۲۵ نمبر ۳ ص ۱۹۴) بضمن تنقید المبین اس کا ذکر جناب سید صاحب زاد مجدہ کے قلم سے بھی آچکا ہے،

علم الاشتقاق ...... کا یہ باب جو ص ۱۲ سے ۲۵ تک مین پھیلا ہوا ہے، بہت ہی دلچسپ ہے، وہ وہ تمام خط وکتابت من وعن درج ہے، جو اس سلسلہ مین جاری رہی، چنانچہ ۲۸، اہل علم تھے، جو امیر ملک کی ہدایت کے مطابق ان جواہرات کی جستجو حجاز مین کرتے رہے، اور معاون نجد سے یہ ہیرے

نکالے گئے، اسی طرح بازار مصر میں اس یوسف گم گشتہ کی تلاش جاری رہی، ہندوستان کے ساحلی علاقوں
میں یہ موتی ڈھونڈے گئے، اور مولانا علی عباس چریاکوٹی، دکن (دولت خداداد حیدرآباد دکن) میں سرگرم
جستجو ہوئے[1] اور ممالک حجاز میں شیخ حسین بن محسن انصاری (وفات ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء) جیسے تیز نظر جوہری قریہ بقریہ نظر
جمائے رہے، یہ حضرت نواب کے شیخ فی الحدیث بھی تھے، نورتن صدیقی کے سرخیل یہی عرب شیخ ہیں، ان کے
زمانۂ قیام بھوپال میں شاگرد اپنے استاذ سے احادیث کے مآخذ میں استمداد کرتے ہیں، ایک ایک حدیث
پر شیخ کی خدمت میں کچھ نہ کچھ رقم پیش ہوتی ہے، اللہ اللہ کیسی شاہانہ علم نوازی تھی،

بکوے میکدہ یارب سحر چہ مشغلہ بود!
کہ جوشِ شاہد و ساقی و شمع و مشعلہ بود!

شیخ گرم ملک کے باشندے ہیں، جلال میں آکر نواب والاجاہ امیر الملک بھوپال سے ایسے الفاظ
بھی کہہ دیتے تھے، جو شیخ کے مزاج کے توموافق تھے، مگر ہندوستان کے ایک والیٔ ریاست کے لئے جو تخت
شاہی پر متمکن ہو، سر پر شاہی چتر، جلو میں خدم و حشم ہوں برداشت کرنا، اس کے غیر معمولی تحمل و برداشت
کی دلیل ہے،

درخرابات مغان نور خدا می بینم
دین عجب بین کہ چہ نورے زکجا می بینم،

سر پر کلاہ و چترِ سہی، مگر صفتیں سب درویشانہ تھیں، اور ایسے درویش کہ نرگس ہزاروں سال اپنی
بے نوری پر رو کر صدیق الحسن جیسا دیدہ ور پیدا کر سکی،

ہر نکتہ کہ گفتم در وصف آن شمائل
ہر کس شنید او گفتا للہ درقائل

---

[1] علم الاشتقاق ..... ص ۱۰ تا ۹۰

ان کے شیخ الحدیث کی زبان سے جو کچھ ادا ہوتا لب لعل شکر فارا بجو کرجواب تلخ بھی گوارا کر لیتے،

پروردۂ مہد علم این ا پروان چڑھے تو نعمت علم کے دوش پر کھولت مین بھی عصائے پیری علم ہی ہے،

سر تسلیم من و خاک در میکدہ ہا

مدعی گر نکند فہم سخن گو سر و خشت

اوران ۲۰ حضرات کی اس خدا دکتابت مین سے جو تلاش نوادر کے لئے ہے، صرف جناب شیخ حسین محدث یمنی الانصاری کے توسط سے جو گرانمایہ جواہر دستیاب ہوے ان مین نیل الاوطار کی ساتون جلدون کے علاوہ حسب ذیل کتابین تھین،

۱۔ تیسیر البیان للموزعی مجلد

۲۔ قوت المغتذی علی الترمذی للسیوطی

۳۔ حاشیہ علی النسائی

۴۔ ادب الکاتب

۵۔ نثر الجواہر علی حدیث ابی ذر للشوکانی،

۶۔ الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید،

۷۔ رسالتین فی رد القول بفناء النار،

۸۔ رسالہ للشوکانی ایضاً فی مذہب السلف من اجزاء الصفات علی ظاہرہا من غیر تاویل،

۹۔ تفسیر ابن القیم، اس نام سے ایک کتاب ملی، جو دراصل علامہ ابن جوزی کی تفسیر مسمی زاد المسیر تھی،

۱۰۔ فتاوی الشوکانی،

۱۱۔ حاشیہ تیسیر الوصول،

۱۲۔ روح الروح[ل]،

۱۳۔ فتح الباری مع مقدمہ کا نسخہ فقیہ عمر سندھی کے اخلاف سے حاصل ہوا،

۱۴۔ الدرر الفاخرۃ الشاملہ لسعادۃ الدنیا والآخرۃ

اس کے بعد حضرت شیخ حسین بن محسن محدث الانصاری کی سعی و برکت سے ۱۲ ربیع الاول ۱۲۹۴ھ

ذیل کے خزائن علم امیر ملک ریاست دین کے قبضہ میں پہنچے،

۱ زاد المعاد .... مجلد ۱،

۲ مجمع الزوائد حافظ الہیثمی .... مجلد ۵

۳ جلدین بالاستکتاب، مجلد ۲

۴ ضوء النہار علی الازہار للسیوطی مجلد ۲

۵ منحۃ الغفار علی ضوء النہار للسید محمد الامیر مجلد ۲

۶ الدرر الفاخرہ للشوکانی، مجلد ۱

۷ شرح تنقیح الانظار للسید محمد الامیر نسخہ المولف..... مجلد ۱

۸ شرح العمدۃ لابن دقیق العید مع حاشیہ السید محمد الامیر بخط حسن الجمیع،..... مجلد ۱

۹ النصف الاول ایضاً من العمدۃ للسید الامیر نسخۃ ولد المصنف،........ بخطہ

۱۰۔ فتح الرحمان فیما اشکل منہ آیات القرآن، للقاضی زکریا الانصاری،..... مجلد ۱

۱۱ طوق الحمامہ شرح القصیدۃ البسامہ شرحین کاملین،....... مجلد ۲

۱۲ کتاب نزہۃ الناظرین فیمن ولی مصر من الخلفاء والسلاطین للشیخ مرعی،

۱۳۔ کتاب السیادۃ للقلقی.......... مجلد ۱

[ل] علم الاشتقاق..... ۲ تا ۵ ۵۲، ص ۵۵ تا ص ۵۷،

۱۴- کتاب ما وقع من الغلط لشعراء العرب مع الشرح ..... مجلد ۱

۱۵- فلک القاموس ترجمہ صاحب العواصم والقواصم مع تلخیص خلاصہ ما فی العواصم تلخیصاً حسناً لحفیدہ

صاحب العواصم .... کراستین

۱۶- تکملۃ فتاوی الشوکانی ..... مجلد ۱[ا]

امام شوکانی کے ہندوستانی شیوخ سند اہل شوق کے لئے امام شوکانی کے ان شیوخ سند کا تذکرہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، جن کا وطن ہندوستان ہے، اگرچہ یہاں سرو حدیث کے وہ نغمے پیدا نہیں ہوئے، جو دوسرے اسلامی ملکوں کی شہرت کا سبب بنے، مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں، یہ آواز دھیمی سی سنائی دے رہی ہے، افسوس یہ ہے کہ نقد و قیاس کے ہنگاموں میں یہ بھی دب گئی کہ سنانے والے ہی ترکِ وطن پر مائل ہو گئے، (الا ماشاء اللہ ربک) ان مہاجرین وطن میں سب سے پہلے ابوالحسین عبدالغافر غزنوی (م ۵۲۹ھ/۱۱۳۴ء) اور ان کے صاحبزادے ہیں، جن کا وطن غزنہ تھا، مگر نیشاپوری الفارسی کہلائے[۲]، اسی طرح امام حسن صغانی اللاہوری صاحب مشارق الانوار (م ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء) شیخ ابوالحسن عبدالہادی سندی صاحب حاشیۃ البخاری (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء) سید بلگرامی مرتضی الزبیدی (م ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) شیخ محمد عابد سندی المدنی (م ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱ء)

---

[۱] علم الاشتقاق .... ص ۱۰۰ء [۲] شیخ عبدالغافر غزنوی کا ہندوستانی ہونا بر بنائے نص مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی ہے، غزنہ کے متعلق ہے "من اول بلاد الهند ذکره السمعانی" (الفوائد البہیۃ ص ۲۰) مولانا مرحوم کی تحریر کے مطابق (یعنی فی تذکرۃ الخطابی مؤلف معالم السنن شرح سنن ابی داؤد) فرماتے ہیں،

"ان سے الحاکم ابو عبداللہ الحافظ و ابوالحسین عبدالغافر الفارسی اور ایک بڑی جماعت نے روایت کی ہے، الحاکم تاریخ نیشاپور میں ذکر کیا ہے۔ (تعلیق الممجد ص ۲۴)"

لیکن نواب صاحب نے اس نام: عبدالغافر بن اسماعیل بن عبدالغافر بن محمد الفارسی الحافظ،

شیخ محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء) قطب الدین محمد اور سید غضنفر بن سید جعفر نہروانی وغیرہ ہیں

امام شوکانی کے ہندوستانی شیوخ السند حسب ذیل ہیں :-

۱- قطب الدین محمد بن احمد بن محمد النہروانی (یہ صحیح بخاری میں ۵ واسطوں سے) اور مشارق الانوار صغانی اللاہوری میں بھی شیخ السند ہیں،

۲- قطب الدین محمد بن احمد نہروالی کے والد یعنی احمد بن محمد المذکور،

۳- عبد اللہ بن ملا سعد اللہ اللاہوری (صحیح بخاری میں)

۴- شیخ ابو الحسن عبد الہادی سندی (م ۱۱۳۹ھ/۱۷۲۶ء)

۵- شیخ محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء)

۶- عبد الغافر (ابو الحسین) غزنوی نیشاپوری فارسی (م ۵۲۹ھ/۱۱۳۴ء)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰۳) سے جن صاحب کا تذکرہ فرمایا ہے، وہ مولانا عبد الحی صاحب کے مسمی (عبد الغافر) نہیں، بلکہ اُن کے پوتے ہیں، جو المفہم شرح غریب صحیح مسلم، وکتاب مجمع الغرائب فی غریب الحدیث کے مولف بھی ہیں، اِن کا سنہ وفات ۵۲۹ھ/۱۱۳۴ء ہے، (اتحاف النبلاء المتقین ص ۳۰۲) یہ ابو الحسین عبد الغافر بن اسماعیل بن عبد الغافر نہ تو خطابی کے شاگرد ہو سکتے ہیں کہ خطابی کا سال وفات ۳۸۸ھ/۹۹۸ء ہے، (اتحاف النبلاء ص ۲۲۶) اور عبد الغافر (ابو الحسین) حاکم صاحب مستدرک کے ہم سبق بھی نہیں، کہ حاکم کی تاریخ وفات ۴۰۵ھ/۱۰۱۴ء ہے،

۵۱ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶۲، ۹۶ ۵۲ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶۱ ۵۳ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۶۱، ۵۴ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۵۵ ۵۵ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۵۹ ۵۶ اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۲۰، ص ۵، ص ۳ و صفحہ ۱۳۲، و صفحہ ۴۴ و صفحہ ۴۶، و صفحہ ۵،

۷۔ حسین بن ابوالحسین عبدالغافر (المذکور) غزنوی نیشاپوری،

۸۔ سید غضنفر بن سید جعفر نہروالی، مشکوٰۃ و مؤلفات حاجی (مولانا عبدالرحمٰن) میں،

۹۔ میر کلان محدث اکبرآبادی جن کا ذکر بسلسلۂ شیوخ ملا علی قاری (جناب فخرالاماثل) مولانا سید سلیمان صاحب نے بھی معارف میں فرمایا ہے،[۵] (باقی)

---

[۱] اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر للشوکانی ص ۹۰، وص ۹۰ وص ۳۲ و ۳۳ [۲] معارف ج ۲۲ نمبر ۴ ۲۶۶ [۳] اتحاف الاکابر، ص ۹۰،

حصۂ اول

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحعمری ہی نہیں، بلکہ اُن کی وفات ۱۹۱۴ء تک ایک مائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی، علمی، تعلیمی، ادبی، اصلاحی اور دوسری تحریکوں اور سرگرمیوں کی مفصل اور دلچسپ تاریخ بھی ہے، شروع میں جدید علم کلام کی نوعیت اس کی حیثیت اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لے کر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانوں کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اس عہد کے تمام قابل الذکر اکابر اور خود مولانا کے بعض ہم عہد ہمعصر علماء کے حالات بھی بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہیں، ضمناً ان تعلیمی اداروں کی جن سے مولانا کا تعلق رہا ہے مجمل تاریخ بھی پیش کر دی گئی ہے، ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۰۰ صفحے ہیں،

کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت :۔ غیر مجلد علاوہ محصول ڈاک صرف آٹھ روپیہ مجلد :- لعہ

"منیجر"

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب رفیق دار المصنفین

جس طرح ہر جاندار کے لئے جسم کے ساتھ روح کا ہونا ضروری ہے، کہ اسی پر اس کی زندگی کا مدا اور روح کے بغیر وہ ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتا، بالکل یہی حال انسانی اعمال کا ہے کہ اس کے ہر عمل ایک روح ہوتی ہے، اگر کوئی عمل اس روح سے خالی ہے تو اس کی نہ کوئی قیمت ہے اور نہ اہمیت،

روح صرف انسانی اعمال میں ہوتی ہے

لیکن انسان اور حیوان کے اعمال میں بڑا فرق ہے، حیوانات چونکہ علم و عقل اور فہم و تد سے محروم ہیں، اس لئے کسی کام کے مکلف نہیں، اُن سے افعال کا صدور طبعی طور پر ہو تشریع کو اس میں دخل نہیں ہوتا، اس لئے ان کے اعمال کے صحیح، غیر صحیح، با روح و بے روح ہونے کا بھی کو سوال پیدا نہیں ہوتا، لیکن انسان . . . کا حال ایسا نہیں ہے، چونکہ اسے علم و عقل اور فہم و تدبر عطا کیا گ اس لئے اس کے افعال کے صدور میں تکوین سے زیادہ تشریع کو دخل ہے، اس کے افعال کی نوعیت ا نہیں ہے، جو حیوانات کی ہے، اس کا ہر عمل طبعی طور پر تشریع کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے، اس لئے عمل کے صحیح و غیر صحیح، اور باروح و بے روح ہونے کا سوال صرف انسان ہی کے اعمال میں پیدا ہوتا ہے اور وہی اس کا مکلف ہے،

کافر و مومن کے اعمال کا فرق

جس طرح حیوان اور انسان کے افعال میں بہت بڑا فرق ہے، اسی طر انسان کے دو گروہوں مومن و کافر کے افعال میں بھی کافی فرق ہے،

انسان کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے گو کافر بھی تکلیف شرعی کا مورد ہے، اور اس کی تمام
ریون مین جکڑا ہوا ہے لیکن عملاً چونکہ اس کی زندگی مین تشریع کی کارفرمائی نہین ہوتی، اور اپنے کو
ی کے سامنے جواب دہ نہین سمجھتا، اس لئے اسے اپنے اعمال کے صحیح، خالص اور بار وح ہونے کی بھی کوئی پروا
ن ہوتی لیکن مومن کا حال ایسا نہین ہے، وہ اپنے کو بالقوہ اور بالفعل دونون طرح تشریع کے حدو
ود مین محسوس کرتا ہے، اس لئے اسے ہر عمل کے وقت اس بات کی بھی فکر ہوتی ہے، کہ اس کا یہ
ل تشریعی پابندیون کے ساتھ صحیح ہوا یا نہین ؟ وہ جو عمل کر رہا ہے، اس مین روح بھی پڑ رہی ہے یا نہین؟
عنداللہ مقبول بھی ہون گے یا نہین ؟ اس بنا پر کافر و مومن کے اعمال مین بھی عملاً وہی فرق ہے، جو
نسان و حیوان کے افعال و اعمال مین ہے،

اس سے یہ بات ذہن نشین ہو گئی ہو گی کہ جسطرح انسان کا جسم بغیر روح کے بے حقیقت ہے، اسی طرح اس
عمل بھی بغیر اس کی روح کے لاشئے محض ہے،

نماز ایک امر تشریعی ہے، اس کے لئے بھی جسم و روح ہے، اس کی ادائگی کے بہت سے ارکان
رائط، اور اس کے مقبول و صحیح ہونے کے بہت سے اسباب و ذرائع ہین، اس لئے ایک مومن کا فرض ہے
ہ وہ جب بارگاہ قدسی مین حاضر ہو، تو ان ضوابط اور ذرائع کا لحاظ رکھے تاکہ اس کا یہ عمل ضائع
ہونے پائے، اور وہ عنداللہ مقبول بھی ہو، یون تو نماز کے مقبول اور صحیح ہونے کے لئے بہت سے شرائط
ارکان اور ضوابط ہین، مگر سب کی حیثیت یکسان نہین ہے، بعض کی حیثیت اصل کی ہے بعض کی فرع کی،
بعض جڑ کی حیثیت رکھتے ہین، بعض برگ و بار کی، لیکن نماز مین جس چیز کو سب سے زیادہ مرکزی حیثیت حاصل ہے
اور جس کے گرد سارے دوسرے ارکان گردش کرتے ہین، وہ "صفت خشوع" ہے، اس کو نماز سے وہی
نسبت اور تعلق ہے، جو روح کو جسم اور غذا کو زندگی سے ہے، اگر نماز اس خشوع سے خالی ہے، تو خدا ے
قدوس کے یہان اس کی کوئی قیمت نہین،

ہم کو قرآن و حدیث اور فقہ و تصوف کی روشنی میں اس کی حقیقت و ماہیت، اہمیت و فضیلت اور اس کے حصول کے ذرائع معلوم کرنا چاہئیں، اس کے بعد یہ دیکھنا چاہئے، کہ اس صفت سے متصف ہونے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا کیا مقامات اور درجات ہیں،

خشوع کے لغوی معنی ہیں بدن جھکانا، آواز پست ہونا، نظر نیچی ہونا، اور قلب میں خوف کا پیدا ہونا (لسان العرب) یعنی ہر عضو سے عجز و انکسار کا اظہار ہو رہا ہو، قرآن نے خشوع کو ان تمام معنوں میں استعمال کیا ہے،

وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا، (حشر ۳)	اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف سے دب جاتا،
وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا، (طٰہٰ - ۱۱)	اور تمام آوازیں اللہ تعالیٰ کے سامنے (مارے ہیبت کے) دب جائیں گی تو تو بجز پاؤں کی آہٹ کے کچھ نہ سنے گا،
(قمر - ۱) خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ	ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی،
اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ، (حدید ۲)	کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا موقع نہیں آیا، کہ ان کے دل خدا کی نصیحت کے اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جاویں،

مگر یہ سب تو خشوع کے مظاہر ہیں، خشوع کا اصلی مقام قلب ہے، اعضاء و جوارح سے اس کا تعلق صرف اسی قدر ہے، کہ قلب کی اس کیفیت کا اظہار انہی کے ذریعہ ہوتا ہے اتعاب میں خشوع و خضوع

خوف و رجاء، ہیبت و جلال کی جو کیفیت پیدا ہوگی، اعضاء سے اسی کا اظہار ہوگا، ایک شخص نماز کے اندر اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا کہ

لو خشع قلبہ خشعت جوارحہ	یعنی اگر اس کے دل میں خوف ہوتا، تو اس کے اعضاء سے بھی خشیت ظاہر ہوتی،

بعض علماء نے خشوع کی تعریف میں لکھا ہے،

(الخشوع) ھو معنی یقوم بالنفس یظھر عنہ سکون فی الاطراف	خشوع ایک ایسی کیفیت ہے کہ جو دل میں قائم ہو جاتی ہے، اور اس کے ذریعہ اعضاء سے سکون و طمانیت ظاہر ہوتی ہے،

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

الخشوع قیام القلب بین یدی الرب بالخضوع والذل والجمعیۃ علیہ،	خشوع یہ ہے کہ بارگاہ قدسی میں دل کو عجز و نیاز، جمعیت و سکون سے حاضر رکھا جائے،

خشوع کا پورا مفہوم کسی ایک لفظ سے ادا نہیں کیا جا سکتا، اس کو اس طرح سمجھئے کہ اگر آپ کسی پر ہیبت جلال شخص کے سامنے کھڑے ہو جائیں تو اس وقت آپ کے ذہن و جسم پر جو اثر مترتب ہوگا، یا جو کیفیت طاری ہوگی اسی کو عربی میں خشوع کہتے ہیں، نماز میں بندہ اپنے سب سے بڑے مالک الملک کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، اس سے زیادہ پر ہیبت و پر جلال ذات کونسی ہو سکتی ہے، اس لئے اس کے ذہن و جسم، قلب و دماغ پر اس وقت اس کیفیت کا طاری ہونا یا طاری کرنا ضروری ہے، عبادت کا سب سے بڑا مقصد بھی یہی ہے، کہ جب عبد اپنے معبود کے سامنے کھڑا ہو تو اس کی سراپا سے عبدیت کا اظہار ہو، جس کا تقاضا عجز و نیاز، تواضع و خاکساری ہے،

نماز میں جن لوگوں پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے، اور جو اس صفت سے متصف ہوتے ہیں، خدا تعالیٰ نے انہی کیلئے دین و دنیا کی فلاح اور جنۃ الفردوس کا وعدہ کیا ہے،

قد افلح المومنون الذین ھم فی	یقیناً ان مسلمانوں نے فلاح پائی جو
صلاتھم خاشعون	اپنی نماز میں خشوع و خضوع رکھتے ہیں
اولٰئک ھم الوارثون الذین	اور ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں
یرثون الفردوس ھم فیھا	جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے،
خالدون، (مومنون - ۱)	وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے،

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں،

خاشعون، خائفون، ساکنون	یعنی خاشعین فی الصلوٰۃ وہ لوگ ہیں جن کا دل خشیتِ الٰہی سے لبریز اور جسم پر سکون و طمانیت کی کیفیت طاری ہو،

حضرت ابو درداؓ اس کی تفسیر کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :-

اعظام المقام واخلاص المقال	جب اس کے سامنے کھڑے ہو جائے تو
والیقین التام وجمع الاھتمام	اس کی عظمت سے دل معمور ہو، جو اس سے
یتبع ذٰلک ترک الالتفات	کہا جا رہا ہو، اس میں اخلاص ہو، دل یقین کی دولت سے مالا مال ہو، جمعیتِ خاطر اور اہتمام ہو، پھر اسی کے ضمن میں ترکِ التفات

ایک دوسری جگہ قرآن نے جہاں مومنین کی بہت سی صفات بیان کی ہیں، اور ان صفات سے متصف ہونے والوں کے لئے جنت کا وعدہ کیا ہے، ایک صفت خشوع بھی ہے ،

والصابرین والصابرات و	صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی
الخاشعین و الخاشعات	عورتیں اور خشوع رکھنے والے مرد اور
اعد الله لهم مغفرة و اجراً	خشوع رکھنے والی عورتیں... ان کے لئے اللہ
عظیماً، (احزاب - ۶)	تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے'

بعض لوگوں پر یہ کیفیت صرف نماز ہی میں نہیں طاری ہوتی، بلکہ ہر وقت طاری رہتی ہے، جہاں محبوب حقیقی کا ذکر چھڑا، اُن کے دل میں خشیت طاری ہوگئی، جہاں ان کا کلام پڑھا گیا، وہ سُن کر لرزہ براندام ہوگئے،

اللہ تعالیٰ انہی کے بارے میں فرماتا ہے،

اذا یتلی علیهم یخرون للاذقان	اور ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہی روتے ہوئے'
ویبکون ویزیدهم خشوعاً (بنی اسرائیل)	اور یہ قرآن ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے'

سورۂ انبیاء میں انبیاء کے ذکر کے بعد ان کے متعلق بھی یہی ارشاد ہے، کہ

ویدعوننا رغباً و رهبا وکانوا	اور وہ لوگ (انبیاء) امید و بیم کے ساتھ
لنا خاشعین،	ہماری عبادت کرتے ہیں، اور ہمارے سامنے
(انبیاء ۵)	دب کر رہتے ہیں،

صفت خشوع کے پیدا کرنے کے لئے کوشش و مجاہدہ

مگر اس مقام کے حصول کے لئے مسلسل کوشش اور مجاہدہ کی ضرورت ہے، جب ذہن و جسم قلب و دماغ پر پورے طور سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ہیبت و جلال کا تصور چھا جائے، اس وقت یہ مقام حاصل ہوتا ہے چنانچہ صحابۂ کرام کو بھی اس وقت تک اس کا مکلف نہیں بنایا گیا، جب تک ان میں اس کی پوری صلاحیت پیدا نہیں ہوگئی،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس آیت

الم یان للذین آمنوا ان تخشع	کیا ایمان والوں کے لئے اس بات کا
قلوبھم لذکر اللہ وما نزل	موقع نہین آیا، کہ ان کے دل خدا کی
من الحق،	نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس
(حدید)	کے سامنے جھک جائین،

کی تفسیر کے سلسلہ مین فرماتے ہین،

ما کان بین اسلامنا وبین عاتبنا	یعنی ہمارے قبول اسلام اور اس آیت
اللہ تعالیٰ بھذہ الآیۃ الا	کے ذریعہ خشوع کے نہ پیدا کرنے والون
اربع سنین	کے بارے مین عتاب کے درمیان چار
	سال کا فصل ہوا،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہین :-

ان اللہ استبطاء قلوب المومنین	پہلے اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب کو
فعاتبھم علی راس ثلاث عشرۃ	اس کے لئے آہستہ آہستہ تیار کیا، پھر نزول
سنین من نزول القرآن[۱]،	قرآن کے تیرہ برس بعد وعید فرمائی،

برائیون کے زہر سے بچنے کے لئے نماز سب سے بڑا تریاق ہے، انسان دنیا کے کاروبار مین لگا ہوتا ہے، اس کے خیالات پراگندہ ہوتے ہین ہین اسی حالت مین جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے

---

[۱] پہلی روایت مین حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اپنے اسلام اور نزول آیت کے درمیان کا فصل بتایا ہے اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے نزول قرآن اور اس آیت کے نزول کے درمیان کا فصل بتایا ہے اس لئے دونون مین کوئی تعارض نہین ہے،

تو اس کے دل و دماغ اور جسم و اعضاء پر ہر قسم کی پابندی عائد ہو جاتی ہے، اس لئے اس پر نماز کی ادائگی بڑی ہی شاق ہوتی ہے، لیکن جو لوگ کہ اس کیفیت خشوع سے سرشار ہوتے ہیں، ان کے لئے یہ تمام دشواریاں آسان ہو جاتی ہیں،

وَاسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ	اور مدد لو صبر اور نماز سے اور بیشک وہ
وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ	نماز دشوار ضرور ہے، مگر جن کے قلوب
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُلٰقُوْا	میں خشوع (کی دولت) ہو ان پر کچھ بھی
رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ	دشوار نہیں، وہ خاشعین وہ لوگ ہیں،
	جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک
	ملنے والے اپنے رب سے اور اسی کی طرف واپس

(بقرہ - ۵)

اس آیت میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ خاشعین کی صفت الذین یظنون انھم ملقوا ربھم لائی گئی ہے، جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نماز میں خشوع پیدا کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بندہ کے ذہن پر جزاے اعمال اور قیامت کی ہولناکیوں کا تصور پورے طور پر چھایا ہوا ہو، اور اسے اس بات کا پورا یقین ہو کہ ایک دن اسے مالک یوم الدین کے سامنے حاضر ہونا ہے، جبتک یہ تصور اس کے ذہن پر چھایا ہوا نہ ہوگا، اس پر خشوع کی پوری کیفیت کا پیدا ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ جب اس کا پورا اذعان ہو کہ ہم سے جو اعمال صادر ہوتے ہیں، ایک دن ان کا محاسبہ ہوگا، اور ہمیں اس کی جزا یا سزا ملے گی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے ذہن پر عجز و نیاز، خوف و خشیت کی کیفیت طاری، اور ہماری ساری ذہنی و جسمانی توجہ اسی عمل کی طرف مبذول ہو جائے گی، اور ہم کو محسوس ہوگا، کہ ہم اپنے مالک الملک کے سامنے کھڑے ہیں، خشوع کا یہی مقصد اور اس کی یہی روح ہے، کہ بندہ ماسوا سے بالکل کٹ کر پوری عبدیت کے ساتھ خداے وحدہٗ لاشریک کے سامنے سجدہ ریز ہو جائے،

خشوع کے بارے میں ایک نکتہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ خشوع کا مطالبہ تو انسان کے ہر فرد سے ہے، مومن دنیا میں اپنے عجز و انکسار ذلت و مسکنت اور نیازمندی سے (خشوع کے) اسی مطالبہ کو پورا کرتا ہے، اس لئے قیامت میں وہ اس کی جزا میں عزت و وقار اور انعام الٰہی سے سرفراز ہوگا، لیکن کافر دنیا میں اس مطالبہ کو پورا نہیں کرتا، اس لئے مومن کی یا اختیاری ذلت و مسکنت اس کی طرف منتقل کردی جائے گی، اور اس سے یہ مطالبہ قہر و غضب کے ساتھ پورا کرایا جائے گا، مومن سے دنیا میں اس اختیاری ذلت کا مطالبہ عقبی کی عزت کے لئے کیا گیا تھا، کافر نے چونکہ اس کو پورا نہیں کیا، اس لئے اس سے قیامت میں یہ مطالبہ اس کی روسیاہی و رسوائی کی صورت میں پورا کرایا جائے گا، چنانچہ قرآن نے اسے بار بار بیان کیا ہے،

خشعًا ابصارهم،	(قیامت کے روز) ان کی (کفار) آنکھیں جھکی ہونگی،
خاشعين من الذل ينظرون من طرف خفي،	مارے ذلت کے جھکے ہوں گے سُست نگاہ سے دیکھتے ہوں گے،
وجوه يومئذ خاشعة	بہت سے چہرے اس روز ذلیل ہوں گے

(باقی)

گلِ رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس میں آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے۔ ولی سے لے کر حالی و اکبر تک کے حالات،

قیمت :- ؏ ضخامت :- ۵۰۸ صفحے

"منیجر"

استفسار و جواب

رائے پنڈت چندر بھان برہمن

اور

ان کی تصنیفات

جناب پرسرام وتس صاحب
مونگا، ضلع فیروزپور

"پنڈت چندر بھان برہمن جو حضرت شاہجہان صاحبقران اور ان کے ولی عہد دارا شکوہ کے میر منشی تھے، میرے اجداد میں سے تھے، ان کی تصانیف منشآت برہمن، چہار چمن، نگار نامہ، گلدستہ، تحفۃ الفصحا، مجموعۃ الفقرا، تذکرہ فارسی شعراء وغیرہ نہیں ملتیں، آپ کی وسعتِ مطالعہ و معلومات کا ذکر میرے مسلمان دوست اکسٹرا اسسٹنٹ صاحب نے کیا، تو میں نے آپ کو تکلیف دی، تحریر فرمادیں کہ میں کہاں کہاں سے ان کتابوں کو اور ان کی کسی سوانح عمری یا تذکرہ کو دیکھ پا سکتا ہوں، وہ ذرائع تحریر فرمادیں تاکہ میں ان کی زیارت کرسکوں، احسان مروت اور مہربانی سے میری دعائیں حاصل کیجئے"

معارف :- گرامی نامہ ملا، خوشی ہوئی کہ ... پنڈت چندر بھان برہمن کی یاد کو تازہ کرنے والے ان کے اخلاف موجود ہیں، ان شخصیتوں کے نام اور ان کے کارنامے ہندوستان کے اس درخشاں عہد کو یاد دلاتے ہیں، جب یہاں ہندو اور مسلمان شیر و شکر تھے، وہ اپنے اپنے مذہب پر قائم رہ کر ایک دوسرے سے یگانگی رکھتے تھے، لطف و محبت سے پیش آتے، ہندو اور [illegible] کے ساتھ ایک دوسرے کے مذہبی

وہ واتی جذبات و احساسات کا پاس و احترام رکھتے تھے،

راے چندر بھان تخلص، برہمن، شاہجہانی دور کے مشہور ارباب قلم میں سے تھے، ان کی جن کتابون کے نام آپ نے لکھے ہیں، ان میں سے بعض مشہور کتب خانون میں موجود ہیں، اور اتفاق سے مصنف نے اپنی بعض کتابون مین اپنی خود نوشت سوانح عمری بھی قلمبند کر دی ہے، اور اس کا نسخہ محفوظ رہ گیا ہے، پھر ان کے شعر و ادب کا ذوق رکھنے کی مناسبت سے تذکرہ کی کتابون مین اُن کے مختصر حالات ملتے ہین، اور درباری تعلق سے ان کا ذکر بعض سیاسی تاریخون مین بھی آیا ہے، چنانچہ عمل صالح محمد صالح کنبوہ المتوفی ۱۰۸۵ھ، مراۃ جہان نما شیخ محمد بقا المتوفی ۱۰۹۳ھ، تذکرہ مراۃ الخیال شیر خان لودی (تصنیف ۱۱۰۲ھ) تذکرہ حسینی میر حسن دوست (تصنیف ۱۱۶۳ھ) مخزن الغرائب احمد علی سندیلوی (تصنیف ۱۲۱۸ھ) تذکرہ خوش نویسان غلام محمد ہفت قلمی المتوفی ۱۲۳۹ھ، اور نشتر عشق حسین قلی خان عشق مین ذکر آیا ہے،

موجودہ زمانہ کی تصنیفات مین سے امراے ہنود محمد سعید احمد مارہروی طبع ۱۹۱۰ء، ایجوکیشن ان مسلم انڈیا سید محمد جعفر طبع ۱۹۳۶ء "دی ریلیجیس پالیسی آف دی مغل ایمپرر" سری رام شرما طبع ۱۹۴۰ء ادبیات فارسی مین ہندوؤن کا حصہ ڈاکٹر سید عبد اللہ طبع ۱۹۴۲ء مین بھی تذکرہ آیا ہے، ان میں سے اول و آخر الذکر کتابون مین کسی قدر تفصیل سے ہے،

ان مآخذ خصوصاً ان کی تصنیف چار چمن (موجود در برٹش میوزیم) سے ان کے مختصر سوانح اور مخطوطات کی فہرستون سے ان کی کتاب کا حال ذیل مین پیش ہے،

وہ پنجاب کے ایک برہمن خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے والد کا نام پنڈت دھرم داس تھا، ان کی ولادت لاہور مین ہوئی، اور یہین نشو و نما پائی، شیر خان لودی نے مراۃ الخیال مین، اور اس کے

سلہ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۷، بحوالہ چار چمن

سے بعض تذکرہ نگاروں نے ان کا وطن اکبرآباد لکھا ہے[۵۱]، مگر یہ خود ان کی تصریح کے خلاف ہے اکبرآبا
ن کے گھر سے ربط ضبط قائم ہو گئے تھے لیکن جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے، ان کا مولد و منشا لاہور ہی تھا،
ابتدائی تعلیم و تربیت لاہور ہی میں حاصل کی، اور اس دور کے مشہور باکمال ملا عبدالحکیم سیالکوٹی
اسے زانوے تلمذ تہ کیا[۵۲]، فن خطاطی میں بھی کمال حاصل کیا، خط نستعلیق کی تحصیل آقا عبدالرشید سے
یا اور خط شکستہ کفایت خان سے حاصل کیا تھا، تذکرہ خوشنویسان میں خوش نویس کی حیثیت سے
ان کا ذکر آیا ہے[۵۳]،

تعلیم سے فراغت کے بعد امیر عبدالکریم میر عمارات لاہور و اکبرآباد کی ملازمت سے وابستہ ہو گئے،
ئے بھائی اودے بھان عاقل خان کے دفتر سے تعلق رکھتے تھے، اس تعلق سے ان کو بھی شاہی ملازمت
وابستگی ہوئی، اور اس زمانہ کے مشہور امیر ملا عبدالشکور شیرازی معروف بخطاب افضل خان کے دامن
ت سے وابستہ ہو گئے، افضل خان ترقی کر کے شاہجہان کے پہلے سال جلوس میں وزیر الکل کے عہدہ
فراز ہوا تھا، اور پنڈت چندربھان افضل خان کے کاتب (سکریٹری) کی حیثیت سے خدمت انجام
دیتے رہے[۵۴]، اور قیام لاہور ہی میں رہا،

افضل خان نے ۱۰۴۸ھ میں وفات پائی[۵۵]، اس کے بعد ہی جب شاہجہان ۱۲ سنہ جلوس شاہجہانی
للاہور آیا، تو افضل خان کے متعلقین اور وابستگان کو اپنے حضور میں طلب کیا، اس تعلق سے پنڈت
چندربھان کو بھی شاہجہان کی خدمت میں شرفیابی کا موقع ملا، اس نے خط شکستہ میں اپنی ذیل کی

---

[۵۱] تذکرہ مراۃ الخیال ص ۲۱۳ [۵۲] برٹش میوزیم کی فہرست میں ملا عبدالکریم چھپا ہے، مگر یہ نسخہ کی غلطی معلوم ہوتی
ان کے استاد کی حیثیت سے دوسرے مآخذ مخزن الغرائب وغیرہ میں ملا عبدالحکیم کا نام مذکور ہے [۵۳] تذکرہ
نویسان ص ۵۵ [۵۴] عمل صالح (قلمی) ورق ۱۳، [۵۵] نشتر عشق قلمی جلد اورق ۹ در ادبیات فارسی
ت و امرائے ہنود صفحہ ۱۸۳ [۵۶] افضل خان کے سوانح کے لئے دیکھئے مآثر الامراء جلد صفحہ ۱۵۱،

رباعی لکھ کر شاہجہان کی خدمت مین پیش کی :-

شاہے کہ مطیع او دو عالم گردد ہر جا کہ سریست پیش او خم گردد
از بسکہ بدورش آدمی یافت شرف خواہد کہ شرف نیست آدم گردد[۵۱]

مگر رید کا خیال ہے کہ برہمن پہلی مرتبہ ۱۰۵۵ھ مین سرہند مین جشن نوروز کے موقع پر جب شاہجہان بدخشان کی مہم کی تیاری مین مصروف تھا، دربار شاہجہانی مین حاضر ہوا، اور اس کا پہلی مرتبہ تعارف کرایا گیا[۵۲] لیکن دونون روایتون مین کوئی ایسا تضاد نہین، ہوسکتا ہے کہ وہ افضل خان کی وفات کے بعد اس کے عملہ کے ساتھ شاہجہان کے حکم سے دار السلطنت کے عملہ مین شامل کر لیا گیا ہو اور مقرب درباری کی حیثیت سے پہلی مرتبہ سرہند مین جشن نوروز کے موقع پر اپنی نظم سنائی ہو، اور الطاف شاہانہ سے سرفراز کیا گیا ہو،

بہرحال شاہجہان نے اس کو اپنی خدمت کے لئے منتخب کیا، اور اس کے خدمات مرکزی حکومت کے صدر دفتر مین منتقل ہو گئے، وہ رفتہ رفتہ ترقی کرکے "وقائع نویس حضور" کے منصب پر مامور کیا گیا، اب وہ شاہجہان کے دربار مین حاضر رہتا[۵۳] اور روزانہ کے وقائع قلمبند کیا کرتا، ضرورت کے وقت کبھی وہ باہر بھی بھیجا جاتا تھا چنانچہ وہ ایک موقع پر شاہجہان کی طرف سے بیجاپور کے دربار مین بھیجا گیا،[۵۴] دارا شکوہ کو اس سے غیر معمولی انس پیدا ہو گیا تھا، چنانچہ اس نے شاہجہان سے کہہ کر اس کے خدمات مستعار حاصل کر لئے، اور وہ دارا شکوہ کا میر منشی مقرر ہو گیا، مگر علامہ سعد اللہ کی وفات کے بعد شاہجہان کو اس کی دوبارہ ضرورت ہوئی تو پھر اس کی خدمات مرکزی حکومت سے

---

[۵۱] امرائے ہنود ص ۱۶۱ [۵۲] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم جلد ۲ ص ۸۳۰ [۵۳] چہار چمن، در فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۷،

[۵۴] مرآۃ جہان نما ص ۱۳۱ (قلمی) در برٹش میوزیم جلد ۳ ص ۱۰۸۷،

نہ ہو گئے، اب شاہجہان نے اس کو راے کے خطاب سے بھی ممتاز کیا[۵۰]، دورحاضر کی اصطلاح میں اس کے
کو آفیسر انچارج آف دی دارالانشا ر دی سکریڑیٹ سے موسوم کیا گیا ہے[۵۱]

وہ شاہجہان کے آخر دور یعنی داراشکوہ کے ساتھ قتل سے پہلے تک اپنے عہدہ میرمنشی پر مامور رہا،
پنے قدردان داراشکوہ کی زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ہی وہ بھی شاہی خدمت سے سبکدوش ہو گیا،
بنارس مین جاکر عزلت گزینی کی زندگی اختیار کرلی[۵۲]

ت | بنارس ہی مین اپنی زندگی کے آخیر دن پورے کئے، اور وہین وفات پائی، سال وفات مین
لاف ہے، مراۃ جہان نما مین ۱۰۶۲ھ مکتوب ہے، مراۃ الخیال مین ۱۰۷۳ھ ہے، اور تذکرہ شمع انجمن
۱۰۹۲ھ کہا گیا ہے، اول الذکر روایت کو ریو نے ترجیح دیا ہے[۵۳]، لیکن یہ قرین قیاس معلوم نہین ہوتا،
۱۰۶۸ھ مین اورنگزیب اور داراشکوہ کی لڑائی ہوئی، اور داراشکوہ کا آفتاب اقبال غروب ہوا ہے
ر بھان نے داراشکوہ کے قتل ہونے یا یون کہئے کہ عالمگیر کے تسلط حاصل کرنے کے بعد مرکزی حکومت
، اپنا رشتہ منقطع کیا ہے، اس لئے وہ گویا ۱۰۶۸ھ کے آخر مین بنارس آیا، چند سال پہلے عزلت گزینی
زندگی گذارنے کا ذکر آتا ہے، اس لئے عجب نہین کہ تذکرہ مراۃ الخیال کی روایت صحیح ہو کہ اس نے
۱۰۷۳ھ مین بنارس مین وفات پائی، اور وہین آخری مراسم ادا ہوئے،

بگارین | اولاد مین اپنے ایک لڑکے تیج بھان کا ذکر انشاے برہمن مین کیا ہے، (ورق ۹۶) آگرہ
ن اس کی چند یادگار عمارتین بھی تھین، ایک خوشنما باغ تعمیر کرایا تھا، جو باغ چندر بھان کے نام
سے موسوم ہوا، ایک بڑا تالاب کھدوایا تھا، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ مین وہ باغ کسی انگریز کے قبضہ مین

---

۵۰ مرأۃ ہند وص ۱۰۳ ۵۱ دی ریلیجس پالیسی آف دی مغل ایمپررز ص ۱۰۱ ۵۲ مراۃ الخیال ص ۲۱۵،
۵۳ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۳ ص ۱۰۸۷، مراۃ الخیال صفحہ ۲۱۵، تذکرہ خوشنویسان
بر حاشیہ صفحہ ۵۵،

چلا گیا تھا، یہ سکندرہ کی سڑک پر آگرہ اور سکندرہ کے درمیان واقع ہے، اس کا دروازہ سنگِ سرخ کا

تھا، یہ باغ پھر لالہ سورج بھان کی اولاد کے قبضہ مین چلا گیا تھا،

آگرہ مین پنڈت چندر بھان کی بعض دوسری عمارتون کے موجود ہونے کا ذکر منشی سیل چند کی

تفریح العمارات مین آیا ہے، مگر اب وہ سب ناپید ہو چکی ہین[۱]۔

سیرت و کردار | چندر بھان طبعًا مذہبی آدمی تھا، مذہبی مسائل سے دلچسپی رکھتا تھا، مذہبی عقائد پر اس نے

بابا لعل داس اور داراشکوہ کے ایک مکالمہ کا ترجمہ فارسی مین کیا تھا، اور جیسا کہ گذرا، آخر زندگی تیرتھ گاہ

بنارس مین گذار دی، اس کو اپنے ہندو ہونے پر فخر تھا، زنّار دار کے لقب کو اپنے لئے پسند کرتا تھا، اپنی

زنار داری سے اپنا لگاؤ یون ظاہر کیا ہے،

مرا برشتۂ زنار نسبتِ خاص است   بہ یادگار برہمن از برہمن ہمین دارم

طبیعت مین سوز و گداز تھا، حاجتمندون سے ہمدردی کرتا، اور اُن کی ضرورتین پوری کرنے کے لئے

سفارشین کرتا تھا، اس کے مکاتیب مین اس کی شہادتین جا بجا موجود ہین، طبیعت مین مذہبی رواداری

بھی تھی، یہان تک کہ محمد صالح کنبوہ صاحبِ عمل صالح لکھتا ہے :-

"ہرچند بصورت ہندو است لیکن دم در اسلام می زند"

اس کے ساتھ اپنے مذہبی عقائد اور ہندووانہ مراسم و روایات کی دل سے قدر کرتا تھا، اس کی جھلک

اس کے مکاتیب مین جا بجا موجود ہے، مثلاً اس کا ایک طریقۂ ادا ہے :-

"برہمن عقیدت کیش کہ صندل اخلاص بر جبیں و زنار عقیدت در گلو دارد"[۲]

اس طرح وہ ایک خوش خصال نیک دل، روادار اور اپنے عقیدے کا ایک مخلص برہمن تھا

---

[۱] امرائے ہنود ص ۱۰۴، و ادبیات فارسی ص ۴، [۲] ادبیات فارسی ص ۷، بحوالہ عمل صالح، نشتر عشق،

تفریح العمارات، منشآت برہمن،

ادب وانشا اور شاعری محمد صالح کنبوہ نے اس کو شاہجہانی عہد کے ممتاز شعراء اور نثر نگاروں میں شمار کیا ہے[51]، وہ اپنی نظم و نثر میں سادہ نگاری کو پسند کرتا تھا، صاحب دیوان تھا، تذکرہ حسینی میں ہے:

"دیوانے و انشائے بسیار سادہ یادگار گذاشتہ"[52]

کلمات الشعراء کے مصنف کا بیان ہے :-

"بطرز قدیم شستہ و صاف در ہندوان غنیمت بود"

محمد صالح اور بعض دوسرے مصنفین نے لکھا ہے کہ اس نے انشا میں ابوالفضل کا تتبع کیا ہے، مگر یہ پورے طور پر صحیح نہیں ہے، ابوالفضل کے طرز انشار کی کچھ نہ کچھ جھلک اس کی تحریر میں ضرور پائی جاتی ہے مگر اس میں ابوالفضل کی دقت پسندی نہ تھی، اس کا طرز انشار قدیم اسلوب میں صاف و شستہ تھا بلکہ عمومی حیثیت سے اس کی سادہ نگاری کا ایسا شہرہ تھا کہ شیرخان لودی نے داراشکوہ کے اس سے دلچسپی رکھنے پر اس لئے بھی تعجب کیا ہے کہ داراشکوہ اور برہمن کے طرز انشار میں زمین و آسمان کا فرق ہے، وہ لکھتا ہے :-

"نسخۂ چارچمن بر مطلب نویسی و سادگی عبارات دے گواہی می دہد، و قماش نظمش نیز پوشیدہ است عجب کہ شاہزادہ بآن ہمہ مستعدان کہ در عرصۂ روزگار برنگ آمیزی الفاظ آبدار صفحۂ خاطر ارباب دانش چون شفقہائے موسم بہار ہزار رنگ متلون می ساختند خاطر مبارک بسخن سادہ اش فریفتہ وہ بود"[53]

افسوس ہے کہ شیرخان لودی نے اپنے تذکرہ مراۃ الخیال میں چندربھان کا تذکرہ خوشگوار لب و لہجہ میں نہیں کیا ہے اس نے ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے، اور اس کے حوالہ سے دوسرے تذکرہ نگاروں

---

[51] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۰ بحوالہ عمل صالح (قلمی) ورق ۷۰۰، [52] تذکرۂ حسینی صفحہ ۳
[53] تذکرۂ مراۃ الخیال ص ۲۱۳، ۲۱۴۔

نے بھی اس کو لکھا ہے کہ ایک مرتبہ دارا شکوہ نے شاہجہان کے سامنے اس کے ذوق شعری کی تعریف کی، شاہجہان کی فرمایش پر اوس نے اپنا ایک شعر پڑھا،

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

شاہجہان یہ شعر سن کر چین بجبین ہوا، اہل دربار سے مخاطب ہوا، کہ کوئی اس کو برجستہ جواب دے، افضل خان نے بڑھ کر کہا کہ اگر حکم ہو تو استاد کے ایک شعر سے اس کا جواب دون بادشاہ نے اشارہ کیا، تو افضل خان نے شیخ سعدی کا مشہور شعر پڑھا،

خر عیسیٰ گرش بمکہ برند چون بیاید ہنوز خر باشد[1]

بادشاہ یہ سن کر شگفتہ ہوگیا، اور چندر بھان غسل خانہ کے دروازہ سے نکل کر چلا گیا، شاہجہان نے دارا شکوہ کو فہمایش کی کہ آیندہ ایسے اشعار اس مجلس مین نہ پیش کئے جائین[2]

یہ ایک درباری لطیفہ ہو سکتا ہے، لیکن شیر خان نے اس واقعہ کو جس انداز مین قلمبند کیا ہے اور اس پر جو حاشیہ آرائی کی ہے اس کو موزون نہین کہا جاسکتا،

---

[1] مراۃ الخیال مین اس کی قرات یون ہی ہے، مخزن الغرائب مین ان لفظون مین ہے، جیسے یہ مشہور ہے،

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود چون بیاید ہنوز خر باشد

[2] بعض اہل قلم نے اس واقعہ مین افضل خان کے شریک ہونے سے اس پر شبہہ ظاہر کیا ہے، لیکن افضل خان سے مراد وزیر الکل ملا عبد الشکور نہین ہو سکتے کہ ان کا انتقال ۱۰۴۹ھ مین ہو چکا تھا، (مآثر الامراء جلد ۱ ص ۱۰۰) اور جیسا کہ اوپر گذرا چندر بھان کا تعلق دربار شاہجہانی سے افضل خان کی وفات کے بعد ہوا تھا، اس لئے یہان افضل خان سے مراد وہ شاہجہانی امیر ہے، جو شاہجہان کا معتمد خاص تھا، اورنگ زیب اور شاہجہان کے آخری اختلاف کے موقع پر نامہ و پیام مین خلیل اللہ خان کے ساتھ شاہ جہان کی طرف سے اورنگزیب کے پاس گیا تھا، اور آخر وقت تک شاہجہان کا معتمد رہا تھا، (عمل صالح وغیرہ)

شیر خان لودی کا باپ شاہزادہ شجاع کے صوبہ سے وابستہ تھا، شجاع و داراشکوہ کا اختلاف معلوم ہے، شاید شیر خان کی اس غیر جانبداری کا سبب کوئی ایسی سیاسی منافرت ہو جو مصنف کو مدنظر نہ ہو، بہرحال شیر خان نے یہ خاص طور پر تصریح کی ہے کہ داراشکوہ چندر بھان سے غیر معمولی التفات رکھتا تھا، اور وہ اس کی نظم و نثر کا قدردان تھا، اوس نے اس کے دیوان سے ایک غزل اپنے تذکرہ مین نقل کی ہے، اور لکھا ہو کہ راقم الحروف این غزل را در تمام دیوانش انتخاب زدہ،

کنم ز ساده دلی بند دیده قربان را | بہشت حسن نتوان بست راه طوفان را
جگر نشان شده ام باز جا ے آن دارد | که لاله زار کنم دامن و گریبان را
همیشه زلف ترا اضطراب کار ماست | چگونه جمع کند خاطر پریشان را
شبے خیال تو آمد بخواب دآسودیم | دگر ز هم نه کشادیم چشم گریان را

برہمن از تو سخن بے دلیل می خواہم
کہ اعتبار نباشد دلیل و برہان را[1]

احمد علی سندیلوی نے بھی اپنی مخزن الغرائب مین اس کا تذکرہ کسی قدر تفصیل سے کیا ہے لیکن وہ تمام تر مراۃ الخیال سے ماخوذ ہے، کوئی نئی بات نہیں، البتہ ایک شعر کی نسبت جو برہمن کی طرف کی جاتی ہے اس پر شبہہ ظاہر کیا ہے کہ

ببین کرامت بتخانہ مرا اے شیخ | کہ چون خراب شود خانہ خدا گردد[2]

سندیلوی کا یہ شبہہ ممکن ہے کہ اس عام روایت کی وجہ سے ہو جو بے سند مشہور ہوگئی ہے کہ کسی پجاری برہمن نے عالمگیر کے سامنے جب اس نے بنارس مین مندر کے توڑنے کا حکم دیا، تو اسی موقع پر اوس نے برجستہ موزون کر کے عالمگیر کو سنایا، اور وہ شرمندہ ہوا، یہ فسانہ افسانہ ہی فسانہ ہے، اگر اسی سبب سے سندیلوی نے چندر بھان

---

[1] مراۃ الخیال ص ۲۱۳ تا ۲۱۵ [2] مخزن الغرائب ورق ۱۵۹، ۶۰

سے اس نے اس شعر کو چھین لینا چاہا، تو یہ صحیح نہیں، حقیقت یہ ہے کہ

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار ۔۔۔ بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

کہنے والا ہی

بہ بین کرامت بت خانۂ مرا اے شیخ ۔۔۔ کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

کہہ سکتا ہے شاعرانہ شوخ چشمیوں سے بڑے بڑے باکمال زاہد شعراء کے دامن محفوظ نہیں، تو اگر "کفر آشنا دل" رکھنے پر فخر کرنے والے بیچارے برہمن کی زبان سے یہ شعر موزون ہوا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے،

تصنیفات ۔ چندر بھان برہمن کی حسب ذیل کتابیں مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں :-

۱۔ چہار چمن، کا نسخہ برٹش میوزیم میں ہے کتاب کا نمبر ۱۶۸۶۳ ہے، یہ ۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر سطر میں ۱۰ سطرین ہیں، خط نستعلیق اور تاریخ کتابت کم رجب ۱۱۲۳ھ ہے، یہ کتاب ۲۰۳ صفحوں کے ایک مجموعہ میں ہے، جو چہار چمن، رقعات شیخ ابو الفضل، انوار سہیلی اور کوئی ایک اور مجموعہ مکاتیب پر مشتمل ہے،

چہار چمن چار بابون میں جن کو چمن سے موسوم کیا گیا ہے تقسیم ہے چمن اول میں شاہی دربار کے مختلف جشنوں کا مرقع کھینچا گیا ہے، اور ان یادگار موقعون پر مصنف نے جو نظمیں پڑھی تھیں، ان کو درج کیا ہے، دوسرے چمن میں جو اس نسخہ میں ۱۰ ویں صفحہ سے شروع ہوتا ہے، دربار کی شان و شوکت اور شاہجہان کے معمولات یومیہ اس کے نئے دار السلطنت شاہجہان آباد اور مملکت کے اہم صوبوں اور شہروں کا حال بیان کیا گیا ہے، تیسرے چمن میں جو ۵۵ ویں صفحہ سے شروع ہوتا ہے، مصنف کے سوانح حیات اور اس کے چند مکاتیب درج ہیں، اور چوتھے چمن میں جو ۱۰ ویں صفحہ سے ہے، چند اخلاقی اور مذہبی تخیلات پیش کئے گئے ہیں، یہ آخری باب ۲۰ صفحہ پر ختم ہوجاتا ہے،

کتاب کا زمانۂ تصنیف ۱۰۵۷ھ کے بعد تقریباً اسی کے لگ بھگ ہے، صفحہ ۵ پر ایک واقعہ کا تذکرہ جو اس سنہ میں پیش آیا تھا، ایک تازہ واقعہ کی حیثیت سے کیا گیا ہے،

اس نسخہ کا آغاز چمن اول مشتمل بر سیرابی وشادابی ہمیشہ بہار کے فقرہ سے ہوتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس کتاب کے مقدمہ کے ابتدائی فقرے موجود نہیں ہیں، برٹش میوزیم میں اس کا دوسرا نسخہ بھی ہے، اس کا نمبر ۱۸۹۲ ہے یہ ۱۲۱ اوراق پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۱۳ سطریں ہیں، یہ نسخہ دسمبر ۱۰۴۹ھ کا لکھا ہوا ہے، مرتب فہرست نے اس کو شاہجہانی عہد کی تاریخ کے ذخیرہ میں درج کیا ہے، اس میں چمن اول ورق ۴۵، دوم ۳۰، سوم ۷۰ اور چہارم ۱۰۹ سے شروع ہوتا ہے، اس نسخہ کی ابتدا میں ۲، ۳ اوراق کا ایک مقدمہ بھی ہے، یہ مقدمہ ذیل کے فقرے سے شروع ہوتا ہے،

"الحمد للہ ...... اگرچہ در عہد سعادت آئین وزمان میمنت قرین الخ"

مصنف نے ایک مکتوب کے ذریعہ اس تصنیف کو بادشاہ کی خدمت میں اس کے نام سے معنون کرکے پیش کیا تھا، یہ مکتوب اس کی دوسری تصنیف انشاے برہمن میں جس کا ذکر آگے آتا ہے، موجود ہے، اور چہار چمن کے اس نسخہ میں پہلے نسخہ کے برخلاف سرنامہ کے طور پر نقل کرلیا گیا ہے، اس کا اندازہ اس کے ابتدائی فقرے سے ہوتا ہے لیکن تعجب ہے، کہ برٹش میوزیم کے فہرست نگار ریو کو اس کا اندازہ نہ ہوسکا اور اس نے لکھا،

"اس کا ورق ۲ و ۳، ایک جداگانہ دستی تحریر پر مشتمل ہے جس میں اسی تصنیف کی ایک دوسری تمہید ہے، جو مرزا فخر الدین دہلوی کے نسخہ سے اس میں نقل کی گئی ہے، اس تمہید کی ابتدا اس فقرہ سے ہوتی ہے"

"چون اداے شکر نعمت[1] حضرت صمدیت الخ"

مصنف کی دوسری تصنیف انشاے برہمن میں جس میں اس کے مکاتیب جمع کئے گئے ہیں، برہمن کا پہلا مکتوب یہی ہے، اور اسی فقرے سے شروع ہوتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے معنون

---

[1] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۳ ص ۹۲۵۔ انشاے برہمن میں نعمت کے بجائے نعماے آیا ہے،

کرنے کے لئے جو مکتوب شاہجہان کو لکھا تھا، اور اس کو انشائے برہمن مین داخل کیا تھا، کسی صاحب ذوق نے اس مکتوب کو اس تصنیف چہار چمن کا سرنامہ بنا دیا، اور اس نسخہ سے چہار چمن کے اس نسخہ مین نقل کیا گیا ہے،

بہرحال چہار چمن کا زیادہ مکمل نسخہ جس مین سرنامہ اور مقدمہ دونون موجود ہین، برٹش میوزیم کا یہی دوسرا نسخہ ہے،

مؤلف امرائے ہنود نے چندر بھان برہمن کی تحریر کے نمونہ کے طور پر چند صفحے نقل کئے ہین، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چہار چمن ہی کے اقتباسات ہین، ان مین جابجا برہمن کی غزل، رباعی اور بعض قطعے بھی ہین جن کو اس نے شاہجہان کی خدمت مین وقتاً فوقتاً پیش کیا تھا، ایک غزل کا مطلع ہے:-

روئیت بہ آفتاب دہد آب و تاب را　　اے از تو صد شرف شرف آفتاب را

مقطع مین ہے:-

این برہمن مدام دعا کن ز روے صدق　　شاہ بلند اختر گردون جناب را

ایک جگہ لکھتا ہے:-

"وچون این برہمن عقیدت کیش کہ در منشیان این درگاہ آسمان جاہ منسلک است در روز ہائے عظیم مثل نوروز جہان افروز می گزرانید، در جشن مبارک آئین نیز رباعی خواندہ بہ غایت خلعت سرفرازی یافت (رباعی)

در جشن مبارک شہنشاہ جہان　　شاہنشہ آفاق خدیو گیہان

دریا شدہ از آب گہر روے زمین　　ہر خانہ شد از لعل بدخشان کان[1]"

۲- انشائے برہمن کا تذکرہ اوپر گذرا، مصنف نے شاہجہان اور دوسرے امرا

---

[1] امرائے ہنود ص ۱۸۱

مختلف ضرورتوں سے مختلف موقعوں پر جو خطوط لکھے تھے، ان کو اس میں جمع کیا گیا ہے، خطوط کی ترتیب مکتوب الیہ کی ذاتی وجاہت و مرتبت کے لحاظ سے یکے بعد دیگرے قائم کی گئی ہے، جیسا کہ اوپر گذرا، پہلا خط شاہجہان کے نام سے ہے، جس کے ذریعہ اس نے اپنی تصنیف چہار چمن کو اس کی خدمت میں پیش کیا ہے، اور وہ "چون او سے شکر ثنا سے حضرت صمدیت" سے شروع ہوتا ہے، اس کا نسخہ بھی برٹش میوزیم میں محفوظ ہے، کتاب کا نمبر ۲۲۹۱۳ ہے، یہ مجموعہ ۵۰ اوراق پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۹ سطرین ہیں، خط نستعلیق ہے کتابت کی تاریخ ۱۱۶۶ھ ۱۷۵۲ء ہے، اس مجموعہ کا نہ کوئی مقدمہ ہے اور نہ اس کو کسی نام سے موسوم کیا گیا ہے[51]، مرتب فہرست نے "انشاے برہمن" سے موسوم کیا ہے، اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی میں بھی ہے، ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ نے اس کو "منشآت برہمن" سے موسوم کیا ہے[52]

۲۔ سوال و جواب لعل داس و دارا شکوہ کا نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ میں ہے، کتاب کا نمبر ۱۴۵۴ ہے، ہندو فقراء کے مذہبی عقائد پر بابا لعل داس اور شاہزادہ دارا شکوہ میں ایک مکالمہ ہوا تھا جس کو سوال و جواب کی صورت میں قلمبند کیا گیا تھا، یہ رسالہ ہندی زبان میں تھا، پنڈت چندربھان نے اس کو فارسی زبان میں منتقل کیا ہے، اس کا آغاز اس فقرہ سے ہے،

"گذشت (؟) سرسری بابا لعل داس و شاہزادہ دارا شکوہ کہ درمیان ہر دو عزیزان مذکور شدہ"

پہلا سوال یون شروع ہوتا ہے،

"در نادر پند چگونہ فرق توان کرد الخ"

بانکی پور کا نسخہ ۲۴ صفر ۱۲ جلوس محمد شاہی کا مکتوب ہے، خط شکستہ ہے[53]، نیز یہ رسالہ

---

[51] فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۱ ص ۳۹۰، ۳۹۲ و ص ۳۹۰ [52] ڈاکٹر سید عبد اللہ نے اپنی تصنیف "ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ" (ص ۴۴) میں اس رسالہ پر کسی قدر تفصیل سے بحث کی ہے، تفصیلات کے لئے اس کی طرف رجوع کریں، [53] فہرست مخطوطات بانکی پور، ج ۱۶ ص ۱۳۲،

چرنجی لال کی ترتیب و تحشیہ کے ساتھ ۱۸۸۹ء میں دہلی سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اس کا ایک ملخص بھی کسی نے تیار کیا تھا، جو ایک مجموعہ میں برٹش میوزیم میں موجود ہے، اس کا نمبر ۱۹۰ ، ا ہے، اس کے سرنامہ میں ہے :-

"انتخاب جواب و سوال بابالال داس و بادشاہ زادہ حق پژوہ داراشکوہ"

اور رسالہ کا آغاز اس طرح ہے،

"اوّل آن کہ از ورود کلمہ مقطعہ آدم در بہشت میرود"

اس انتخاب کا ایک نسخہ کنگ کالج لائبریری میں بھی موجود ہے، پروفیسر مایر نے اپنی فہرست میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

۴۔ تحفۃ الانوار کا کچھ حصہ برٹش میوزیم کے ایک مجموعہ انتخابات میں پایا جاتا ہے، اس میں چند اخلاقی کہانیاں ہیں، کتاب ۱۲ بابوں میں تقسیم ہے، لیکن تحفۃ الانوار کے مصنف کا نام مذکور نہیں، غالبًا اس مجموعہ میں برہمن ہی کی کتاب کے اقتباسات لئے گئے ہیں، اس مجموعہ کا نمبر ۲۸ ، ا ہے، اس میں ۲۶ ورق تک تحفۃ الانوار کا حصہ ہے، یہ مجموعہ تقریبًا ۱۸۵۰ء کا خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے[۵۲]،

افسوس ہے کہ پنڈت چندربھان برہمن کی باقی دوسری کتابوں، گلدستہ، نگارخانہ، تحفۃ الفصحا، مجموعۃ الفقرا اور دیوان برہمن کے متعلق زیادہ چھان بین کرنے کا موقع نہ مل سکا، براہِ کرم کسی اور موقع پر یاددہانی فرمائیں، تو کسی فرصت کے وقت میں مزید جستجو کی جائے گی، عجب نہیں کہ ان کی بعض اور کتابیں ہندوستان ہی کے کتب خانوں میں سے کسی جگہ مل جائیں، اور آپ اپنے مورثِ اعلیٰ کی مزید ادبی خدمات کو دیکھ کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا سکیں، "س"

---

۵۲ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم ج ۲ ص ۱۸۱، ۵۲ ایضًا ج ۳ ص ۱۰۱۴،

ادبیات

احوال و مقامات

از جناب انور کرتانی

جو مردِ قلندر ہے فائق ہے وہی آخر　　اسرار و رموز ادل تفضیل خودی آخر

سرمایہ حکیمی کا آشوبِ ظن و تخمین!　　تقدیرِ فراست ہی آشفتہ سری آخر

بے ذوقِ تمنا ہے افکار کی رنگینی　　پُرسوز تھے دل جس سے وہ آگ بجھی آخر

اللہ رے ساقی نے خود تھام لیا مجھکو　　یہ لغزشِ مستانہ کام آ ہی گئی آخر

نیرنگ تحیر ہے دنیائے محبت بھی!　　اک تشنہ لبی اوّل اک تشنہ لبی آخر

اقوام و ملل جس سے ہوتی ہیں فلک پیما　　وہ رمز غلاموں پہ بھی فاش ہوئی آخر

بیدار اگر دل ہو شاہی ہی فقیری بھی　　بن جاتی ہے بال و پر بے بال و پری آخر

اظہارِ تمنا کے انداز کوئی دیکھے!　　بلبل کی نوا بھی ہے پھولوں کی ہنسی آخر

ہو جائیں گے خود پیدا اندازِ براہیمی　　بتخانۂ آذر ہے، تہذیبِ نوی آخر

حشر جذبات

جناب ثاقب کانپوری

جذباتِ حُسن و عشق کا طوفاں لئے ہوئے　　بیخود ہیں اہلِ ہوش یہ ساماں لئے ہوئے

روتا ہوں آج عشق کی ناکامیوں پہ مین | منہ پر ردائے گردِ بیابان لیے ہوئے
آنکھوں کو کیا ضرورتِ نظارۂ چمن | ہر نقش جب ہے حسن گلستان لیے ہوئے
محو تماشا ہوگیا منظر میں جمالِ دوست | ہر بزم میں ہوں دیدۂ حیران لیے ہوئے
اس سے زیادہ اور کروں کیا نگاہِ ناز | خاموش ہوں مین لذتِ پیکان لیے ہوئے
بربادیٔ حیات ہی راس آگئی مجھے | اب حسن خود ہے دید کا ارمان لیے ہوئے
یا خود مجھی کو اب نہیں احساسِ سوزِ دل | یا انتہائے درد ہے درمان لیے ہوئے
تیری تسلیوں سے نہ بڑھ جائے اضطراب | ہوں اشکہائے غم تہِ مژگان لیے ہوئے
کچھ تو بتا دے راز مجھے اے ہوائے شوق | کیوں پھر رہی ہے خاکِ پریشان لیے ہوئے
ممکن نہیں ہے دہر میں آزادیٔ حیات | ہر زندگی ہے کاہشِ زندان لیے ہوئے
ثاقب مری نظر میں ہے اُن کی اداے حسن | بیٹھے رہیں وہ جلوۂ پنہان لیے ہوئے

عرفانِ حیات

از جناب عرشی شاہ آبادی

درد بغیر زندگی اصل میں زندگی نہیں | رنج نہ ہو تو پھر خوشی تکملۂ خوشی نہیں
کشتۂ جورِ آسمان عرصۂ کائنات میں | عیش ہی عیش ہو مدام یہ کوئی زندگی نہیں
بادۂ شوق ہے بہت ہو تو کوئی حریفِ شوق | میکدۂ حجاز میں آج بھی کچھ کمی نہیں
وہ ہیں اگر اسی میں خوش صدمۂ غم اٹھائے جا | اُن کی خوشی خوشی سمجھ اپنی خوشی خوشی نہیں
ضبط ہی ضبط ہو تمام عشق سے لیکے حسن تک | آہ بہ لب کبھی ہو غم، وہ غم عاشقی نہیں

ہے غمِ ہجر جاودان آپ کا یہ خیال ہے
عرشیٔ زار کوئی شے دہر کی دائمی نہیں

وفیات

کرنول علاقہ مدراس کے ایک عالمِ دین کی وفات

احاطۂ مدراس کا وہ خطہ جس کو اب آندھرا کہنے لگے ہیں، اور جو مدراس اور حیدرآباد دکن کے بیچ میں واقع ہے وہ بھی کبھی اسلام کی قوت کا مرکز تھا، اس میں کرنول نام مشہور مقام ہے، جہاں پہلے ایک نوابی قائم تھی، وہ مٹ چکی ہے، اور اس کا یادگار خاندان حیدرآباد دکن منتقل ہوگیا ہے، وہاں کی اسلامی طاقت کے زوال سے وہاں کے مسلمانوں کی علمی و دینی کیفیت بھی زوال کے قریب پہنچ چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لئے اپنے ایک بندہ کو مامور فرمایا، ان کا نام مولانا حافظ محمد عمر صاحب تھا، ان کے علم و فضل اور نیکی و تقویٰ کے سبب سے حاکم و محکوم دونوں طبقوں میں نکوئی و عزت حاصل تھی، حکومت نے شمس العلماء کے لقب سے ملقب کیا تھا، اور عام مسلمانوں نے بھی ان کی دینی قیادت اور رہبری کو قبول کیا، موصوف نے اسّی برس کی عمر پائی، اور یہ پوری عمر علوم دینی کی تعلیم و تدریس میں بسر کرکے گذشتہ ۲۰ر جولائی سنہ ۵۱ء کو وفات پائی، ان کی وفات سے اس علاقہ میں علوم قدیمہ کا خاتمہ ہوگیا، مرحوم مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں تھے، اور جس جلسہ میں ندوہ کی ابتدائی تحریک کی گئی اسی میں ان کی دستاربندی ہوئی تھی، سنہ ۱۳۱۱ھ میں کانپور سے فارغ ہوکر واپسی کے بعد کرنول میں قیام کیا، اور آخر تک وہیں قیام پذیر رہے، وہاں ایک چھوٹے سے مدرسہ کا انتظام جس کی ماہوار آمدنی پندرہ بیس روپیہ سے زیادہ نہ تھی، اپنے ہاتھ میں لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے کام میں برکت

دی، مرحوم کے مساعی کی بدولت آج اس کے املاک وعمارات تقریباً تین لاکھ کے مساوی ہیں، آندھرا، اور مدراس علاقہ کے اردو فارسی، اور عربی اساتذہ میں تقریباً تین ربع بالواسطہ یا بلاواسطہ ان سے فیض تلمذ رکھتے ہیں، کانپور میں حضرت مولانا تھانوی سے مثنوی پڑھی تھی، اور ان کے سلسلہ ارادت میں شامل تھے، مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی سے بھی فیض پایا اور مسلسلیت وغیرہ کی اجازت لی تھی، افسوس ہے کہ وہ گنجینۂ علم مفقود ہوگیا، رنج اس بات کا ہے کہ یہ جگہ کچھ ایسی خالی ہوئی ہے کہ اب اس کے پر ہونے کے آثار نہیں، اسلاف کی زندگی کا نمونہ تھے، باوجود ہر طرح کے آرام کے ہمیشہ خود اختیاری فقر کی زندگی پسند کی اور دنیاوی املاک میں سے نہ زمین چھوڑی نہ مکان اور نہ نقد ہمیشہ یہی آرزو رہی کہ دنیا سے ایسے روانہ ہوں کہ ترکہ کا حساب نہ دینا پڑے، وہی بعینہٖ پیش آیا، رحمہ اللہ،

ندوۃ العلماء کے اغراض ومقاصد سے واقف تھے، اور اصلاح نصاب کے مسئلہ سے متفق تھے، اسی لئے اُنھوں نے اپنے مدرسہ میں بہت سی اصلاحات جاری کیں، اور مدرسہ کو پرانے علوم کے ساتھ نئے طرز وطریق سے آشنا کیا، مرحوم نے اپنا لائق جانشین چھوڑا، افضل العلماء ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب پرنسپل محمڈن کالج مدراس کو مرحوم نے پہلے عربی علوم پڑھا کر عالم بنایا، پھر افضل العلماء کا عربی امتحان مدراس یونیورسٹی سے دلاکر انگریزی پڑھائی اور ان کو ایم اے کرایا، فراغت کے بعد وہ محمڈن کالج مدراس میں پہلے استاد مقرر ہوئے پھر چند سال ہوئے کہ لندن جاکر علم تفسیر پر ریسرچ کرکے ڈاکٹریت کی ڈگری لی، اور اب وہ محمڈن کالج مدراس کے پرنسپل ہیں، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اپنے باپ سے علم وعمل دونوں کی برکت حاصل کی ہے؛

مرحوم سے مجھ سے مدراس کے سفر میں کئی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا، بڑے نیک وصالح اور متقی بزرگ تھے، وعظ بھی فرمایا کرتے تھے، سادہ بیان تھا، تکلف وتصنع سے تمام تر بری تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی نوازشوں سے سرفراز فرمائے، اور جس مدرسہ کو اُنھوں نے اپنی روحانی یادگار چھوڑا ہے، وہ اُن کی جسمانی یادگار کے زیر سایہ قائم وباقی رہے،

"س"

باب التقریظ والانتقاد

طوفانِ محبت

مصنفہ نواب ہوش یار جنگ ہوش بلگرامی، ملنے کا پتہ "کتاب خانہ" عابد روڈ حیدر آباد دکن، قیمت عہ، ۵ وعہ ۵ مجلد،

اردو شاعری آج کل جس دور سے گذر رہی ہے، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ امید نہ تھی کہ اب اصناف شاعری میں سے کوئی پرانی قسم کی مثنوی لکھ کر پیش کریگا، اب ناولوں رومانوں، چھوٹی کہانیوں کے عہد میں کس کو ہمت ہوگی کہ وہ نظم کے ان دو مصرعوں میں حسن وعشق کا کوئی افسانہ چھیڑے گا، یہی سبب ہے کہ آج اس زمانہ میں جب کہ غزل کہنے والے ہزاروں لاکھوں ہیں حسن وعشق کی مثنوی کہنے والا ایک بھی نہیں، اس ماحول میں جناب ہوش بلگرامی کی مثنوی "طوفان محبت" کو دیکھ کر جو ابھی ابھی حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے بڑا تعجب ہوا،

بلگرام کی سرزمین کو شعر وسخن اور علم وادب کے ساتھ جو فطری مناسبت ہے، وہ ظاہر ہے اس فطری مناسبت اور ذاتی صلاحیت کے علاوہ جناب ہوش کی بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ انھوں نے نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی کے سایۂ عاطفت میں جگہ پائی، نواب صاحب مرحوم نہایت مشکل پسند نقاد فن تھے، جس کا اندازہ ان کے انتخابات دیوان میر سے ہوگا،

ہوش صاحب نے اپنی اس مثنوی کی طرح اپنے عہد ادب کے آغاز ہی میں ڈالی تھی، اس کے بعد

زمانہ کے انقلابات نے اون کو کہاں کہاں پہنچایا، مگر وہ حسن وعشق کے اس صحیفہ کو جہاں گئے، اپنے سینہ سے لگائے رہے، یہاں تک کہ غالباً ربع صدی کے بعد اب وہ صحیفہ چھپ کر منظر عام پر آیا ہے،

مثنوی، ۹۲ صفحوں میں تمام ہوئی ہے، شروع میں مصنف کا منثور دیباچہ ہے، جس میں صنف مثنوی کی خصوصیات، اور اپنی اس مثنوی کے مقاصد بیان کئے ہیں، اس کے بعد جناب نیاز صاحب فتحپوری کا مقدمہ ہے جس میں مثنوی اور صاحب مثنوی کا تعارف ہے، اس کے بعد مثنوی کا آغاز ہوتا ہے،

مثنوی کا آغاز بدستور حمد باری تعالیٰ سے ہوا ہے، جس کا عنوان "اعتراف عبدیت" ہے، جس کا طرز تعبیر حکیمانہ ہے، اس کے بعد عشق کے بجائے جو اکثر موہوم حقیقت ثابت ہوئی ہے، مصنف نے "محبت و مودت" کے مناقب بیان کئے ہیں، اور اس کے بعد لذت درد کے عنوان سے بارگاہِ الٰہی سے محبت و مودت کی دولت مانگی گئی ہے صفحہ ۱ سے قصہ کا آغاز ہوتا ہے، غدر سے کچھ پہلے کی دلی کا قصہ ہے، ایک خاندان کے افراد بچھڑتے ہیں، اور پھر بخت و اتفاق سے حسن وعشق کی راہ سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں، قصہ نہایت مختصر پلاٹ بالکل سادہ ہے، باتیں تمامتر فطری ہیں، نہ سحر و جادو ہے، نہ طلسمات ہے، نہ کہیں مبالغہ کا طوفان نہ غلو کا بیان ہے، نہ دور از کار تشبیہیں ہیں، نہ لفظوں کا ضلع جگت ہے، اور نہ کہیں بے شرمی اور بے حجابی کے مضامین ہیں، حالانکہ یہی وہ عنوانات ہیں جو ہماری پرانی مثنویوں کے اصلی عناصر ہیں، لیکن جہاں تک فن شاعری کا تعلق ہے، اس کی ہر چیز معیاری ہے مصرعے حشو و زوائد سے پاک قافیے آورد سے خالی، بولی صاف زبان نکھری، معنی تعقید اور اغلاق سے بری اور خیالات کے لحاظ سے تمامتر حکمت و موعظت اور ان من الشعر لحکمۃ کی مثال حسن وعشق کے بیان میں بھی کہیں متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، اور کوئی ایسا سماں نہیں دکھایا گیا، جہاں چشم ادب کو شرم سے نگاہ نیچی کرنی پڑے، بلکہ جگہ جگہ دین و اخلاق کے ایسے موتی اس میں بکھیرے ہیں، جو مصنف کے ذخیرۂ ادب کی لازوال دولت ہیں، اور مثنوی کا آخری حصہ تو سراسر تبلیغی ہے،

مصنف کے کلام کی روانی قافیوں کی برجستگی، فارسی ترکیبوں کی دلآویزی، اور مضمون کی بلندی کا

اندازہ ان چند اشعار سے ہوگا،

ستارے سے پلکوں پہ کچھ آگئے
زباں رُک گئی ہونٹ تھرا گئے

بدل کر رہیں گے یہ لیل و نہار
پھر آئے گی اک دن چمن میں بہار

میں ہر چند خود ہوں رہینِ ستم
اسیرِ بلا کشتۂ رنج و غم

نہیں مجھ سا گم کردہ منزل کوئی
کوئی ناخدا ہے نہ ساحل کوئی

یہ حالت بھی اک دن بدل جائیگی
گھڑی رنج و حرماں کی ٹل جائیگی

خواجہ میراثرؔ وغیرہ اساتذۂ مثنوی کی پیروی میں مصنف نے بھی مثنوی کی اسی بحر میں غزلیں کہہ کر شامل کی ہیں، ایک غزل ہے،

لہو ہو کے آنکھوں سے بہ جائے دل
کسی کا کسی پر اگر آئے دل

فضا حسن کی مسکراتی رہی
میں کہتا رہا ہائے دل ہائے دل

کبھی آکے اسے کاش وہ دیکھتے
اُجڑتی ہوئی میری دنیائے دل

کہوں کچھ تو شرم و فا روک دے
جو خاموش بیٹھوں تو گھبرائے دل

کسی کے تصور میں کھو جایئے
اسی طرح شاید بہل جائے دل

تغافل کے صدقے یہ پوچھے کوئی
کہاں تک مصیبت سہے جائے دل

محبت کا یہ کیف اثر سے نہ ہوش
الٰہی نہ اب ہوش میں آئے دل

مصنف کی طبعی نفاست پسندی کے مطابق کتابت و طباعت کے اہتمام کرنے والوں نے بھی پورا کیا ہے، اعلیٰ درجہ کا کاغذ، خوش نما ٹائپ، خوبصورت انگریزی جلد،

"م س"

مطبوعات جدیدہ

احکام قرآنی از جناب ایم عبدالرحمن خان صاحب ناشر ایم ثناء اللہ خان صاحب نمبر ۲۲ ریلوے روڈ، لاہور، حجم ۲۷۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ہے ؎

جناب مصنف اس سے پہلے بھی قرآن مجید کی خدمت کے سلسلہ مین اپنی بعض مفید کتابین شائع کرا چکے ہین، احکام قرآنی کے نام سے ان کی نئی کتاب شائع ہوئی ہے، اس مین قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ مختلف عنوانون کے تحت منتخب کرکے مختلف بابون مین درج کی ہین، یہ آیات کریمہ مسلمانون کی زندگی کے مختلف شعبون عقیدہ و عمل، عبادت و حقوق عباد، اور اخلاق و معاشرت سے وابستہ ہین، اگر ابواب مختلف عنوانات عقائد، عبادات، اوامر و نواہی اخلاق و حقوق، معاشرت، و تجارت وغیرہ مین تقسیم کئے جاتے، اور انہین تحتانی عنوانون کے ساتھ بابکے جامع عنوان کے تحت درج کیجاتیں تو کتاب مین زیادہ جامعیت اور اس سے استفادہ کرنے مین مزید سہولت حاصل ہوتی، بایں ہمہ اس تصنیف مین قرآن مجید کے احکام کا ایسا خلاصہ آگیا ہے، جو مسلمانون کی حیات کا دستور بن سکتا ہے، ضرورت کہ مسلمانون کے حلقہ میں اسکی عام اشاعت ہو کہ وہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکین، کتاب پر حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ اور دوسرے علماے کرام نے حوصلہ افزا تقریظین بھی لکھی ہین،

Cabinet Mission and After (وزارتی مشن اور ما بعد) از جناب شیخ محمد اشرف صاحب حجم ۲۴۱ صفحے، کاغذ و چھپائی بہتر، قیمت ؎، پتہ:- شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور،

شیخ محمد اشرف انگریزی کتابون کی طبع و اشاعت مین ہندوستان کے ناشرین مین امتیاز حاصل کر چکے ہین، وہ مختلف موضوعون پر قابلِ قدر کتابین انگریزی زبان مین شائع کرتے رہتے ہین، ان کی نئی کتاب عنوان بالا سے شائع ہوئی ہے، اور اس مکتبہ کی خصوصیات کی حامل ہے، اس مین وزیر اعظم اٹیلی کے اعلان سے لیکر کانگرس کے عارضی حکومت مین داخل ہونے تک ہندوستان کی سیاسی حالت کی روداد کیجا کی گئی ہے، جس کے مختلف ابواب مین وزارتی وفد کے ورود ہند، گفتگو کے آغاز اور اس کے مختلف مراحل کو دکھایا گیا ہے، اور مختلف سرکاری اعلانات، لیگ کانگریس، وائسرائے، اور وزارتی وفد کے باہمی مراسلات، لیگ اور کانگرس کے سکٹری اعلانات، مجالس کی کارروائیان، اور مختلف لیڈرون کے مختلف موقعون پر شائع کرائے ہوئے بیانات وغیرہ کو یکجا کیا ہے، اسطرح اس سلسلہ کی تقریبًا سب ہی ضروری چیزین اس مین آگئی ہین، اور خصوصًا حوالہ (ریفرنس) کے لئے یہ ایک اچھا مجموعہ تیار ہوگیا ہے، امید ہے کہ اس کو پسند کیا جائے گا،

انگلستان اور بین الاقوامی زر کے منصوبے | مترجمہ جناب محمد احمد خان صاحب بی اے، حجم ۲۵ صفحے، قیمت ۸ر، پتہ :- انڈیا بک ہاؤس، عابد روڈ حیدرآباد دکن،

بین الاقوامی مسئلہ زر کو طے کرنے کے لئے حکومت انگلستان نے لارڈ کینز کی سرکردگی مین تجاویز مرتب کرائی تھین، تاکہ بین الاقوامی تجارت کو زر کے بدلتے ہوئے حالات کے اثرات سے بچایا جا سکے، چنانچہ موصوف نے بین الاقوامی مجلسِ حساب کے قائم کرنے کے لئے اپنی تجویزون کا خاکہ تیار کیا تھا، جس کو دنیا کے ماہرین اقتصادیات کے غور و فکر کے سئے شائع کیا گیا تھا، زیر نظر رسالہ انہی تجاویز کا اردو ترجمہ ہے، ترجمہ صاف، سلیس اور رواں ہے،

امریکہ اور بین الاقوامی زر کے منصوبے | مترجمہ جناب عطاء الرحمٰن صاحب علوی بی اے، حجم ۲۰ صفحے، قیمت ۸ر، پتہ :- انڈیا بک ہاؤس، عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

بین الاقوامی مسئلہ زر پر انگلستان کی طرح امریکہ مین بھی تجاویز مرتب کی گئی تھین، تاکہ ان پر مشترکہ

غور و فکر کیا جا سکے، زیر نظر رسالہ میں امریکہ کی تجاویز کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے یہ ترجمہ بھی صاف سلیس اور عام فہم ہے، اقتصادیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ دونوں رسالے دلچسپ اور مفید ہوں گے،

حقائق الاسلام (حصہ اول) از جناب حافظ محمد سرور صاحب کوہاٹی، حجم ۲۲۴ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۲؎، پتہ:- دفتر جماعت اسلامیہ، نزد محلہ جمعہ خان کوہاٹ، صوبہ سرحد،

حقائق الاسلام میں مصنف نے انسانوں کی تخلیق اور انبیاء کرام کی بعثت کے مقاصد کو واضح کر کے اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات کو پیش کیا ہے، پھر انہی عقائد و تعلیمات کی روشنی میں انسانی سیرت و کردار اور اخلاق حسنہ و رذیلہ کا جائزہ لیا گیا ہے، اور صدر اول کے مسلمانوں کی سیرت کی بلندی اور رفتہ رفتہ پستی کی طرف مسلمانوں کی رجعت کو دکھایا ہے، اور اس کے اسباب و علل کو نمایاں کیا ہے، پھر بتایا ہے کہ اسلام نام ہے ایمان و عمل صالح کا، اور مسلمانوں کی زندگی کو اسی پیمانہ پر اترنا چاہئے، آخر میں کفر و اسلام میں ایک دوسرے سے امتیاز دکھا کر مسلمانوں کو کفریہ عقائد، اعمال اور تعلیمات سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، مباحث پر اظہار خیال اور طرز ادا میں کچھ پھیلاؤ زیادہ ہو گیا ہے، اگر انہیں سمیٹ کر اختصار و جامعیت کے ساتھ قلمبند کیا جاتا تو کتاب کے افادی پہلو زیادہ نمایاں ہوتے، تاہم یہ تصنیف عام اسلامی حلقہ کے لئے مفید ہوگی، امید ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

مقدمۂ مشکوٰۃ شریف، ترجمہ جناب مولوی خواجہ محمد علی صاحب ناشر مکتبہ اسلامی، لاہور، حجم ۱۱۱ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت:- ۸؍

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا مقدمۂ مشکوٰۃ حدیث کے طلبہ کے لئے شمع راہ کا کام دیتا ہے، یہ مقدمہ انہوں نے اپنی شرح مشکوٰۃ کے لئے لکھا تھا، مگر اس قدر مقبول ہوا کہ مشکوٰۃ کے مطبوعہ نسخوں کا جزو بن گیا، اس میں علم حدیث کے مبادی بڑے اختصار و جامعیت سے بیان کئے گئے ہیں، مترجم نے اس کو طلبہ کی آسانی کے لئے شگفتہ اردو میں منتقل کر دیا ہے،

ترجمہ کے ساتھ اصل عربی متن کو بھی چھاپ دیا ہے، مترجم نے دیباچہ میں مشکوٰۃ اور اس کی شرحون کا حال بیان کیا ہے، اس سلسلہ مین بعض مسامحتین سرزد ہوگئی تھین، جن کی تصحیح مترجم نے کرلی ہے،

حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی دعوت | از حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہٗ ناشر ادارۂ دعوۃ الحق بیگم بازار کوچہ گھانس منڈی، حیدرآباد دکن، حجم ۱۶ صفحے قیمت:- ۳ر

معارف نمبر مئی ۱۹۴۵ء میں حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک خطبۂ صدارت جو جمعیۃ علما صوبۂ بمبئی کے اجلاس مین پڑھا گیا تھا، شائع ہوا تھا، اس کے بعض حصہ کو ناشر نے "حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی دعوت" کے نام سے رسالہ کی صورت مین شائع کیا ہے، اور اپنی طرف سے مضمون مین تحتانی سرخیان قائم کی ہین، اسیا سیات کے موجودہ بحران مین اس کا مطالعہ بیحد مفید ہوگا،

اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلاحِ عالم | از جناب حکیم محمد اسحاق صاحب سندیلوی، حجم ۴۴ صفحے، قیمت:- ۸ر پتہ:- دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

مصنف نے اس رسالہ مین دکھایا ہے کہ اسلامی ریاست کی روح عبدیت اور اتباعِ امرالٰہی ہے، اور اسی کی تاسیس سے دنیا کی فلاح وابستہ ہے،

روحانی اقوال مرتبہ جناب حافظ سکندر بخت صاحب، حجم ۴۰ صفحے، قیمت ۴ر، پتہ منیجر کبھی عابد روڈ حیدرآباد دکن،

اس رسالہ مین مختلف دینی و اخلاقی عنوانون پر مختلف احادیث، آثار اور بزرگانِ دین کے ملفوظات یکجا کئے گئے ہین، اور ان سے مختلف مذہبی اوامر و نواہی اور سبق آموز پند و نصائح پیش کئے گئے ہین،

اہلبیت، مصنفہ مولوی ابوالمرجان محمد فضل اللہ صاحب مبارکپوری، پتہ:- صوفی پورہ

مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ، حجم ۴۸ صفحے، قیمت ۸ر

مصنف نے اس رسالہ مین کتاب وسنت کے دلائل سے ثابت کرنا چاہا ہے، کہ اہل بیت سے مراد صرف ازواج مطہرات ہین، نیز عصمت اہل بیت کے عقیدہ کا رد کیا ہے،

راہِ سلوک از مولوی حکیم سید محمد طہٰ صاحب کمال، ندوی، پتہ :۔ آبگلہ، ڈاکخانہ بنیا دگنج ضلع گیا، حجم ۳۲ صفحے، قیمت درج نہین،

مصنف نے دکھایا ہے کہ اولیاے صالحین سے محبت رکھ کر ان کا اتباع کرنے ہی سے راہِ سلوک طے ہوتی ہے،

وسیلۃ النجاۃ از مولانا سید شاہ امیرالدین مرحوم :۔ پتہ :۔ سعید برادرس پبلشرز، الٰہ آباد، حجم ۴۸ صفحے، قیمت :۔ ۴ر

وسیلۃ النجاۃ مین نماز کے مستحبات، مختلف اعمال صالحہ کے فضائل اور اوراد و اشغال کے طریقے، مختلف احادیث و آثار کے متن مع ترجمہ سے مختصراً بیان کئے گئے ہین،

مقاصدِ قرآن، از مولوی سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری، حجم ۶۰ صفحے، قیمت ۱۲ر، پتہ :۔ مکتبہ نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد، دکن،

اس رسالہ مین قرآن مجید کی تعلیمات دلنشین انداز مین پیش کی گئی ہین، اور نتیجہ کے طور پر دکھایا ہے، کہ ایمان باللہ و روزِ آخرا ور عمل صالح آسمانی مذاہب کی مشترک تعلیم ہے، دوسری قومون نے ان کو بھلایا، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو نازل فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیش فرما کر نوعِ انسانی کو اس کے قبول کرنے کی دعوت دی. اس رسالہ کا مطالعہ اور اس کی عام اشاعت مفید ہوگی،

"س"

جلد ۵۹ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۷ء عدد ۴

مضامین

مقالات

تلخیص وتبصرہ

استفسار وجواب

وفیات

شذرات

ہندوستان مین مسلمانون کی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی ان کی اجتماعی زندگی اور مذہبی تنظیم کا شیرازہ ایسا بکھر گیا، کہ ملت کے پورے نظام مین ابتری و پراگندگی پھیل گئی، نصف صدی پہلے سے مسلمانون نے حکومت سے نظر التفات کی التجائین کرکے اپنی اجتماعی شیرازہ بندی کی بار بار کوششین کین، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے، مجالس قانون ساز مین بھی انھون نے انفرادی کوششون سے اپنی تمدنی و مذہبی ضرورتون کے لئے مختلف بل پیش کئے، مگر ان کا نتیجہ بھی کچھ اطمینان کے قابل نہین نکلا، معارف نے آج سے اٹھائیس برس پہلے حکومت کو ان مسائل کی طرف توجہ دلائی تھی، مگر نہ حکومت ہی نے ادھر توجہ کی، اور نہ مسلمانون نے،

ہندوستان کے اسلامی عہد مین صدر جہان کا منصب انہی ضرورتون سے قائم تھا، اس کی نگرانی مین مسلمانون کے مذہبی احکام و فرائض انجام پاتے تھے، اس عہد کے خاتمہ کے بعد برطانوی حکومت کے ابتدائی زمانہ مین بھی یہ عہدے قائم رہے اور دیسی ریاستون مین برائے نام سہی وہ آج بھی موجود ہین، حیدرآباد کے صدر الصدور یا ناظم امور مذہبی کا منصب، یا بھوپال مین دارالقضا کا محکمہ پچھلے ہی دور کی نشانیان ہین، پھر ہندو ریاستون مین بڑودہ کے "قاضی" گوالیار کے "مفتی" اور برطانوی ہند مین بنگال کے "قاضی نکاح" بیسوین صدی مین بھی وہان کے سرکاری عہدہ دار ہین اور اگر یورپی سلطنتون کے زیر اثر ممالک کی مثال لائی جائے، تو الجزائر، ٹیونس، اور طرابلس وغیرہ کے مذہبی امور کے ادارے اب تک چلے آرہے ہین،

خلافت کی تحریک و امارت شرعیہ کی تاسیس مین اسی نظام کو دوبارہ قائم کا خیال غالب تھا، مگر افسوس ہے کہ ایک بیرونی

حکومت نے مسلمانوں کی زندگی کی اس بڑی ضرورت کا احساس نہیں کیا لیکن اب جبکہ ایک نئے ہندوستان کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے اور اسلامی اکثریت اور اسلامی اقلیت کے صوبوں میں مسلم لیگ اور کانگریس کی حکومتیں قائم ہیں، اور ملک کے لئے ایک نئے نظامنامہ کا خاکہ تیار کیا جا رہا ہے یہی وہ وقت ہے جب اس مسئلہ پر بھی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے، اب ۱۹۳۵ء ایکٹ کی ماتحت حکومتیں چراغ سحری ہیں، جون ۱۹۴۸ء تک نیا ہندوستان اپنے نئے رنگ روپ میں سامنے آنے والا ہے، ہندوستان کا آیندہ نظام خواہ جیسا بھی ہو، اس کے نقشہ میں جس اعتبار سے جس قسم کے رنگ بھی بھرے جائیں بہرحال وہ آج برطانوی ہند سے ایک مختلف ہندوستان ہوگا، اسلامی اکثریت کے صوبوں میں اسلامی طاقت غالب ہوگی اس لئے وہاں اس نظام پر غور کرنے کی ضرورت سے کسی کو انکار نہ ہوگا، لیکن اسلامی اقلیت کے صوبے بھی مسلمانوں کی اس ضرورت سے چشم پوشی نہیں کر سکتے،

ہمیں اس سلسلہ میں قضاۃ کا تقرر کرنا ہے، کہ نکاح و طلاق اور خلع کے مقدموں کا شرعی احکام کے مطابق فیصلہ ہو سکے، مسجدوں کے آباد ہونے کا نظام بنانا ہے، کہ ان کے لئے ائمہ و خطیب مقرر کرنے کی سہولتیں حاصل ہوں پھر مذہبی اوقاف کے انتظام کو نئی شکل میں لے آنا ہے، یہ اور اس قسم کی ساری ضرورتیں شیخ الاسلام ہی کی مرکزی مسند سے پوری کیجا سکتی ہیں، ضرورت ہے کہ صوبوں میں اور اگر متحد مرکزی حکومت بنے تو مرکز میں امور مذہبی کے انتظام کے لئے ایک مستقل شعبہ قائم کیا جائے، جو پوری تنفیذی قوت کے مالک ہونے کے ساتھ وہ صوبہ یا مرکز کی حکومت کا ایک شریک جزء ہو، مگر وہ صوبہ یا مرکز کے حکمران طبقہ میں سو صرف مسلم عناصر سے وابستہ رہے اور صوبہ کی اسمبلی کے مسلمان ممبروں کے سامنے جوابدہ ہو، اس کے ساتھ اس شعبہ کا صدر حکومت کے کابینہ کا ایک رکن یا وزیر ہو،

اگر اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کو باعزت زندگی کے ساتھ رہنا ہے، تو انھیں اکثریت کے صوبوں کے مسائل کے ساتھ خاص طور پر ان مسائل پر بھی غور کرنا ہے کہ ان صوبوں میں ان کی اجتماعی زندگی کی پراگندگی

کا خاتمہ ہو، آزاد ہندوستان میں ہر مذہب و ملت کی مذہبی آزادی و ثقافتی تحفظ کا اعلان بار بار دہرایا گیا ہے، اب ان کاغذی اعلانوں کی آزمایش کا وقت آپہنچا ہے، اس قسم کے کسی مذہبی شعبہ کا قیام مسلمانوں کے لئے خواہ وہ اکثریت کے صوبوں میں ہوں، یا اقلیت کے، ان کی اہم دینی و اجتماعی ضرورت ہے، اس لئے اگر موجودہ نا پایدار حکومتوں سے کسی زکوٰۃ یا بیت المال بل کو منظور کرانے کی کوششوں کے بجائے ملک کے ممتاز علماء و ارباب فکر وسیع پیمانہ پر نظام حکومت سے منسلک ایک مذہبی شعبہ کی داغ بیل ڈالنے کی ایک اسکیم مرتب کرنے پر اپنا وقت صرف کریں، تو زیادہ مناسب ہوگا،

اس اسکیم کے ضروری اجزاء میں شرعی مسائل و احکام کا اجراء و نفاذ کرنا اور اسلامی اوقاف، مساجد، دینی درسگاہیں، دارالافتاء، دارالقضاء اور ان کے ماتحت نکاح، طلاق، خلع، تفریق، شفعہ، وراثت، رویت ہلال، رمضان و عیدین کی تاریخ کی تعیین اور انتظام حج وغیرہ کے وسائل مہیا کرنا، داخل ہونگے، پھر اسی شعبہ کے ماتحت عشر و زکوٰۃ و صدقات اور عمومی اوقاف کے محاصل کو دینی اشرائط کے مطابق وصول کرنا، اور ان کو شرعی حدود و قیود کے مطابق صرف کرنا ہوگا، یہ اور ایسے ہی بیسیوں مسائل میں جو ہماری اجتماعی ضرورتوں کے لئے ہماری شیرازہ بندی کے منتظر ہیں نیز یہ بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ شرعی محاصل اور شرعی مقدمات کے اسٹامپ سے اس صیغہ کے سارے مصارف پورے کئے جا سکتے ہیں، اور مرکز یا کسی صوبہ کے خزانہ پر جداگانہ مالی بار کے پڑنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا ہے امید ہے کہ ملک کے ارباب فکر اس مسئلہ پر اپنی توجہ مبذول فرمائیں گے،

اس وقت اصل ضرورت اسی نوعیت کے کسی مسودۂ قانون کی ہے امید ہے کہ اسلامی اخبارات خواہ وہ جس سیاسی مسلک کے مشرب کے ہوں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کو ارباب فکر رہنماؤں اور عام مسلمانوں کے سامنے لائیں گے

مقالات

اقبال کا فلسفہ خودی

از

مولانا عبدالسلام ندوی

"مولانا عبدالسلام صاحب ندوی آج کل ڈاکٹر اقبال پر ایک مکمل تصنیف کی ترتیب میں مصروف ہیں، ذیل میں اس کا ایک حصہ جس میں اقبال کے فلسفہ خودی پر تفصیل سے نظر ڈالی گئی ہے، پیش کیا جاتا ہے"۔ "س"

خودی، خیر در میں ڈاکٹر صاحب کی شاعری کی شہرت اسی فلسفہ کی بدولت ہوئی، اور اس کی تشریح ایک مضمون نگار نے اس طرح کی ہے،

"صوفی کہتے ہیں کہ چیونٹی بنو تاکہ لوگ تمھیں پانون کے نیچے روندکر زندانِ ہستی دبو سے نجات دلائیں، بھڑ نہ بنو کیونکہ اگر بھڑ بنوگے تو خواہ مخواہ کسی کو ڈنک مار دوگے، وہ بیچارہ درد سے چیخنے چلانے لگے گا، اور ممکن ہے کہ اس کی بد دعا سے تم بلکہ بھڑون کی تمام قوم قہر الٰہی کی مستوجب بن جائے، بھیڑ بنو تاکہ لوگ تمھارے بالون سے گرم کپڑے بنا کر موسم سرما کی شدت سے اپنے تن بدن کو محفوظ کر سکیں، اور تمھارے گوشت سے اپنا پیٹ بھر سکیں، بھیڑیا نہ بنو، کیونکہ اگر [illegible]

تاکہ آدمی تمھین پکڑ پکڑ کر کھائین، اپنا اور اپنے بچون کا پیٹ پالین، نہنگ نہ ہو، ورنہ انسانون

اور مچھلیون کی ہلاکت کا باعث ہوگے، اور یہ فعل نہایت قبیح ہے، وغیرہ وغیرہ "

علامہ اقبال کہتے ہین کہ چیونٹی نہ ہو ورنہ لوگ تمھیں پاؤن کے نیچے کچل کر مار ڈالین گے،

بھیڑ ہو اور جو کوئی سامنے آئے، اسے ڈنک مارو، بھیڑ نہ ہو، ورنہ لوگ تمھین مار کر کھا جائینگے

بھیڑیا ہو تاکہ جو کوئی ملے اُسے ہڑپ کر جاؤ، اور آدمی ملے تو اُسے چٹ کر جاؤ، شبنم کا قطرہ نہ ہو،

شیر یا چیتا ہو، سانپ ہو، اژدہا ہو، عقاب ہو، شہباز ہو، الغرض اگر جامدی زندگی پسند ہو

تو پتھر ہو تاکہ کسی کا سر توڑ سکو، حیوانی جامہ مین رہنا چاہو تو کسی قسم کا کوئی درندہ بن جاؤ

تاکہ باقی جانورون کو چیر پھاڑ سکو، سُست عناصر صوفیون کی باتین نہ سنو، وہ اپنی جان

کے بھی دشمن ہین، اور تمھاری جان کے بھی"[۱]

لیکن یہ ڈاکٹر صاحب کے فلسفۂ خودی کی نہایت غلط اور خطرناک تشریح ہے، نہ ہمارے صوفیہ

ایسا کہتے، اور نہ ڈاکٹر صاحب انسانون کو موذی جانور بننے کی تعلیم دیتے، اُن کے فلسفہ کی حقیقت

صرف اس قدر ہے کہ اخلاقی فضائل کی دو قسمین ہین،

۱۔ ایک ایجابی، مثلاً خودداری، دلیری، آزادی، حق گوئی، بلند ہمتی، استقلال، عزم وثبات،

وقار، صبر وسکون، مطالبۂ حق، جد وجہد، سعی ومحنت وغیرہ وغیرہ،

۲۔ دوسری سلبی، مثلاً زہد، تقشف، توکل، قناعت، تواضع وخاکساری، عفو و درگذر، حلم وبردباری

وغیرہ وغیرہ،

ہمارے صوفیہ نے فضائلِ اخلاق کی ان دونون قسمون مین سے صرف سلبی اخلاق کو اختیار کیا تھا

چنانچہ ایک صوفی کا قول ہے،

---

[۱] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۲۴۴، ۲۴۵،

"جو شخص شرف کے اعلیٰ درجہ کو پہنچنا چاہتا ہے، اس کو سات چیزون کے مقابلہ مین سات چیزون کو اختیار کرنا چاہئے، یعنی (۱) احتیاج کو دولتمندی (۲) بھوک کو شکم سیری (۳) پستی کو بلندی (۴) ذلت کو عزت (۵) خاکساری کو غرور (۶) غم کو خوشی (۷) اور موت کو زندگی کے مقابلے مین،

نطشے نے مسیحی اخلاق پر جو اعتراضات کئے ہین، وہ اسی دوسرے قسم کے سلبی اخلاق سے تعلق رکھتے ہین، لیکی نے تاریخ اخلاق یورپ کی دوسری جلد مین لکھا ہے، کہ

" انکسار اور فروتنی کا وصف تمام تر مسیحیت کا پیدا کردہ ہے،...... اور گو یہ وصف بھی ایک زمانہ تک نہایت موزون و مناسب رہا تاہم تمدن کی روز افزون ترقی کی رفتار کا آخر تک ساتھ نہ دے سکا، ترقی تمدن کے لئے لازمی ہے، کہ قوم مین خودداری ہو، اور حریت کے جذبات موجود ہون، اور انکسار و تواضع اس کے دشمن ہین، خانقاہانہ طرز زندگی کا مثل فوجی طرز زندگی کے اقتضا یہ ہے کہ استبدادی حکومت ہو تاہم سپاہیون مین تو پھر بھی فی الجملہ خودی و خودداری موجود ہوتی ہے لیکن اسے بالکل مٹا دینا جو خانقاہانہ زندگی کا مطمح نظر تھا کسی طرح ترقی تمدن کے حق مین مفید نہین پڑ سکتا تھا، اور پھر بڑے بڑے زاہدون مین تو اس جذبہ سے اور فضائل پیدا ہوتے بھی رہتے ہین، لیکن عوام مین تجربہ سے معلوم ہوا کہ انکسار بالکل غلامانہ زندگی کے مرادف ہو جاتا ہے"۔

ان دونون قسمون کے علاوہ اخلاق کی دو قسمین اور ہین،

۱- ایک انفرادی مثلاً تجرد اور عزلت گزینی وغیرہ،

۲- دوسرے اجتماعی مثلاً، دیانت، امانت، مہمان نوازی حاجت برآری اور حسن معاشرت وغیرہ،

ان دونون قسمون مین سے بھی ہمارے صوفیہ نے زیادہ تر انفرادی اخلاق اختیار کئے، اور

اجتماعی اخلاق مین زیادہ تران اخلاق کو انتخاب کیا جن کی بنیاد ضعف پر قائم ہے، مثلاً رحم واحسان ایک اجتماعی وصف ہے، اور اُن سے بڑے بڑے اجتماعی کام لئے جا سکتے ہین، مثلاً

۱۔ غلامون کی آزادی مین حصہ لینا، اور اس کے لئے جد وجہد کرنا،

۲۔ شفاخانے اور محتاج خانے کھولنا،

۳۔ مریضون کی خدمت وتیمارداری، اور مردون کی تجہیز وتکفین کرنا،

۴۔ قتل وخونریزی اور لوٹ مار سے ملک کی حفاظت کرنا،

۵۔ زمانۂ جنگ مین بادشاہون کے درمیان مصالحت کرواکے ملک کو جنگ کے نقصانات سے بچانا

۶۔ حکام کو ظلم وتشدد سے روکنا،

۷۔ مجرمون کو رہا کرانا،

۸۔ یتیمون اور بیواؤن کی مدد کرنا،

۹۔ رفاہِ عام کے چھوٹے چھوٹے کام کرنا مثلاً بھولے ہوؤن کو راستہ دکھانا،

۱۰۔ غلط کار آدمیون کو کام کرنے کا صحیح طریقہ بتانا، بے روزگارون کو روزی سے لگانا، بلا کرایہ کشتی چلانا، یا سبیل لگانا وغیرہ وغیرہ،

لیکن عیسائی مذہب جو اپنے زہد وتقشف کی وجہ سے صوفیانہ روش سے بہت زیادہ مشابہ ہے، اس معاملہ مین ہمارے صوفیون سے بازی لے گیا ہے، اور بہت سے پادریون اور راہبون نے جیسا کہ تاریخ اخلاق یورپ مین بتفصیل مذکور ہے، یہ تمام اخلاقی خدمتین انجام دی ہین، لیکن ہمارے صوفیہ کے رحم وہمدردی مین اس قسم کی اخلاقی کوششون کا بہت کم سراغ ملتا ہے، کیونکہ جب کسی مذہب مین رہبانیت کا عنصر زیادہ شامل ہو جاتا ہے، تو اس کے پیروون سے اس قسم کے اخلاقی فضائل سلب ہو جاتے ہین، عیسائی پادریون نے بھی اُسی وقت یہ تمام خدمتین انجام دی تھین، جب ان پر رہبانیت کا بہت زیادہ غلبہ

نہین ہوا تھا لیکن ہمارے صوفیون کے لطف و احسان کی صورت یہ تھی کہ وہ جانورون کو آزار دینے سے اجتناب کرتے تھے، یہان تک کہ موذی جانورون کو بھی نہین ستاتے تھے، چنانچہ ملا عبدالرحمان جامی نفحات الانس مین لکھتے ہین :-

"امیر چہ سفال فروش کژدم از دکان برداشتے و بہ بارہ برسے و آنجا گذاشتے، مردے وقت خوش گشت فرشتہ، خود را دیدوے را گفت چہ باید کرد تا کسے شمارا بہ بیند گفت ہیچ جانور را نباید آزرد آن مرد، ہیچ جانور را می آزرد فرشتہ را می دید، روزے مورچہ وے را گزید چیزے بروے زد مورچہ بیفتاد پس ازان ہرگز فرشتہ را ندید"[۱]

خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات مین ہے کہ

"ہرکہ دو ماد گاو ذبح کند یک خون کردہ باشد و ہرکہ چہار مادہ گاؤ ذبح کند دو خون کردہ باشد و ہرکہ دو گوسفند ذبح کند یک خون کردہ باشد"[۲]

حدیثون مین بھی اگرچہ جانورون پر رحم کرنے کا حکم موجود ہے لیکن موذی جانور اس سے مستثنیٰ ہین، اور جانورون کے ذبح کرنے کی کوئی ممانعت نہین، بہرحال ہمارے صوفیہ کا اخلاقی نظام زیادہ تر سلبی اور انفرادی فضائل تک محدود ہے، اور امام غزالی نے احیاء العلوم مین انہی اخلاقی فضائل سے بحث کی ہے، اس لئے جو لوگ عزلت گزینی اور خلوت نشینی کی زندگی بسر کرتے ہین، وہ تو ان کی اخلاقی کتابون سے فائدہ اٹھا سکتے ہین، لیکن مدبرین سیاست یعنی وزرار و سفرار کو اُن سے کوئی اخلاقی فائدہ نہین پہونچ سکتا، لیکن اسلام کا نظام اخلاق صرف انہی فضائل تک محدود نہین ہے، بلکہ اوس نے اپنی جامعیت کی بنا پر ایجابی سلبی، انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کے اخلاق کی تعلیم دی ہے، اور ان مین بظاہر جو تضاد نظر آتا ہے، اوس کو اس طرح رفع کر دیا ہے کہ سب کے

---

[۱] نفحات الانس بحوالہ مآثر الکرام جلد اول ص ۱۳۱،

مواقع الگ الگ کر دیئے ہین، مثلاً عام زندگی مین تواضع وخاکساری کی تعلیم اس طرح دی ہے،

ولا تمش فی الارض مرحا ان اللہ اور زمین پر اترا کر نہ چل (کیونکہ) خدا کسی

لا یحب کل مختال فخور (لقمان - ۲) اترانے والے شیخی خورے کو پسند نہین کرتا،

لیکن جہان خاکسارانہ روش اختیار کرنے سے انسان کا ضعف ظاہر ہوتا ہے، وہان اسلام نے قوت کے اظہار کا حکم دیا ہے، چنانچہ جب صحابہ حجۃ الوداع کے لئے آئے تو چونکہ مدینہ کے وبائی بخار نے ان کو کمزور کر دیا تھا، اس لئے کفار نے طنزاً کہا کہ محمدؐ اور ان کے اصحاب ضعف کی وجہ سے خانۂ کعبہ کا طواف نہین کر سکتے، اس پر آپ نے صحابہ کو حکم دیا، کہ طواف کا تین چکر اکڑ کر کرین تاکہ مشرکون پر ان کی طاقت کا اظہار ہو، یہ سنت آج تک باقی ہے، جس کو رمل کہتے ہین، اور جس کے معنی اکڑ کر چلنے کے ہین،

قوت کے اظہار کا اصلی موقع جہاد مین پیش آتا ہے، اور اس موقع پر اسلام نے خاکساری کے بجائے کبر وغرور کو پسند کیا ہے، چنانچہ حدیث مین ہے کہ بعض غرور کو خدا ناپسند اور بعض کو پسند کرتا ہے، جنگ و صدقہ کے موقع پر اترانا خدا کو پسند ہے، اور ظلم و فخر پر اترانا ناپسند[۵]

حضرت ابو دجانہؓ ایک نہایت بہادر صحابی تھے، وہ غزوۂ احد مین شریک ہوے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار کو ہاتھ مین لے کر فرمایا، کہ کون اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے گا؟ بہت سے صحابہ آپ کی طرف بڑھے لیکن آپنے وہ تلوار کسی کو نہین دی، یہان تک کہ حضرت ابو دجانہؓ اٹھے اور کہا کہ اس کا حق کیا ہے؟ ارشاد ہوا کہ دشمن پر اس کو اس قدر چلاؤ کہ ٹیڑھی ہو جائے، بعض روایتون مین ہے کہ مسلمان پر اس کو نہ چلانا، اور کافر سے نہ بھاگنا، انھون نے کہا کہ مین اس کا حق ادا کرونگا، اب آپنے ان کو وہ تلوار عنایت فرمائی، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے

---

[۵] ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی الخیلاء فی الحرب،

تلوار لے کر اکڑتے تنتے ہوئے چلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مغرورانہ چال دیکھی تو فرمایا، کہ اس موقع کے سوا خدا ہر جگہ اس چال کو ناپسند فرماتا ہے[1]،

اسلام نے عام طور پر اجتماعی اخلاق کی تعلیم دی ہے، چنانچہ حدیث شریف مین ہے، کہ "جو مسلمان لوگون سے میل جول پیدا کرتا ہے، اور ان کی پہنچائی ہوئی تکلیفون کو برداشت کرلیتا ہے' وہ اس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگون سے میل جول نہین پیدا کرتا، اور ان کی پہنچائی ہوئی تکلیفون کو نہین سہتا[2]" لیکن بعض حالتون مین انفرادی اخلاق کی تعلیم بھی دی ہے،

خیر مال المسلم غنم تیبع بھا	مسلمان کا بہترین مال وہ بکریان ہین
شعف الجبال ومواقع القطر	جن کو وہ پہاڑون کی چوٹیون اور
یفر بدینہ من الفتن[3]،	شاداب مقامات پر چراتا ہے، اور اس
	طرح اپنے دین کو فتنون سے محفوظ
	رکھنے کے لئے اس کو لے بھاگتا ہے،

اس قسم کی اور بھی متعدد حدیثین ہین، لیکن محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ اس قسم کی عزلت گزینی صرف اس حالت مین جائز ہے، جب ملک گیری کی ہوس مین باہم مسلمانون مین خانہ جنگی ہو جائے اور ایک مسلمان اس کا فیصلہ نہ کرسکے کہ اس مین کونسا فریق حق پر ہے، یا یہ کہ وہ اس فتنہ کے ازالہ کی طاقت نہ رکھتا ہو، ورنہ عام حالات مین مسلمانون سے میل جول رکھنا، اخلاقی حیثیت سے افضل ہے'

لیکن بہرحال' سلام کی اخلاقی تعلیمات کی وسعت ہر قسم کے ایجابی سلبی، انفرادی اور اجتماعی اخلاق کو شامل ہے' اور ڈاکٹر صاحب نے اسی اسلامی نظام اخلاق کی تعلیم دی ہے، اور ان کے مختلف محل و مواقع متعین کر دیئے ہین،

---

[1] اسد الغابہ و اصابہ تذکرہ حضرت ابودجانہ ؓ [2] ترمذی کتاب الزہد ص ۴۱۴ [3] بخاری کتاب الفتن ،

قلندران کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند | ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بجلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند | بخلوت اند و زمان و مکان در آغوشند
بروز بزم سراپا چو پرنیان و حریر | بروز رزم خود آگاہ و تن فراموش اند

زندگی انجمن آرا و نگہدار خود است | اے کہ در قافلۂ بے ہمہ شو با ہمہ رو
تو فروزندہ تر از مہر منیر آمدۂ | آنچنان زی کہ بہ ہر ذرہ رسانی پر تو

مصافِ زندگی مین سیرتِ فولاد پیدا کر | شبستانِ محبت مین حریر و پرنیان ہو جا
گذر جا بن کے سیلِ تند رو کوہ و بیابان سے | گلستان راہ مین آئے تو جوئے نغمہ خوان ہو جا

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت | یہ چار عناصر ہون تو بنتا ہے مسلمان
جس سے جگر لالہ مین ٹھنڈک ہو وہ شبنم | دریاؤن کے دل جس سے دہل جائین وہ طوفان

اے پیر حرم رسم و رہِ خانقہی چھوڑ | مقصود سمجھ میرے نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانون کو سلامت | دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا

ہو حلقۂ یاران تو بریشم کی طرح نرم | رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

لیکن یہ اسلامی نظامِ اخلاق صرف اُس وقت قائم ہو سکتا ہے، جب انسان کو اپنی خودی کی حقیقت واضح طور پر معلوم ہو جائے، اس لئے ڈاکٹر صاحب نے خودی کو اپنی شاعری کا ایک مستقل موضوع قرار دیا ہے، اور مثنوی اسرار خودی مین سادہ طور پر اس کی حقیقت بتائی ہے، لیکن اثبات خودی کے تمام مقدمات اس مین مذکور نہین ہین، اس لئے ہم ان کے پورے مجموعۂ کلام سے ان تمام مقدمات کو اخذ کرکے اس موقع پر درج کرتے ہین،

(۱) خودی اثبات خودی کے لئے جن مقدمات کی ضرورت ہے ان مین پہلا مقدمہ خود خودی ہے، یعنی یہ کہ خود خودی کوئی چیز ہے یا نہین ؟ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہ مقدمہ بدیہی ہے، اور خود

انسان کے اندر سے ایک آواز آتی ہے، کہ "میں ہون"

من از بود و نبود خود خموشم | اگر گویم کہ ہستم خود پرستم
ولیکن این نوائے سادہ کیست؟ | کسے در سینہ می گوید کہ ہستم

قدیم فلاسفہ نے بھی یہ استدلال کیا ہے کہ انسان پر بہت سے حالات ایسے گذرتے ہین کہ اس کو اپنے تن بدن کا ہوش نہین رہتا لیکن باوجود اس کے وہ یہ جانتا ہے کہ "مین ہون"، اور اس سے انھون نے یہ ثابت کیا ہے کہ روح جسم سے الگ کوئی چیز ہے، ابھی ہم کو اس سے بحث نہین، کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ لیکن بہرحال فلاسفہ قدیم بھی اس مسئلہ مین ڈاکٹر صاحب کے ہم خیال ہین، کہ مین یا "انا" کا وجود بدیہی ہے،

ڈاکٹر صاحب نے خودی کے وجود پر ایک فلسفیانہ استدلال بھی کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز مین شک کیا جا سکتا ہے،

توان گفتن جہان رنگ و بو نیست | زمین و آسمان و کاخ و کو نیست
توان گفتن کہ خوابے یا فسونے است | حجاب چہرۂ آن بیچگونیست
توان گفتن ہمہ نیرنگ ہوش است | فریب پردہائے چشم و گوش است

لیکن باین ہمہ جو چیز دنیا کی تمام چیزون مین شک کرتی ہے، اس کا وجود یقینی ہے، شک کے معنی سوچنے کے ہین، اور سوچنے کے معنی ہونے کے ہین لیکن مین سوچتا ہون اس لئے مین ہون، اب

اگر گوئی کہ من وہم و گمان است | نمودش چون نمود این و آن است
بگو با من کہ دارائے گمان کیست؟ | یکے در خود نگر آن بے نشان کیست؟
خودی پنہان ز حجت بے نیاز است | یکے اندیش و دریاب این چہ راز است
خودی را حق بدان باطل مپندار | خودی را کشت بے حاصل مپندار[1]

---

[1] ماخوذ از زبور اقبال ص ۹-۱۰-۱۱

لیکن یہ خودی بذاتِ خود پیدا نہین ہوئی ہے، بلکہ اس کا پیدا کرنے والا خدا ہے،

خودی را از وجودِ حق وجودے — خودی را از نمودِ حق نمودے

نمیدانم کہ این تابندہ گوہر — کجا بودے اگر دریا نبودے

اس موقع پر خدا کی ذات کے لئے انھون نے وہی دریا کا لفظ استعمال کیا ہے، جو صوفی شعرار عام طور پر استعمال کرتے ہین لیکن صوفیون سے اس مسئلہ مین الگ ہوگئے ہین کہ انسان اس دریا کا ایک قطرہ ہے بلکہ اس کو گوہر تابندہ قرار دیا ہے تاکہ خدا کی عظمت و شان کے ساتھ انسان کی خودداری بھی قائم رہے، دریا اور گوہر دونون لازم و ملزوم ہین، اس لئے انسانی خودی کا وجود خدا کے بغیر ہو ہی نہین سکتا،

از ہمہ کس کنارہ گیر صحبتِ آشنا طلب — ہم ز خدا خودی طلب ہم ز خودی خدا طلب

زمن گو صوفیانِ با صفا را — خدا جویانِ معنی آشنا را

غلامِ ہمتِ آن خود پرستم — کہ از نورِ خودی بیند خدا را

کرا جوئی ؟ چرا در پیچ و تابی ؟ — کہ او پیداست تو زیرِ نقابی

تلاش او کنی جز خود نہ بینی — تلاش خود کنی جز او نیابی

لیکن باوجود اس احتیاج و ارتباط کے وہ مسئلۂ وحدۃ الوجود کے قائل نہین، بلکہ اُن کے نزدیک انسانی خودی خدا کی ذات سے بالکل الگ ایک مستقل چیز ہے،

خودی روشن ز نورِ کبریائی است — رسائی ہاے او از نارسائی است

جدائی از مقاماتِ وصالش — وصالش از مقاماتِ جدائی است

وصالِ ما وصال اندر فراق است — کشود این گرہ غیر از نظر نیست

گہر گم گشتۂ آغوشِ دریاست — و لیکن آب بحر آبِ گہر نیست

اور اوس کو اسی انفرادی استقلال کے ساتھ قائم رہنا چاہیئے، صوفیہ کہتے ہین، کہ اس کو

ذات خداوندی میں جذب ہوجانا چاہئے، لیکن ڈاکٹر صاحب ایک نہایت عمدہ شاعرانہ تشبیہ کے ذریعے یہ ثابت کرتے ہیں کہ خودی کو بذاتِ خود قائم رہ کر اپنے فطری اقتضاآت کو پورا کرنا چاہئے، اگر وہ شبنم کا قطرہ ہے، تو اس کو پھولوں کی پنکھڑیوں پر گرنا چاہئے، سمندر میں گر کر موتی نہیں بننا چاہئے، اس مضمون کو اس طریقہ سے ادا کرتے ہیں کہ لوگوں نے شبنم سے صوفیانہ لہجہ میں کہا،

گفتند فرو د آے ز اوج مہ و پرویز بر خود زن و با بحر پر آشوب بیامیز

با موج در آویز
نقش دگر انگیز
تابندہ گہر خیز

لیکن شبنم نے جواب دیا،

من عیش ہم آغوشی دریا نخریدم آن بادہ کہ از خویش رباید نچشیدم

از خود نرمیدم
ز آفاق بریدم
بر لالہ چکیدم

انسانی خودی کے علاوہ کائنات کی بھی ایک خودی ہے،

ہر چیز ہے محو خود نمائی ہر ذرہ شہید کبریائی

اور اجزاے کائنات کی خودی پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑھنا، ابھرنا، نشو و نما حاصل کرنا اور اپنی مخفی صلاحیتوں کو روبہ کار لانا چاہتی ہے،

چہ لذت یارب اندر ہست و بود است دل ہر ذرہ در جوش نمود است
شگافد شاخ را چون غنچۂ گل تبسم ریز از ذوق وجود است

بگردون فکر تو دارد رسائی ولے از خویشتن نا آشنائی
یکے بر خود کشا چون دانہ چشمے کہ از زیر زمین نخلے بر آئی

ہر گہر نے صدف کو توڑ دیا تو ہی آمادۂ ظہور نہیں

کائنات کی خودی کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے گرد و پیش کی چیزون کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے،

من بگل گفتم بگو اے سینہ چاک چون بگیری رنگ و بو از باد و خاک
گفت گل اے ہوشمند رفتہ ہوش چون پیامے گیری از برق خموش
جان بہ تن مارا ز جذب این و آن جذب تو پیدا و جذب ما نہان

تار و ٹیلیفون

۲- شرفِ انسان اثباتِ خودی کا یہ دوسرا مقدمہ ہے، ہمارے صوفیہ بھی انسان کی فضیلت کو تسلیم کرتے ہین، لیکن ان کے نزدیک نفسِ انسانیت اس فضیلت کا سبب نہین ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان خدا کا پرتو ہے،

ما از دو جہان و مردہ و زندۂ آن از خود بشنو کہ ترجمانی ہمہ را
ما پرتوِ نور بادشاہ ازلیم فرزندنہ ایم آدم و حوا را

لیکن ڈاکٹر صاحب انسان کو خدا سے الگ جیسا کہ ہم پہلے مقدمہ مین بیان کر چکے ہین ایک مستقل ہستی مانتے ہین اس لئے اُن کے نزدیک اس کو جو شرف حاصل ہو وہ محض انسانیت کی وجہ سے ہو؛ اور انسانی فضیلت کا یہی بلند درجہ ہے، جس کو ڈاکٹر صاحب نے مختلف شاعرانہ انداز مین بیان کیا ہو؛

(۱) انسان کو تمام کائنات پر فضیلت حاصل ہے،

عالمِ آب و خاک و باد سترِ عیان ہے تو کہ مین وہ جو نظر سے ہے نہان اس کا جہان تو کہ مین
تو کفِ خاک و بے بصر مین کفِ خاک خود نگر کشتِ وجود کے لئے آبِ روان تو کہ مین

(۲) وہ فرشتون پر بھی فضیلت رکھتا ہے، فرشتے اگرچہ آسمان سے بھی پرے رہتے ہین لیکن
، کی نگاہ بھی انسان ہی کا نظارہ کرتی ہے،

فرشتہ گرچہ برون از طلسم افلاک است
نگاہِ او بہ تماشاے این کفِ خاک است

ر انسان کو ان پر جو فضیلت ہے وہ خودی کی وجہ سے ہے

بہ نوریانِ زمن پا بگل پیامے گوے
حذر ز مشتِ غبارے کہ خویشتن نگر است

(۳) انسان کا وجود ایک لازوال چیز ہے، زمانہ کی گردش اس کو فرسودہ نہین کر سکتی،

لحد مین بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے	اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
مہ و ستارہ مثالِ شرار یک دو نفس	مے خودی کا ابد تک سرور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا	ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

(۴) انسان خدا کا اصلی مقصد ہے، اور وہ اس کی تلاش مین سرگردان رہتا ہے، اس مضمون کو
کٹر صاحب نے سادہ طور پر یون بیان کیا تھا،

خدا ہم در تلاشِ آدمے ہست

لیکن ایک مسلسل غزل مین ڈاکٹر صاحب نے اس مضمون کو نہایت لطیف شاعرانہ انداز مین بیان
ا ہے، صوفی کہتے ہین کہ ہر چیز مین خدا کا نور جلوہ گر ہے اور ہم کو ہر چیز مین اس کے جلوہ کو دیکھنا چاہئے، ڈاکٹر صاحب
ی اس کو تسلیم کرتے ہین لیکن الٹ کر کہتے ہین کہ خدا ہر چیز مین اس لئے جلوہ گر ہوتا ہے، کہ انسان کو اس مین
ش کرے،

ما از خداے گم شدہ ایم او بجستجو است چون ما نیاز مند و گرفتارِ آرزو ست

گاہے بہ برگ لالہ نویسد پیام خویش | گاہے درونِ سینۂ مرغان بہ ہاو ہوست
در نرگس آرمید کہ بیند جمالِ ما | چندان کرشمہ دان کہ نگاہش بہ گفتگوست
آہے سحر گہے کہ زند در فراقِ ما | بیرون و اندرون زبر و زیر و چار سواست
ہنگامہ بست از پئے دیدار خاکیے | نظارہ را بہانہ تماشائے رنگ و بوست
پنہان بذرہ ذرہ و نا آشنا ہنوز | پیدا چو ماہتاب و بآغوش کاخ و کوست
در خاکدانِ ما گہرِ زندگی گم است | این گوہرے کہ گم شدہ مائیم یا کہ اوست

غرض یہ وہ بلند رتبہ ہستی ہے، کہ جب پیدا ہوئی تو عالم مین زلزلہ آگیا، اور زمین سے آسمان تک ایک غلغلہ برپا ہوگیا،

نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد | حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
خبرے رفت زگردون بہ شبستانِ ازل | حذر اے پردگیان پردہ درے پیدا شد
آرزو بیخبر از خویش بآغوش حیات | چشم وا کرد و جہان دگرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاک جہانِ مجبور | خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد
زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر | تا ازین گنبد دیرینہ درے پیدا شد

(۳) تسخیر فطرت اثبات خودی کا یہ تیسرا مقدمہ ہے، اور پہلے دونوں مقدمات کا تتمہ بلکہ نتیجہ ہے، پہلے مقدمہ مین یہ ثابت ہوچکا ہے، کہ کائنات کی خودی اپنے گرد و پیش کی چیزون کو جذب کرتی ہے، اور انسان بھی چونکہ کائنات ہی کا ایک جزو ہے، اس لئے اس مین بھی قدرتی طور پر یہ قوتِ جاذبہ موجود ہے، لیکن چونکہ وہ کائنات مین جیسا کہ دوسرے مقدمہ مین ثابت کیا گیا ہے، سب سے بلند تر ہستی ہے اس لئے اس مین یہ قوت اور بھی کامل ترین طریقہ سے پائی جاتی ہے، اور وہ صرف اپنے گرد و پیش ہی کو نہین بلکہ تمام دنیا کو اپنے اندر جذب کرنا چاہتی ہے،

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی خودی کی خلوتوں میں کبریائی

زمین و آسمان و کرسی و عرش خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

جس بندۂ حق بین کی خودی ہو گئی بیدار شمشیر کے مانند ہے برندہ و براق

اوس مرد خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھکو تو بندۂ آفاق ہے وہ صاحب آفاق

دو گیتی را بہ خود باید کشیدن نباید از حضور خود رمیدن

نگہ دیدو خود بیانہ آورد کہ بیاید جہان چار سو را

مے آشامے کہ دل کردند نامش بخویش اندر کشید این رنگ و بو را

کمالِ زندگی خواہی؟ بیاموز کشادن چشم و جز بر خود نہ بستن

فرو بردن جہان را چون دم آب طلسم زیر و بالا در شکستن

جہان رنگ و بو دانی و لے دل چیست میدانی مے کز حلقۂ آفاق سازد گرد خود ہالہ

لیکن اس قسم کی مکمل خودی صرف اسلام پیدا کر سکتا ہے، اس لئے

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اسی جاذبیت کا دوسرا نام تسخیر فطرت ہے، اور اس کی مختلف صورتیں ہیں،

(۱) ایک صورت تو وہ ہے جس میں انسان کی جدوجہد کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ خود خداوند تعالے قدرت کی تمام بڑی بڑی طاقتوں کو انسان کا مسخر اور فرمانبردار بنا دیا ہے، اور ان کے ذریعہ سے سان پر اپنا احسان جتایا ہے سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اور اس قسم دوسری آیتوں میں تسخیر کی یہی صورت مذکور ہے اور ڈاکٹر صاحب نے نہایت سادہ طریقہ پر اس کی تشریح اس طرح کی ہے

نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسمان کے لئے جہان ہے تیرے لئے تو نہیں جہان کے لئے

لیکن اس مضمون کو ایک مستقل نظم میں جس کی سرخی روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے نہایت

پرجوش شاعرانہ انداز مین بیان کیا ہے،

کھول آنکھ زمین دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

اس جلوۂ بے پردہ کو پردون مین چھپا دیکھ ایام جدائی کے ستم دیکھ فضا دیکھ

بے تاب نہ ہو معرکۂ بیم درجا دیکھ

ہین تیرے تصرف مین یہ بادل یہ گھٹائین یہ گنبد افلاک یہ خاموش فضائین

یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائین تھین پیشِ نظر کل تو فرشتون کی ادائین

آئینۂ ایام مین آج اپنی ادا دیکھ

سمجھے گا زمانہ تری آنکھون کے اشارے دیکھین گے تجھے دور سے گردون کے ستارے

ناپید ترے بحرِ تخیل کے کنارے پہنچین گے فلک تک تیری آہون کے شرارے

تعمیر خودی کر اثرِ آہ رسا دیکھ

۲۔ دوسری صورت وہ ہے جس مین انسان اپنی جسمانی قوت اور سعی و محنت کے ذریعہ سے فطرت کی قوتون کو مسخر کرتا ہے، اور اس نظم کے آخری دو بندون مین اسی طرف اشارہ ہے،

خورشید جہان تاب کی ضو تیرے شرر مین آباد ہے اک تازہ جہان تیرے ہنر مین

جچتے نہین بخشے ہوے فردوس نظر مین جنت تری پنہان ہے ترے خونِ جگر مین

اے پیکرِ گل کوششِ پیہم کی جزا دیکھ

نالندہ ترے عود کا ہر تار ازل سے تو جنسِ محبت کا خریدار ازل سے

تو پیر صنم خانۂ اسرار ازل سے محنت کش و خونریز و کم آزار ازل سے

ہے راکبِ تقدیر جہان تیری رضا دیکھ

(۳) تیسری صورت وہ ہے جس مین انسان اپنی عقلی طاقت سے فطرت کو مسخر کرتا ہے،

عقل بدام آورد فطرتِ چالاک را
اہرمنِ شعلہ زا سجدہ کند خاک را

اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے اکثر مقامات پر عقل کی مذمت کی ہے، لیکن اس سے وہ عقل مراد ہے، جو محض خیالی پلاؤ پکا کر قوتِ عمل کو ضعیف کرتی ہے،

من آن علم و فراست با پر کاہے نمی گیرم   کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مرد غازی را
بہر نرخے کہ این کالا بگیری سود مند افتد   بزورِ بازوے حیدر بدہ ادراکِ رازی را

لیکن جو عقل قوتِ عمل کو تیز کرتی ہو ڈاکٹر صاحب اس کے مخالف نہیں، بلکہ موید ہیں، یعنی وہ فلسفہ کے مخالف ہیں، سائنس کے نہیں، چنانچہ شاہ امان اللہ خان کو اس کی طرف اس طرح توجہ دلاتے ہیں،

زندگی جہد است و استحقاق نیست   جز بعلمِ انفس و آفاق نیست
گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر   ہر کجا این خیر را بینی بگیر
سید کل صاحبِ ام الکتاب   پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب
گرچہ عین ذات را بے پردہ دید   ربِ زدنی از زبانِ او چکید
علم اشیاء علم الاسماستے   ہم عصا و ہم ید بیضاستے
علم اشیاء داد مغرب را فروغ   حکمت او ماست می بندد ز دوغ
جانِ ما را لذتِ احساس نیست   خاکِ رہ جز ریزۂ الماس نیست
علم و دولت نظم کارِ ملت است   علم و دولت اعتبارِ ملت است
آن یکے از سینۂ احرار گیر   و آن دگر از سینۂ کہسار گیر
دشنہ زن در پیکرِ این کائنات   در شکم دارد گہر چون سومنات
لعلِ ناب اندر بدخشانِ تو ہست   برقِ سینا در قہستانِ تو ہست

(۴) چوتھی صورت وہ ہے جس مین انسان روحانی طاقت سے فطرت کو مسخر کرتا ہے، اور یہ صرف اولیاء و انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے، اور یہ قوت نہ جسمانی طاقت سے پیدا ہوتی، نہ عقل و علم سے حاصل ہوتی، بلکہ صرف عشق سے پیدا ہوتی ہے،

از محبت چون خودی محکم شود　　　قوتش فرمانده عالم شود

پنجۂ او پنجۂ حق می شود　　　ماہ از انگشت او شق می شود

۴۔ مسئلۂ خیر و شر، اثبات خودی کا یہ چوتھا مقدمہ ہے اور اس مسئلہ کے متعلق حکمائے اسلام کے نظریات یہ ہین،

۱۔ خیر ایجابی اور شر ایک سلبی چیز ہے، یعنی دنیا مین خیر کا وجود تو ہے، لیکن شر کا وجود نہین،

۲۔ خیر شر پر غالب ہے اور خیر کی تعداد و مقدار شر سے زیادہ ہے، دنیا مین اگرچہ مرض کا وجود ہے، لیکن صحت اس سے زیادہ پائی جاتی ہے، دنیا اگرچہ رنج و غم سے خالی نہین لیکن خوشی اور مسرت کا وجود ان سے زیادہ ہے لیکن اس کے بالکل برعکس محمد بن زکریا رازی کے نزدیک شر وجودی اور خیر سلبی ہے یعنی لطف و مسرت کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہین ہے، کہ رنج و الم زائل ہو جائین، کھانے پینے کی لذت کے معنی صرف یہ ہین، کہ بھوک اور پیاس کی تکلیف سے نجات مل گئی، یہی حال اور تمام لذتون کا ہے کہ وہ کسی نہ کسی تکلیف اور رنج و الم کا ازالہ ہین، اور شوپنہار کا فلسفہ بھی یہی ہے کہ دنیا مین واقعی جو چیزین موجود بالذات ہین، وہ دکھ مصیبت اور حاجت ہین، ان سے کبھی وقتی طور پر چھٹکارا مل جایا کرتا ہے تو اسی مہلت کا نام انسان نے خوشی یا مسرت رکھ چھوڑا ہے[۱] وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ درد و الم ایجابی ہین، اور لذت و مسرت محض سلبی، مسرت یا لذت ہمیشہ کسی خواہش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، خواہش یعنی احتیاج ہر لذت کے پہلے پائی جاتی ہے جون ہی خواہش کی تشفی ہو جاتی ہے، لذت موقوف ہو جاتی ہے، لہٰذا تشفی یا مسرت دراصل کسی احتیاج یا درد سے نجات پا لینا ہے[۲]، اس بنا پر

کائنات کی انتہائی حقیقت کے قلب میں شر ہی شر پایا جاتا ہے، زندگی کا مایۂ خمیر ہی شر ہے، تمام چیزیں شر ہیں، یعنی جو بھی چیز وجود رکھتی ہے، وہ شر ہے[1] امام رازی نے بھی ذکریا رازی کی تائید کی ہے، اور لکھا ہے کہ عام طور پر جو چیز دنیا میں پائی جاتی ہے، وہ یا تو رنج و الم ہے، یا رنج و الم کا ازالہ ہے، ان میں بعض آلام تو نہایت قوی ہوتے ہیں، مثلاً امراض، اور بعض ضعیف جن سے انسان کو کسی حالت میں نجات نہیں مل سکتی مثلاً غم و فکر، خوف و اندیشہ، غصہ و ندامت، رنج، اور کاروبار کی فکر، بدبو، ناگوار چیزوں کا دیکھنا، مکھی مچھر اور کھٹملوں کی تکلیفیں جن کا کوئی شمار نہیں کیا جا سکتا، اس سے ظاہر ہے کہ دونوں پہلے نظریے غلط ثابت ہوتے ہیں، نہ دنیا میں خیر کا وجود ہے، نہ خیر شر پر غالب ہے، بلکہ اس کے برخلاف رنج و الم کو لذتوں پر غلبہ حاصل ہے، قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ، ہم نے انسان کو تکلیف میں پیدا کیا،

اور تفسیر کبیر میں امام صاحب کی رائے کے مطابق اس آیت کی تفسیر یہ کی گئی ہے، کہ اس دنیا میں کوئی لذت نہیں ہے، بلکہ جس چیز کو لذت خیال کیا جاتا ہے، وہ کسی تکلیف سے بچنے کی ایک صورت ہے، کھانے اور پہننے کی لذت، بھوک، سردی اور گرمی کی تکلیف سے بچنے کا نام ہے، اس لئے انسان کے لئے صرف دو چیزیں ہیں، یا تکلیف یا تکلیف سے بچنا، اور اس آیت کے یہی معنی ہیں، اس بنا پر تخلیق انسانی کا مقصد حصول لذت نہیں ہے، کیونکہ لذت کا وجود ہی نہیں ہے، بلکہ صبر و استقلال کے ساتھ تکلیفوں کا مقابلہ کرنا اور دوسروں کو تکلیفوں سے نجات دلانا ہے، اور اس پوری سورہ میں تخلیق انسانی کا یہی مقصد بتایا گیا ہے،

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ	کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں اور زبان
هَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰىكَ	اور دو ہونٹ نہیں دیئے، اور اس کو (نیکی و
مَا الْعَقَبَةُ، فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ	بدی) کے دونوں رستے (بھی) دکھا دیئے
فِیْ يَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ	پھر بھی وہ گھاٹی سے ہو کر نہیں نکلا اور (آپ کو خبر

[1] قنوطیت یعنی فلسفۂ یاس از میر ولی الدین ص ۲،

اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ، ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَۃِ،

تم کیا سمجھے کہ گھاٹی (سے ہماری) کیا (مراد) ہے (گھاٹی سے مراد ہے کسی کی) گردن کا (غلامی یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا یا بھوک کے دن یتیم کو (خاص کر جب وہ اپنا) رشتہ دار (بھی ہو) یا محتاج خاک نشین کو (کھانا) کھلانا (تو جو ناحق کی شیخی مارتا ہے چاہئے تھا کہ اس گھاٹی مین سے ہو کر گذرتا) اس کے علاوہ ان لوگون کے (زمرہ) مین ہوتا، جو ایمان لائے، اور ایک دوسرے کو صبر کی ہدایت کرتے رہے، اور نیز ایک دوسرے کو (خلق خدا) پر رحم کرنے کی

(بلد - ۱)

اسی مقصد کو فلسفیانہ طریقے پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے، کہ تخلیق انسانی کا مقصد حصول لذت نہین، بلکہ انسانی شخصیت کا تحقق و کمال ہے، جو کائنات کے ساتھ توافق پیدا کرنے کی وجہ سے حاصل ہو سکتا ہے لیکن ایسی دنیا کا تصور ناممکن ہے، جہان روحین ترقی و تکمیل پا کر شخصیت کا تحقق تو کر سکین لیکن جہان نہ درد و غم ہو اور نہ رنج و تعب، نہ حزن و ابتلا ہو، اور نہ آزمائش و بلا، غیر مشتفی خواہشات ان کی سوزش و تکلیف، امراض و قواے فطری کی کورانہ بے رخی سے پیدا ہونے والی عذاب ناک، ذہنین آسمانی بلائین و آفتین، یہ سب محرکات ہین، جو انسان کے صبر و ہمت کو آزماتے ہین، اوس کو مصائب کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کرتے ہین، بھوک، جنسی محبت، پدری شفقت اجتماعی و اکتسابی جبلتون کے بغیر جو انسان کے سینون مین تشفی کے لئے موجزن ہوتے ہین، انسان نہ فطرت پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے

اور نہ شخصیت کا تحقق کرسکتا ہے، اوس کی ابتدائی اشتہارات اوس کو محنت و مشقت پر آمادہ کرتی ہیں، اور محنت و مشقت سے سائنس کے اور راحت کے سامان پیدا ہوتے ہیں، اور یہ فطرت پر زیادہ غلبہ کا باعث ہوتے ہیں، اور یہی فن ادب، سائنس اور حیات معاشری کے لطیف اغراض و غایات کے نشو و نما تشفی کا سبب بنتے ہیں، اس کی خواہشات اوس کو خاندان و جماعت کی تخلیق پر آمادہ کرتی ہیں، اور خشکی، سمندر اور ہوا کی معاندانہ قوتوں کا مقابلہ اس کی فکر عمل اور معاشری اشتراک کی قوتوں کو ترقی دیتا ہے، ہماری مشترکہ قسمت گو صبر و عمل کے دائرے سے بھی باہر کیوں نہ ہو، دوستی و محبت کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہے، اس طرح انسان ظاہراً شکست سے فتحمندی حاصل کرتا ہے، ان قوتوں پر غلبہ و تسلط پاتا ہے، جو اس کے خلاف برسر جنگ نظر آتی ہیں[۵] (باقی)

---

[۵] قنوطیت از میر ولی الدین ص ۷۰، ۷۱،

اعلان

۱- معارف سے متعلق ہر طرح کی خط و کتابت اور ارسال زر کے وقت براہ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں، ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲- معارف ہر مہینہ کی ۱۵ر تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہوجاتا ہے اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ر تاریخ تک دفتر میں آجانی چاہئے، ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر پرچہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

"منیجر"

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

(۲)

حدیث و آثار میں خشوع کی اہمیت و فضیلت

اوپر حدیث گذر چکی ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا تھا، یہ فعل چونکہ خشوع کے منافی تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

لو خشع قلبہ لخشعت جوارحہ[1] اگر اس کا قلب خشوع سے متاثر ہوتا تو اس کے اعضاء پر بھی اس کے آثار نمایاں ہوتے،

ایک مرتبہ آپ جماعت کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے کہ کچھ لوگوں سے نماز میں ایسے افعال سرزد ہوئے جو خشوع کے منافی تھے، آپ نے نماز کے بعد ارشاد فرمایا کہ

واللہ لا یخفی علی رکوعکم و خشوعکم[2] خدا کی قسم مجھ سے تمہارا رکوع و خشوع پوشیدہ نہیں ہے،

---

[1] روح المعانی ج ۵ [2] بخاری باب الخشوع فی الصلوٰۃ،

مسند احمد ابن حنبل میں فضیل ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے، جس سے خشوع کے مظاہر کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے آپ نے ارشاد فرمایا،

الصّلٰوۃ مثنٰی مثنٰی تشھد فی	رات کی نماز دو دو رکعت پڑھو[1]، پھر جائے
کلّ رکعتین و تضرع و تخشع	کہ ہر دو رکعت پر تشہد پڑھو، اور گریہ و
وتمسکن ثم تقنع یدیک الی	زاری خشوع وخضوع کے ساتھ اپنے رب
ربک ..... تقول یارب یارب	سے ہاتھ اٹھا کر کہو اے میرے رب، اے
فمن لم یفعل ذٰلک فقال	میرے پروردگار، اور جو شخص ایسا نہیں کرتا،
فیہ قولا شدیدا[2]،	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں بڑی سخت وعید فرمائی ہے،

اس حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ لفظ تخشع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کے اندر یہ کیفیت نہ پیدا ہو، تو بہ تکلف اسے یہ کیفیت پیدا کرنا چاہئے[3]،

ایک حدیث میں ہے،

لاصلوٰۃ لمن لم یتخشع[4]	جو شخص نماز میں بہ تکلف بھی خشوع نہ پیدا کرے اس کی نماز نہیں ہوتی،

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے قریب دلوں سے جو پہلی چیز اٹھالی جائے گی وہ "خشوع" ہے

دوسری روایت میں ہے :-

اوّل شیئٍ یرفع من ھذہ الامۃ	اس امت سے پہلی چیز جو سلب کیجائے گی

---

[1] اس سے مراد رات کی نماز ہے، جیسا کہ بخاری میں ابن عمرؓ سے روایت ہے [2] مسند حنبل بن عباسؓ ترمذی باب التخشع [3] الفتح الربانی تبویب مسند احمد [4] مسند الفردوس، الجامع الصغیر،

الخشوع حتی لا تری فیھا خاشعًا — وہ خشوع والی دل لیتا ہے،

صحاح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ

اللھم انی اعوذ بک من قلب لا یخشع[۱] — اے اللہ میں غیر خاشع قلب سے پناہ چاہتا ہوں،

آپ رکوع میں اکثر یہ الفاظ فرمایا کرتے،

خشع لک سمعی و بصری و مخی وعظمی، — اے اللہ تیرے لئے میرے کان، آنکھیں، دماغ اور ہڈیاں سب جھک گئے ہیں،

ان روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں خشوع پیدا کرنے کی بار بار ترغیب و تاکید فرماتے، اور صحابہ کو اس کے سلب ہو جانے سے خوف دلایا کرتے تھے، اور بغیر خشوع قلب کی نماز سے پناہ مانگا کرتے تھے،

ہمیں اپنی نمازوں کا بھی جائزہ لینا چاہئے کہ اس میں یہ صفتیں پیدا ہو رہی ہیں یا نہیں، اور ہم اس کے بدلہ اجر و ثواب فلاح و سعادت کے مستحق ہوں گے، یا زجر و توبیخ عذاب و عتاب کے،

صحابہ اور خشوع قرآن و حدیث کے احکام کے سامنے سر نیاز جھکا دینا، کمال ایمان کی دلیل اور سب سے بڑی سعادت ہے، صحابہ کرام کی سب سے بڑی خصوصیت اور فضیلت یہی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی زبان سے جو کچھ اور جس طرح سنتے تھے، اپنی زندگی کو اسی کے مطابق ڈھال لیتے تھے، ادھر کوئی آیت نازل ہوئی، ادھر صحابہ کے عمل سے اس کی تفسیر ہونے لگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ارشاد فرمایا، صحابہ نے اسے عملی جامہ پہنا دیا، زبان مبارک سے کوئی حکم صادر ہوا، اور صحابہ اس کا نمونہ بن گئے، اب ہم کو صحابہ کرام کی عملی زندگی میں اسی خشوع کی تفسیر دیکھنی چاہئے، کہ ان کی نمازوں میں اس صفت خشوع

---

[۱] ترمذی، نسائی، الجامع الصغیر،

کی کہاں تک کارفرمائی تھی، اور ان کی پوری زندگی پر اس کا کیا اثر تھا، اور پھر غور کریں کہ عملی تعلیمات کے علاوہ انھوں نے نظری تعلیمات کے کیا کیا نقش چھوڑے ہیں۔

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک لکڑی کا ٹکڑا یا ستون ہے، جو بے حس و حرکت کھڑا ہے، اس حالت کو دیکھکر وہ کہا کرتے تھے، کہ

وکان یقال ذالک الخشوع[۱] اسی کو خشوع کہا جاتا ہے،

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق روایت ہے کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ایک کپڑا ہے، جو زمین پر ڈال دیا گیا ہے، کانہ ثوب ملقی:

انہی کے متعلق دوسری روایت ہے کہ

کان اذا قام الی الصلوۃ نخفض فیھا صوتہ ویدہ وبصرہ، جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، تو بدن آواز، آنکھ ہر چیز سے تواضع و خشوع کا اظہار ہوتا تھا،

حضرت عامر بن عبداللہؓ کے متعلق مروی ہے کہ وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے، اور لڑکیاں دف بجایا کرتی تھیں، مگر ان کو بالکل خبر نہیں ہوتی تھی[۲]،

حضرت عبداللہ بن سلامؓ کے متعلق مشہور ہے کہ ان پر ہر وقت آثار خشوع طاری رہتے تھے،

حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے، کہ

اول ما تفقدون من دینکم الخشوع وآخر ما تفقدون الصلوۃ تم اپنے دین سے پہلی چیز جو ضائع کروگے وہ خشوع ہے، اور سب سے آخر میں نماز

---

۱ فتح الباری ص ۱۰۵، ۲ مجمع الزوائد جلد ۲ ص ۱۳۶،

وتنقض عری الاسلام عروة عروة[1]،

کی ظاہری صورت اسی طرح آہستہ آہستہ اسلام کی تمام بنیادی چیزیں ترک ہو جائیں گی،

ایک دوسری روایت میں ہے،

ورب مصل لاخیر فیہ اوشک ان تدخل مسجد الجماعة فلاتری فیہ خاشعا

بہت سے نمازیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی اور قریب ہی ایک زمانہ آئے گا کہ تم مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھو گے اور پوری جماعت میں ایک شخص

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے، حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ایک شخص ہے کہ اسلام کی حالت میں اس کے بال سفید ہو گئے ہیں، مگر ایک وقت کی نماز بھی اس نے اللہ کے لئے مکمل نہیں پڑھی، لوگوں نے پوچھا یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا :-

لایتم خشوعھا وتواضعھا واقبالہ علی اللہ عز وجل فیھا[2]،

وہ نماز میں خشوع وخضوع پورے طور سے پیدا نہیں کرتا، اور نہ اپنی پوری توجہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف مبذول رکھتا ہے

خشوع کا تعلق قلب سے ہے اوپر عرض کیا گیا ہے کہ خشوع قلبی کیفیت کا نام ہے، اعضاء سے اس کا تعلق صرف اسی قدر ہے کہ وہ اس کیفیت کے مظاہر ہیں، صحابہ کے اقوال سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے،

حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ گردن جھکائے ہوئے نماز پڑھ رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ

یا صاحب الرقبة ارفع رقبتك لیس الخشوع فی الرقاب وانما الخشوع فی القلوب[3]،

اے گردن نیچی کرنے والے اپنی گردن کو اٹھا، خشوع گردن کے اندر نہیں ہے، بلکہ وہ دلوں میں ہوتا ہے،

---

[1] حاکم اور احمد نے روایت کی ہے، روح المعانی تفسیر سورہ مومنون [2] احیاء العلوم ص ۲۷ جلد ۳ [3] مدارج السالکین جلد ۱ ص ۲۹۵

یعنی خشوع کا تعلق قلب سے ہے، اس میں تواضع خاکساری اور عاجزی ہونی چاہئے، گردن و جسم کے جھکانے اور توڑنے مروڑنے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے،

حضرت عائشہؓ نے چند نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ بیماروں کی طرح بہت جھک کر چل رہے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ "ناسک" اور "زاہد" کہے جاتے ہیں، آپ نے فرمایا:-

کَانَ عمر بن الخطاب اذا مشی اسرع	عمر بن خطابؓ جب چلتے تھے، تو تیز چلتے تھے،
واذا قال اسمع واذا ضرب اوجع	جب بولتے تو بلند آواز کہ سامع سن لے اگر
واذا اطعم اشبع وکان هو	کسی کو سزا دیتے تھے، تو سخت سزا دیتے تھے
الناسك حقًا،[1]	اگر کھانا کھلاتے تھے تو پیٹ بھر کھانا کھلاتے تھے، اور وہ یقینًا ناسک تھے،

خشوع نفاق اگر کسی شخص کے قلب میں خشوع نہ پیدا ہو، اور محض اپنے اعضاء و جسم سے صرف ریا کے لئے اس کا اظہار کرتا ہو تو احادیث و آثار میں ایسے خشوع کو خشوع نفاق سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس سے پناہ مانگی گئی ہے،

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

تعوذوا باللہ من خشوع النفاق،[2] خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو،

صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ خشوع نفاق کیا چیز ہے، آپ نے ارشاد فرمایا،

خشوع القلب والبدن ونفاق القلب[3] بدن جھکا ہوا ہو مگر قلب میں اس کیفیت کا اثر نہ ہو،

حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے، کہ خشوع نفاق سے بچو، لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ خشوع نفاق کیا ہے، آپ نے فرمایا:-

---

[1] مدارج السالکین جلد ا ص ۲۵۵ [2] درمنثور تفسیر سورۂ مومنون [3] ایضًا،

ان ترى الجسد خاشعًا والقلب — تم دیکھو کہ بدن سے تو خشوع کا اظہار
ليس بخاشع[1] — ہو رہا ہے مگر قلب میں یہ خشوع نہ ہو،

حضرت ابودردا‌ؓ سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا،

استعيذوا بالله من خشوع النفاق[2] — خشوع نفاق سے اللہ کی پناہ مانگو،

خشوع کے منافی افعال | اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق خشوع کے مقام، اس کی اہمیت اور فضیلت سے تھا، آیندہ سطروں میں خشوع کے مظاہر بیان کئے جاتے ہیں اور یہ کہ کون کون سے افعال منافی خشوع ہیں، کہ اُن کے کرنے سے نماز کی اس کیفیت میں فرق آتا ہے،

حضرت ابوہریرہ‌ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے مرض الموت میں نزع سے کچھ دیر پہلے لوگوں سے کہا کہ مجھے اٹھاؤ، میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک امانت رکھ گئے تھے، اسے میں تم لوگوں تک پہنچا دینا چاہتا ہوں، پھر آپ نے یہ الفاظ فرمائے،

لا يلتفت احدكم في صلاته — نمازی کو چاہئے کہ نماز میں ادھر ادھر متوجہ
فان كان لا بد به فاعلا ففي — نہ ہو، اگر اسے مجبوراً ایسا کرنا پڑے تو پھر
غير ما افترض الله تعالى عليه — غیر فرض نماز میں کر سکتا ہے، اور کپڑے یا
ولا العبث بشيئا او شئ من — بدن سے نہ کھیلے، اور اس کے علاوہ جتنی
جسدك والنكارمنا فاته للخشع — چیزیں خشوع کے منافی ہیں ان سے گریز کرو،

مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہ‌ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ابتداءً نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھایا کرتے تھے، اس پر آیت نازل ہوئی۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِىْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ، — جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں،

---

[1] درمنثور تفسیر سورۂ مومنون [2] مدارج السالکین [3] روح المعانی و درمنثور،

اس کے بعد سے آپ اور صحابۂ کرام نظریں سجدہ گاہ کی طرف رکھنے لگے، اور سر کا اٹھانا گریبان پہ رکھنا وغیرہ بھی چھوڑ دیا،

مستدرک حاکم اور بیہقی میں ایک دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی آیت خشوع کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپنے فرمایا

الخشوع فی القلب وان تلین کنفك للمرء المسلم ولاتلتفت فی صلاتك،	خشوع کا مقام قلب ہے اور خشوع کا مظہر یہ بھی ہے کہ تمھارے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہونچے، اور نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو

اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا، کسی چیز سے شغل کرنا، اور اپنی توجہ کو دوسری طرف منعطف کرنا، یہ سب خشوع کے منافی افعال ہیں، اور اسی کے برعکس نگاہ نیچی رکھنا، اپنی توجہ اللہ کی جانب رکھنا، اعضاء پر سکون کی کیفیت طاری کرنا، یہ سب اس کے مظاہر ہیں،

ام رومان فرماتی ہیں، کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک روز مجھے نماز میں ادھر ادھر مائل ہوتے دیکھا تو اتنے زور سے ایک کونچا دیا اور ڈانٹا کہ قریب تھا کہ میں اپنی نماز توڑ دیتی، پھر انھوں نے کہا،

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قام احدکم فی الصلاۃ فلیسکن اطرافہ لایمیل تمیل الیھود فان سکون الاطراف فی الصلاۃ من تمام الصلاۃ،	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہو تو چاہئے کہ اپنے اعضاء کو پر سکون رکھے، یہود کی طرح نماز میں ادھر ادھر مائل نہ ہو، اس لئے کہ سکون اعضاء تکملۂ نماز میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے ایک روز فرمایا،

انی احب لک ما احب لنفسی	میں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں، وہ
لا تفرقع اصابعک وانت	تمھارے لئے بھی پسند کرتا ہوں، نماز
تصلی،	میں اپنی انگلیاں نہ چٹخایا کرو،

صاحب البدائع والصنائع اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :۔

لان فیہ ترک الخشوع،	اس لئے کہ یہ فعل خشوع کے منافی ہے،

اس سے پہلے کہا جا چکا ہے کہ خشوع کا تعلق تو قلب سے ہے، مگر چونکہ اعضاء وجوارح سے اس قلبی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے، اس لئے اعضاء وجوارح سے بھی کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہونا چاہیئے جو اس قلبی کیفیت کے خلاف ہو، بلکہ نماز میں سارے اعضاء پر وہی کیفیت طاری ہونی چاہیئے، جو ایک غلام پر اپنے آقا کے حضور میں عرض حاجت کے وقت ہوتی ہے، ذہن حاضر، نظریں نیچی، اعضا پر سکون وسکوت، غرضکہ سارے بدن سے ذلت ومسکنت، عاجزی وخاکساری کے آثار نمایاں ہونے چاہئیں عرض حاجت کے وقت تضرع وزاری اور التجا کا پیکر بن جائو، دئے، گڑگڑائے، اگر کسی شخص پر یہ کیفیت نہ بھی طاری ہو، تو وہ بہ تکلف اس کے پیدا کرنے کی کوشش کرے،

علماء وصوفیہ کے نزدیک خشوع کی تعبیر اوپر قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے خشوع کے مفہوم کو واضح کیا گیا ہے، آیندہ یہ دیکھنا ہے کہ علماء وصوفیہ کے نزدیک خشوع کا مفہوم کیا ہے

خشوع کا تعلق پوری زندگی سے صوفیہ کے نزدیک خشوع کا تعلق صرف نماز ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر شعبہ، اور ہر لمحۂ حیات سے ہے، تسلیم ورضا، انابت وخشیت، عاجزی وانکساری تواضع وتذلل کی جو کیفیت نماز کے وقت ہوتی ہے، وہی اٹھتے بیٹھتے، چلتے، پھرتے، کھاتے پیتے ہونی چاہیئے، اور اس کا ثبوت، اسوۂ نبوی اور آثار صحابہ سے بھی مل سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک صحابیہ بیان فرماتی ہیں،

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشِّع میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزانہ

فِی الْجِلْسَۃِ اُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ (شمائل ترمذی) گوٹ مارے بیٹھے دیکھا تو رعب سے کانپ اٹھی

اس سے معلوم ہوا کہ خشوع صرف نماز ہی میں نہیں ہوتا، بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر مرحلہ سے ہے،

صحابہ کرام کے متعلق بھی احادیث و آثار میں کان خاشعًا علیہ اثر الخشوع، وغیرہ کا جو لفظ آیا ہے

سے بھی خشوع کا یہی عام مفہوم مراد ہوتا ہے، حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق حضرت ابوہریرہ

بیان فرماتے ہیں، کہ میں مدینہ آیا، تو عبداللہ بن سلام کو دیکھا کہ وہ مجلس میں بہت ہی تواضع و انکسار

ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ابوہریرہ کے اصل الفاظ یہ ہیں، جالسًا فی حَلقۃٍ متخشعًا علیہ سیما الخیر[1]

حضرت علیؓ ھُمْ فی صلاتھم خاشعون کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

ھوالخشوع فی القلب وان تلین	خشوع یہ ہے کہ قلب میں خوف وخشیت،
کنفک للمرءِ المسلم وان لا	اور مسلمانوں سے نرم خوئی رکھو (اور اس کا
تلتفت فی الصّلاۃ،	ایک گوشہ یہ ہو کہ) نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو

صوفیہ کرام نے جو اس صفت کے عملی نمونہ ہیں، خشوع کی اسی روح کو سمجھ کر اس کی ایسی تعبیر کی ہے،

ن کے اندر زندگی کا ہر کام حقوق اللہ سے متعلق ہو، خواہ حقوق العباد سے آجاتا ہے لیکن چونکہ اس کا

محور نماز ہی ہے، اور اس کی پوری مشق دربار الٰہی کی حاضری کے بعد ہی ہوتی ہے، اس لئے اس کی

تشریح بھی اسی کے ضمن میں ہوتی ہے،

اس لئے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے، کہ اگر کوئی شخص خشوع کی اس عام تشریح سے دھوکا

کر بغیر نماز ادا کئے ہوئے اس کو پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے تو وہ اس صفت سے متصف نہیں

سکتا، اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے نمازوں میں یہ کیفیت پیدا کی جائے اس کے بعد آگے قدم بڑھایا جائے

---

[1] اصابہ ذکر عبداللہ بن سلام ؓ وہ اپنی نمازوں میں خشوع رکھتے ہیں۔

ورنہ اس کی مثال اس شخص کی ہو گی، جو بغیر کسی زینے اور سہارے کے مکان کی اوپری منزل پر جانے کی کوشش کرتا ہے،

اب علمار و صوفیہ اور ائمہ کے اقوال اور ان کی عملی زندگی سے اس کی تشریح کی جاتی ہے،

امام احمد بن حنبل اپنے رسالہ الصلوٰۃ و مایلزم فیہا مین تحریر فرماتے ہین :-

ویستحب للرجل اذا اقبل الی المسجد	جب کوئی شخص مسجد مین آنے کا ارادہ کرے
ان یقبل بخوف و وجل و خشوع	تو اُسے چاہئے کہ خوف و خشیت، تواضع
وخضوع،	وانکسار کے ساتھ آئے،

پھر اسی رسالہ مین دوسری جگہ اس کی اور تصریح فرماتے ہین،

ان العبد اذا خرج من منزلہ	جب کوئی بندہ اپنے گھر سے مسجد آنے لگے تو
یرید المسجد انما یاتی الجبار	اُسے سمجھنا چاہئے کہ وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کے
الواحد القھار العزیز وان کان	سامنے آرہا ہے، اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ وہ
لا یغیب عن اللہ حیث کان	جہان بھی ہوگا، خدا سے پوشیدہ نہین ہو سکتا،
ولا یعزب عنہ تبارک وتعالیٰ	اور نہ آسمان و زمین کا کوئی ذرہ یا اس سے بڑی
مثقال حبۃ من خردل ولا اصغر	یا چھوٹی چیز اس کی قدرت و علم سے باہر ہو سکی
من ذالک ولا اکبر فی الارضین	ہے......... (اور اسے یہ بھی غور کرنا چاہئے
السبع ولا فی السموات السبع،...	کہ) وہ اللہ کے گھرون مین سے ایک گھر مین
.... وانما یاتی بیتًا من بیوت اللہ	آرہا ہے جس مین ضروری ہے کہ اسی کا ذکر
یجب ان ترفع و یذکر فیھا اسمہٗ	اور اسی کا چرچا کیا جائے،
..... فاذا خرج من منزلہ فلیحدث	(جب وہ ایسے عظمت مقام پر جارہا ہے تو اسے

نفسه تفكرا وادبا غير ما كان فيه
قبل ذلك ..... وليخرج بوقار فان
النبي صلى الله عليه وسلم امر
بذلك ....
.... فانه كل من تواضع لله
عز وجل وخشع وخضع وذل
لله عز وجل كان اذكى
لصلاته واحرى لقبولها،

اپنے مکان سے نکلتے ہی اپنے دل و دماغ کو
دنیاوی تفکرات سے جس میں وہ اس سے پہلے
پڑا تھا ہٹا لینا چاہئے (اور اپنے تمام ارادوں
اور اپنی توجہات کو اس ذات قدوسی کے مقامات
وکمال میں لگا دینا چاہئے) اور ارشاد نبوی
کے مطابق پورے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ
وہاں پہنچنا چاہئے، اس لئے کہ جو جتنا ہی
خشوع وخضوع کے ساتھ اس دربار میں
حاضری دے گا، اتنی ہی اس کی نماز بہتر
اور قبولیت سے قریب ہوگی،

......فاذا قام احدكم في صلاته
فليعرف الله عز وجل في قلبه
بكثرة نعمه عليه واحسانه اليه
وان الله عز وجل قد وقره نعما
وانه اوقر نفسه ذنوبا طبالغ
في الخشوع والخضوع لله عز وجل

اور جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہو تو اسے
سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا احسان
واکرام سے اُسے سرتا پا ڈھانک لیا ہے، اور
اس نے ہر نعمت سے اسے نوازا ہے، گو اس نے
گناہوں سے اپنے نفس کو نہایت کثیف اور
بوجھل کر دیا ہے، پس ان دونوں پہلوؤں
پر نظر ڈالتے ہی اُسے خشوع وخضوع،
تواضع وانکسار کا پیکر بن کر اس سے
مغفرت طلب کرنا چاہئے،

وقد جاء الحدیث ان اللہ اوحی الی عیسی بن مریم اذا قمت بین یدی فقم مقام الحقیر الذلیل الذام لنفسہ فانھا اولی بالذم فاذا دعوتنی فادعنی واعضاؤک تنتقض وقد جاء الحدیث ان اللہ اوحی الی موسی نحو ذالک،

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمایا کہ جب تم میرے سامنے عبادت کے لئے کھڑے ہو تو اپنے نفس کو پورے طور پر حقیر و ذلیل سمجھو، اور جب مجھ سے دعا کے لئے ہاتھ اٹھاؤ تو اس وقت سارے اعضاء تواضع کی وجہ سے گویا بے حس و حرکت ہو جائیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی ایک حدیث میں آیا ہے، (باقی)

---

۱ ص ۱۴ و ص ۱۵،

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

جلد ششم

یہ اخلاقی تعلیمات پر مشتمل ہے، اس میں پہلے اسلام میں اخلاق کی اہمیت بتائی گئی ہے، اور پھر اسلامی و اخلاقی تعلیمات اور فضائل و رذائل اور اسلامی آداب کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اخلاقی معلم کی حیثیت سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پایہ کتنا اونچا ہے،

قیمت قسم اول :- ﷼ قسم دوم للعدر بڑی تقطیع

" " " :- ﷼ چھوٹی تقطیع

"منیجر"

ہندوستان مین علم حدیث

از

مولوی ابویحییٰ امام خان صاحب نوشہروی

(۳)

اب تک صرف تشبیب تھی، ہندوستان مین علم حدیث بسلسلۂ امام شوکانی کے اس عنوان پر جس کی تجدید عزیز فاضل مولوی عطاء اللہ صاحب حنیف فیروزپوری نے (اہل حدیث امرتسر، ۲۹ر مارچ ۱۹۴۶ء ص ۹) فرمائی، مفاد یہ ہے کہ ہندوستان مین امام شوکانی کے تلامذہ بلافصل مین مولینا منصور الرحمٰن صاحب دہلوی کا نام ہے، یہ مولوی عبدالوہاب دہلوی (م ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۲ء) کے اجازہ حدیث مین آتا ہے، اس کی تحقیق مقصود ہے،

مولانا عبدالجلیل صاحب سامرودی (گجراتی) نے اپنے والد مولانا محمد ہاشم (م ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۷ء) کا اجازہ مولانا منصور الرحمان بن شیخ عبداللہ بن الشیخ نواب جمال الدین انصاری دہلوی (متوطن ڈھاکہ) سے ثبت فرمایا ہے، (اہل حدیث ۱۲ر اپریل ۱۹۴۶ء ص ۰) متضمن بہ تذکرہ تلمذ شاہ عبدالحیٔ بڈھانوی[۱] (م ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۸ء) امام شوکانی کے ہندوستان مین بلاواسطہ شاگرد یہ اصحاب ثلاثہ ہوئے، یعنی شیخ عبدالحق بنارسی مولانا منصور الرحمان

---

[۱] اس کی توثیق نواب والاجاہ یون فرماتے ہین، "..... والفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ: این کتاب در ہند بقالب طبع رسید و اول کسے کہ آنرا در ہند آورد مولوی عبدالحیٔ مرحوم اند: ایشان در سفر حج از وے سند فنِ حدیث ہم بطریق اجازہ بالکتابۃ حاصل نمودے بودند" (اتحاف النبلاء ص ۲۰۹)

دہلوی، شاہ عبدالحئی بڈھانوی، مگر ہنوز،

ہر کس نگہے دارد ہر کس سخنے دارد

در بزم تو می خیزد افسانہ ز افسانہ

اب امام کے چوتھے شاگرد کا ذکر جناب عبدالرحمٰن صاحب، (بی اے) نے کیا ہے، کہ شہید راہ خدا مولانا ولایت علی صادقپوری (اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک ھم المتقون) (م ۱۲۶۹ھ ۱۸۵۲ء) امام شوکانی سے انتساب فی السند رکھتے تھے، اس کا تذکرہ مولانا عبیداللہ صاحب مرحوم نے اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" میں کیا ہے، لیکن موصوف نے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے، اس لئے یہ محتاج توثیق رہ گیا ہے[۱]، لیکن یہ صحیح نہیں، اس اجازہ کا پورا ذکر الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور میں آیا ہے، چنانچہ مولینا ولایت علی صاحب کے تذکرہ کے ضمن میں مذکور ہے :-

"مکہ معظمہ میں پہنچ کر آپ نے عبداللہ سراج محدث سے سند حدیث حاصل کی، عبداللہ سراج فرماتے تھے، کہ مولانا نے حدیث کے لفظوں کی سند مجھ سے لی، اور معانی کی سند میں نے مولانا سے حاصل کی،

بعد از حج آپ ملک یمن، نجد، عسیر، مسقط، حضرموت، منی، حدیدہ میں دورہ و سیر کرتے رہے، اور قاضی علی شوکانی سے بھی جن کی ولادت ۱۱۷۲ھ ۱۷۵۸ء اور وفات ۱۲۵۵ھ ۱۸۳۹ء میں واقع ہے، سند حدیث حاصل کی، اور ان کی چند تصنیفات درۃ البہیہ وغیرہ اُن سے لیں، اور ملک عرب سے بسواری جہاز مراجعت کرکے کلکتہ پہنچے"[۲]

ہندوستان میں، امام شوکانی کے پانچویں شاگرد بلا واسطہ جن کا نشان منزل امیر الملک بھوپال کے صدقہ ملا، وہ شیخ محمد عابد سندی (م ۱۲۵۷ھ ۱۸۴۱ء) ہیں، اور ان کا ذکر ساداتِ اخیار قریہ جوہ میں کیا ہے، جناب

---

[۱] اخبار اہل حدیث امرتسر بابت ۲۷ راپریل ۱۹۲۶ء [۲] الدر المنثور فی تراجم اہل صادق پور ص ۱۲۲،

تقصار جیود الاحرار میں تذکار جنود الابرار میں بسلسلہ تذکرہ سید شاہ حسین علی، سید احمد سعید کالپوی کے متعلق مذکور ہے :-

"میر سید احمد بن میر سید محمد کالپوی، وارث ولایت محمدیہ و حامل رایت احمدیہ است از عنفوان نشو ونما فروغ رشد و نور ولایت از جبین ہمایون می تافت ......"[1]

سید حسین شاہ اسی صلب سعید سے ہیں، اور شیخ سندی کے اجازہ عن الشوکانی کے لئے اسی خاندان کے ایک خیر الاخلاف بزرگ ہیں مختصر سا شجرہ سبب وضاحت ہوگا، یعنی

	نام	وفات
۱۔	میر سید محمد ترمذی کالپوی	م ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ء
۲۔	میر سید احمد	م ۱۰۸۴ھ / ۱۶۷۳ء
۳۔	شاہ فضل اللہ	م سنہ ؟
۴۔	سید سلطان ابو سعید	م ۱۱۴۶ھ / ۱۷۳۴ء
۵۔	سید احمد سعید	م ۱۱۷۷ھ / ۱۷۶۴ء
۶۔	سید شاہ حسین علی	م ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء
۷۔	سید شاہ ابو سعید خیرات علی	م ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۱ء
۸۔	سید شاہ ظہور محمد	م ۱۲۸۸ھ / ۱۸۷۱ء

حضرات چورہ کا مختصر تذکرہ | میر سید محمد ترمذی کالپوی کے متعلق مذکور ہے :-

"اصل ایشان از سادات ترمذست آباء کرام او در جالندر از توابع لاہور سکونت داشتہ اند پدرش میر ابو سعید در کالپی طرح اقامت ریختہ او در عنفوان تحصیل بخدمت شیخ یونس کہ عالم عامل و محدث کامل بود تلمذ کرد، وتا مطول تفتازانی گزرانید، و اجازت حدیث فرا گرفت ......" (تتمہ کتب تحصیلی)

---

[1] تقصار جیود الاحرار ۲۰۵-۲۰۶

قدرے پیش مولانا عمر جاجموی واکثرے درحلقہ درس شیخ جمال اولیاء کوڑہ می گذرانید ....."

تیرآزاد گفتہ کہ وے درآخر عمر عیسوی المشہد بودہ در مقام قطبیت کبری متمکن گردیدہ یعنی

چنانچہ احیاء اموات از عیسیٰ علیہ السلام واقع میشد احیاء قلوب از ایشان واقع شد"

" از مصنفات شریفہ تفسیر سورہ فاتحہ در روائع بعبارت عربی، ورسالہ تحقیق روح واسرار الحجج

وارشاد السالکین ورسالہ فنا و رسالہ عقائد صوفیہ ورسالہ عمل معمول ورسالہ واردات است، در

سنہ ۱۱۱۱ھ وفات شد رحمہ اللہ تعالیٰ"[1]

میر سید احمد بن میر سید محمد کا لپوی کے متعلق ہے :-

"وارث ولایت محمد یہ وحامل رایت احمدیہ ست از عنفوان نشو ونما فروغ رشد و

نور ولایت از جبین ہمایون می تافت .... ابتدار حال و من سعی با کتساب دانش صوری

بر نہ زند واز حسامی تا بیضاوی نزد شیخ محمد افضل الہ آبادی گذرانیدند"[2]

۳- شاہ فضل اللہ بن میر سید احمد کا حال یوں مذکور ہے :-

"فرزند ایشان شاہ فضل اللہ جامع دانش صورت ومعنی بودند و بر روش پدر وجد بزرگوار

قدمے راسخ داشتند"[3]

۴- سید سلطان ابو سعید پسر شاہ فضل اللہ کے متعلق فرماتے ہیں :-

"بعد ایشان سلطان ابو سعید فرزند ایشان جانشین پدر شدند، صاحب دوام حضور

وذوق سرور بودند و عرفان تخلص می کردند از نتائج طبع والا است"

دیروز کہ دل رفت ز کاشانہ ما ‎ ‎ لیلی گویا بروں شد از خانہ ما

امروز شنیدم انا لیلی می گفت ‎ ‎ گلبانگ دگر شنو ز دیوانہ ما

---

[1] انتصار جیود الاحرار..... ص ۲۰۵ و ۲۰۶، [2] ایضاً ص ۲۰۶ [3] ایضاً صفحہ ۲۰۶،

وفات ایشان در ۱۱۴۴ھ/۱۷۳۲ء بودہ یدخلون الفردوس تاریخ وفات ست"[۱]

۵۔ سید احمد سعید بن سید سلطان ابو سعید:۔

"بعدہ سید احمد سعید فرزند ایشان زیب افزاے سجادۂ آبائے کرام وخضرراہ سرگشتگان بادیۂ غرام آمد میر آزاد می نویسند کہ چون فقیر بارادہ حجاز فیض طراز از بلگرام برآمد و بہ موضع چہرہ این طرف دریاے جمن عبور افتاد صحبت بابرکت ایشان را دریافت"[۲]

"میر آزاد بلگرامی در علی پور چہرہ او را دیدہ بود کہ تقدم سال وفاتش ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء ہجری ست مادہ تاریخ وفات این مصرع باشد"

آواز شد زغیب کہ فی جنتی دخل[۳]

۶۔ سید شاہ حسین علی بن سید احمد سعید کالپوی، (جنہوں نے کالپی سے چہرہ میں طرح اقامت ڈالی) کے متعلق ہے،

"سید حسین علی بیعت بر دست والد خود کردہ رحل اقامت مع الاستقامت در قریۂ چہرہ انداخت، انتقال وے در ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء بودہ در مدرسہ دفن شد، محقق سادہ تاریخ وفات است"[۴]

(۷) سید شاہ ابو سعید معروف بہ سید شاہ خیرات علی فرزند شاہ حسین علی کا ذکر یوں آیا ہے:۔

"در ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۱ء از عدم بعرصہ گاہ وجود قدم نہاد آفتاب سیادت اکبر مادہ تاریخ ولادت شریفہ است ......:

"اکابر مارہرہ از مریدان اوہند مثل حافظ علی رضا بن شاہ بوندی بن شاہ برکات و سید سلطان العالم و سید صاحب عالم ہم ایشان باوے بیعت کردند وہم از پیش وے مجاز گردیدند"[۵]

---

[۱] تقصار جیود الاحرار ......ص ۲۰۶ [۲] ایضاً ....ص ۲۰۶ [۳] ایضاً صفحہ ۲۱۰ [۴] ایضاً [۵] ،، ص ۲۱۰

"میرزا حسن علی محدث لکھنوی نیز در طریقۂ علیہ نقشبندیہ ابوالعلائیہ مرید جناب ایشان گردیدہ و ہم جناب ایشان از میرزا صاحب سند و اجازت کتب مرویۂ علم حدیث ستاندند"

ع ماہم غنیمتیم شماہم غنیمت اید،

انتقال برکت اشتمال سید خیرات علی در ۱۲۴۷ھ اتفاق افتاد"

پھر سید شاہ خیرات علی اور نواب والاجاہ کے والد (رحمہم اللہ تعالی) کی ملاقات اور پیوند قرابت داری کے متعلق مذکور ہے :-

"والد مرحوم محرر سطور را با ایشان ملاقات و محبت بود، از ایشان پنج فرزند ماندند یکے سید نور محمد کہ بعد از پدر عالی قدر سجادہ آبا کرام را زیب و زینت بخشیدند، و در حسن خلق و تواضع و مہمان نوازی با خلق و خشوع و خضوع یافاق آیتی بود وفات ایشان در ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء رو داد "کلا ان کتاب الابرار لفی علیین" مادہ این وصال ست"

"فرزند بزرگ ایشان سید شاہ کاظم علی موصوف بودند بصفات حسنہ از خلق حسن و اشتغال بذکر و فکر، والد مرحوم دختر خواہر خود را در حبالۂ نکاح ایشان داد، محرر سطور بارہا با ایشان در وطن و در گدورہ و در بھوپال برخورد، پیر نورانی بودند در سن نزدیکی در ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء بجوار رحمت حق آسودند و بالجملہ خالی از کیفیت سلوک نبودند و در عسر و یسر بکشادہ پیشانی و لطافت و ظرافت طبع میگذرانیدند"[۱]

۸۔ حضرت سید شاہ ظہور محمد (م ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء: تقصار...... ص ۲۱۲ سطر ۹) کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

"......... فرزند دوم سید شاہ خیرات علی قدس سرہ حضرت شاہ ظہور محمد رحمہ اللہ تعالی بودند"

---

[۱] تقصار جیود الاحرار، ص ۲۱۰

"ولادتِ ایشان بتاریخ ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ صورت بست لفظ ظہور محمدی ۱۲۴۸ھ تاریخ سال مذکور است با قتضائے

این تاریخ ہمتِ ایشان در تقوی و زہد و معرفت و عبادت بسیار بلند افتادہ بود،

علوم رسمیہ و فنون عرفیہ را در وطن و لکھنو کلکتہ درس مولوی ولی اللہ و مولوی حیدر

لکھنوی از فضلائے فرنگی محل اکتساب فرمودند، و طریقہ بیعت بخدمت پدر بزرگوار

خویش بجا آوردہ و اجازت یاب گردیدند"

"و در سفر دہلی کتب علوم دینیہ را از فقہ و حدیث و جز آن از خدمت شہرۂ آفاق مولوی

محمد اسحاق مہاجر مکی تحصیل نمودند، و سالیکہ شاہ عبدالعزیز دہلوی و شاہ غلام علی مجددی

بجوار رحمت الٰہی انتقال کردند، جناب ایشان رونق بخش دارالعلم دہلی، بودند، و در نماز جنازہ

این بزرگواران شریک ماندند"

و نیز کتب سنت مطہرہ، مثل صحیحین و موطا مالک و بلوغ المرام نحو آن از میرزا حسن علی

محدث لکھنوی شاگرد شاہ عبدالعزیز دہلوی سند کردند و اجازت سلسلہ حدیث بدست آوردند"

"میل خاطر ایشان بسوئے عمل بالحدیث بیشتر بود، در سنہ ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۵ء محمل سفر حجاز بہ میمنت طراز

بربستند، و با برادر خود حافظ سید سلطان احمد خویش میر سید علی قنوجی مراحل مسافرت نمودند

و بعد از تادیۂ فریضۂ حج زیارت مسجد نبوی و مرقد مطہر مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم چہار دہ

ماہ در جوار حرمین شریفین بسر آوردند و اکتساب انواع فیوض و برکات از علماء و مشائخ

آنجا پردوختند، از آن جملہ قرأت صحیحین ست کہ این ہر دو اصل اصیل دین مبین را بر شیخ علامہ

محمد عابد سندی مدنی، شاگرد قاضی القضاۃ سبیل قطر یمانی امام الائمہ محمد بن علی شوکانی رحمہما اللہ

تعالیٰ گذرانیدند" و سند سلسلہ علیہ سنت مطہرہ بہم رسانیدند،[۵]

---

[۵] تقصار جیود الاحرار من تذکار جنود الابرار ص ۲۱۱،

الغرض شیخ محمد عابد سندی مدنی ہندوستان میں امام شوکانی کے پانچویں شاگرد بلا واسطہ ہیں

نکتۂ اوجِ تام پر ماہ تمام آگیا | یعنی وہ چاند حسن کا بر سر بام آگیا

شیخ عابد سندی کے متعلق ارشاد ہے،

"وھذا الشیخ محمد عابد کان | شیخ محمد عابد علامہ فقیہ و محدث تھے،

شیخا علامۃ فقیھا محدثا سکن | مدینہ میں سکونت اختیار فرمائی اور

المدینۃ و ولی ریاسۃ علمائھا | یہاں کے علماء کے سرخیل سمجھے گئے،

...وتوفی الشیخ محمد عابد یوم | انھوں نے یوم دوشنبہ ماہ ربیع الاول

الاثنین من شھر ربیع الاول | ۱۲۵۷ھ میں وفات پائی اور بقیع میں

۱۲۵۷ھ ودفن بالبقیع کذا ذکرہ | دفن کئے گئے،

یوں تو امیر الملک نواب سید صدیق حسن خان کے سراپاے صدق وحسنہ کے لئے ابھی ایک دفتر درکار ہے، تاکہ

فرصتِ کشاکشِ غمِ ہجراں سے گر ملے | تم کو بھی ہم بتائیں کہ مجنوں نے کیا کیا

مگر اب اس داستان کو ہم یہیں ختم کرتے ہیں، وآخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین

اعلان

یکم جنوری ۱۹۴۷ء سے مستقل تاجروں کے لئے کمیشن بجائے ۱۵ فیصدی اور دوسری مطبوعات پر ۲۰ فیصدی کر دیا گیا ہے، اب اس کے متعلق خط وکتابت بے سود ہوگی،

"منیجر"

لفظ فتنہ اور قرآن مجید

از

مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور

قرآن پاک مین یہ لفظ بشکل فعل اور بصورت اسم متعدد جگہ آیا ہے، اور بہت سی چیزون کو مختلف جہات سے فتنہ کہا گیا ہے، چونکہ یہ لفظ باعتبار معنی بہت سے پہلوؤن کا حامل ہے، اس لئے ہم اس کی تحقیق کرنی چاہتے ہین، اور تعیین کے ساتھ بتانا چاہتے ہین، کہ فلان فلان مقام مین اس کے یہ معنی ہین، اور اس مین یہ پہلو ہے تاکہ قرآن مجید کے طلبہ کو مطالعۂ قرآن کے وقت اس کے مفہوم کی تعیین مین سہولت ہو،

عربی زبان مین لفظ فتنہ کے اصلی معنی آزمانے اور پرکھنے کے ہین، چنانچہ لسان العرب مین جو لغت کی اہم کتاب ہے، ازہری اور صحاح جوہری کے حوالہ سے اس کی حسب ذیل تشریح درج ہے :-

الازهري وغيره جماع معنى الفتنة الابتلاء والامتحان والاختبار واصلها ماخوذ من قولك فتنت الذهب والفضة اذا اذبتهما بالنار لتميز الردي من الجيد وفي الصحاح اذا ادخلته النار لتنظر ما جودته ودينار مفتون؛ (لسان العرب جلد ۱۷ ص ۱۹۳)	ازہری وغیرہ کہتے ہین کہ فتنہ کے اصلی معنی آزمانے اور پرکھنے کے ہین، اور دراصل یہ لفظ فتنت الذہب الفضہ" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ چاندی سونے کو آگ پر اس لئے تپایا جائے کہ کھوٹا کھرا الگ الگ ہو جائے، اور صحاح جوہری مین بھی اس لفظ کی اصل یہی قرار دی گئی ہے، اور دینار کی صفت مفتون آئی

مذکورۂ بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ ائمۂ اہلِ لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ فتنہ کے اصل معنی کسی دھات کا آگ میں تپا کر اس کا کھرا کھوٹا الگ کرنا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن نے اسے کن کن معانی میں استعمال کیا ہے، اور ان معانی کا اصل اشتقاقی معنی سے کیا تعلق ہے؟ اس کے لئے ضرورت ہے کہ اولاً ان معانی کا احاطہ کیا جائے جن میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، پھر اس اصل معنی سے مناسبت معلوم کی جائے۔

لفظ فتنہ کے معانی قرآن پاک میں

قرآن پاک کے استقصا سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کی عقل اور اس کے عزم کے لئے وجہ امتحان اور آزمایش ہو، فتنہ ہے، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ تمام چیزیں جو انسان کی عقل و ضمیر اور اس کے عزم و استقامت میں ضعف کا باعث ہوں اور جن کی بنا پر حق و صداقت کی راہ پر قائم رہنا دشوار ہو جائے، فتنہ ہیں، اس معنی کے اعتبار سے مال و دولت بھی فتنہ ہے کیونکہ اس کی فراوانی میں کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا عقلی توازن ٹھیک رہتا ہے، فقر و فاقہ بھی فتنہ ہے، اس لئے کہ اس سے دوچار ہونے کی صورت میں بھی بہت کم ایسے نکلتے ہیں کہ راہِ حق پر جن کا قدم استوار رہتا ہو، اور وہ خدا کی مرضی پر صابر و شاکر رہتے ہوں، اور جائز و ناجائز کی تمیز ترک نہ کر دیتے ہوں، عہدہ و منصب بھی فتنہ ہے کہ اس سے عموماً غرور پیدا ہو جاتا ہے، عہدہ دار اپنے کو خادم کے بجائے مخدوم سمجھتا ہے، اولاد بھی فتنہ ہے کیونکہ اس کے آرام و راحت کے لئے انسان جائز و ناجائز کے حدود توڑ دیتا ہے، بیوی بھی فتنہ ہے، اس کی محبت بسا اوقات صحیح نصب العین سے انحراف کا باعث ہوتی ہے، کسی صحیح مسلک اور عقیدہ سے پھیرنے کے لئے جبر و تشدد برتنا بھی فتنہ ہے، کہ اس میں اہلِ حق کی حق پرستی اور عزیمت کا کھلا ہوا امتحان ہے، کافر کی خوشحالی بھی فتنہ ہے کہ یہ صورت حال مومن کے لئے بڑی وجہ ابتلا ہے، منافق کی وہ تدبیر اور روش بھی فتنہ ہے، جو اہلِ حق کے خلاف وہ عمل میں لاتا ہے، کہ اس سے حق پرستوں کی آزمایش شدید سے شدید تر ہو جاتی ہے، ذیل میں ہم ان آیتوں کو جن میں لفظ فتنہ آیا ہے، الگ الگ سرخیوں کے تحت لکھتے ہیں جس سے لفظ کے معنی اور پہلو دونوں متعین ہو رہیں گے، مثلاً

۱- راہ حق سے پھرنے کے لئے جبر و تشدد برتنے کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا۔

۱- وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ	اور انھیں جہاں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے
وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ	انھوں نے تمہیں نکالا ہے، تم بھی نکالو،
وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ	فتنہ قبیح ہونے میں قتل سے بھی بڑھکر ہے اور
عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ	ان سے مسجد حرام کے پاس جنگ نہ کرنا جب تک
فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ	کہ وہ تم سے اس میں جنگ کریں، پس اگر وہ
جَزَاءُ الْكَافِرِينَ، فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ	تم سے جنگ کریں تو تم انھیں قتل کرو،
غَفُورٌ رَحِيمٌ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ	کافروں کی یہی پاداش ہے، پس اگر وہ
فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا	باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے
فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ	اور ان سے جنگ کرو، یہاں تک کہ فتنہ
	کا قلع قمع ہو جائے، اور دین (طاعت)
	اللہ کے لئے ہو جائے پس اگر وہ باز آجائیں
(بقرہ - ۲۴)	تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں۔
۲- يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ	وہ تم سے حرمت والے مہینہ میں جنگ
قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ	کرنے کی بابت سوال کرتے ہیں، کہدو کہ اس میں
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ	جنگ کرنا بڑا ہے، اور اللہ کی راہ سے
الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ	لوگوں کو روکنا اور خدا کا انکار اور مسجد
عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ	حرام سے روکنا اور حرم کے مستحقین کو اس سے
وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ	نکالنا، خدا کے نزدیک اس سے بڑھ کر ہے اور

عن دینکم ان استطاعوا (البقرۃ - ۲۱۷)

فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر قبیح ہے، اور وہ (کفار) برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمھیں تمھارے دین سے پھیر دیں اگر انھیں اس پر قابو ہو جائے،

۳- فما آمن لموسیٰ الا ذریۃ من قومہ علی خوف من فرعون و ملأھم ان یفتنھم وان فرعون لعال فی الارض وانہ لمن المسرفین وقال موسیٰ یقوم ان کنتم آمنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین فقالوا علی اللہ توکلنا ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظلمین (یونس - ۸۳ - ۸۵)

پس موسیٰ کی تصدیق بجز اس کی قوم کے کچھ نوجوانوں کے اور کسی نے نہ کی، بسبب اس کے کہ انھیں فرعون اور آلِ فرعون سے اندیشہ تھا کہ انھیں فتنہ میں مبتلا کرے گا، اور بلاشبہہ فرعون سرزمین مصر میں اودھم مچائے ہوئے تھا اور وہ سرکشوں میں سے تھا، اور موسیٰ نے کہا اے لوگو! اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ کرو، اگر تمھارے اندر اسلام ہے، پس انھوں نے کہا خدا ہی پر ہمارا توکل ہے، اے پروردگار ہمیں ظالم لوگوں کا تختۂ مشق نہ بنا

۴- ربنا لا تجعلنا فتنۃ للذین کفروا واغفر لنا ربنا انک انت العزیز الحکیم (الممتحنہ - ۵)

اے پروردگار ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا، اور اے پروردگار ہمیں بخش دے بیشک تو غلبہ والا حکمت والا ہے،

۵- ثم ان ربک للذین ھاجروا

پھر بیشک تیرا پروردگار ان لوگوں کو

مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا	جنھوں نے مظلومیت اور فتنہ میں مبتلا
وَصَبَرُوا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا	کئے جانے کے بعد ہجرت کی اور جہاد کیا
لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ (نحل - ۱۱۰)	اور ثابت قدم رہے، بخشنے والا مہربان ہے
۲- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ	اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں، جو خدا کی
عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اطْمَانَّ	پرستش کنارے پر ہو کر کرتے ہیں، اگر
بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ انْقَلَبَ	اُسے کچھ مال ہاتھ لگتا ہے، تو اس سے
عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ	مطمئن ہو جاتا ہے، اور اگر کسی آزمائش
الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ	سے دوچار ہو جاتا ہے، تو اپنے منہ کے
الْمُبِيْنُ،	بل برگشتہ ہو جاتا ہے، ایسا کرکے دنیا و
(حج - ۱۱)	آخرت دونوں میں خسران کا مستحق ٹھرا
	لیتا ہے، اور یہی کھلا ہوا خسران ہے،
۷- اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْا	کیا لوگ اس خیال میں ہیں کہ صرف آمنّا
اَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ	کہنے سے چھوڑ دیے جائیں گے، اور ان
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ	کی آزمائش نہ ہوگی، حال یہ ہے کہ اُن
فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا	سے پہلے لوگوں کو ہم نے پرکھا، بس خدا
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ،	ان لوگوں کو جو صادق ہیں، اور انھیں
(۱-۳ عنکبوت)	جن کے قول و فعل میں مطابقت نہیں ہے
۸- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا	اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو آمنّا
بِاللّٰهِ فَاِذَا اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ	کہتے ہیں، پس جب اللہ کی راہ میں اسے

فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعَالَمِيْنَ،
(۱۰ - عنکبوت)

ایذا دی جاتی ہے، تو انسانوں کے ہاتھوں جو ایذا اسے پہنچتی ہے اُسے عذاب الٰہی کے مثل ٹھہراتا ہے، اور اگر تیرے پروردگار کی طرف سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے، تو کہتا ہے، ہم تمہارے ساتھ ہیں، کیا خدا لوگوں کے سینوں میں جو کچھ ہے، اس

۹- اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ، (بروج - ۱۰)

بلاشبہ جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو فتنہ میں مبتلا کیا، پھر وہ اس سے باز نہ آئے، ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اور بھڑکنے والی آگ کا دکھ ہے،

۱۰- وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ
(انفال - ۳۹)

اور ان سے جنگ جاری رکھو، یہاں تک کہ فتنہ کا قلع قمع ہو جائے، اور پورے طور سے اطاعت خدا کے لئے ہو جائے، پس اگر وہ باز آجائیں، اور تائب ہو جائیں تو جو کچھ وہ کر رہے ہیں، خدا کی نگاہ میں ہے

۱۱- وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكَافِرِيْنَ كَانُوْا

اور جب تم سفر میں ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز میں قصر کرو، اگر تمہیں اس کا خطرہ ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے، بلاشبہ کفار تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں

۲- وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ (انفال)

اور کفار بعض بعض کے ولی ہین، اگر تم لوگ ایسا نہ کروگے تو زمین مین فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا،

اوپر جو آیتین درج کی گئی ہین، ان مین ہر جگہ یہ لفظ مخالفین حق کی تشدد آمیز مخالفتون اور مزاحمتون پر مشتمل ہے. بالفاظ دیگر باطل پرستون کے ہاتھون اہلِ حق پر جو نوع بہ نوع کے مظالم اختلاف عقیدہ اور اختلاف مسلک کی بنا پر ڈھائے جاتے ہین تاکہ وہ اپنے عقیدہ اور مسلک سے باز آجائین اس کی تعبیر اس لفظ سے کی گئی ہے،

(باقی)

حیاتِ شبلی

حصۂ اوّل

ملا فصیح الدین پھلواروی جامع فتاوی عالمگیری

از

جناب عون احمد صاحب قادری

دسمبر اور جنوری کے معارف میں حافظ مجیب اللہ صاحب کا مضمون " فتاوی عالمگیری اور اس کے موئفین " نظر سے گذرا، جب تک یہ مضمون ختم نہ ہوا تھا خیال تھا کہ پھلواری کے وہ بزرگ جنھون نے اس کی تدوین مین شرکت کی ہے، ان کا بھی ذکر آئے گا، مگر جنوری کا پرچہ دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ صاحب مضمون کو اس کا علم نہین ہے کہ پھلواری کے کوئی فاضل بھی اس کی تالیف مین شریک رہے ہین اور اگر علم ہے تو ان کا تفصیلی حال معلوم نہین، اس لئے ذیل کی سطرین برائے اشاعت پیش ہین،

ملا فصیح الدین جعفری ملا فصیح الدین کا وطن بہار کا ایک مردم خیز قصبہ پھلواری تھا، وہ اہل پھلواری کے مورث اعلیٰ حضرت امیر عطاء اللہ جعفری کے پرپوتے تھے تحصیل علم کے لئے دہلی گئے اور ملا عوض وجیہ کے حلقہ درس مین شامل ہوکر تکمیل کی سلطان عالمگیر اورنگ زیب کا عہد تھا، استاد دربار شاہی کے ممتاز لوگون مین تھے ملا فصیح الدین اپنے استاد کے ذریعہ عالمگیر کے دربار مین پہونچے اور اپنے تبحر علمی کی بنا پر فتاوی عالمگیری کی تدوین مین شریک کئے گئے اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے ان کی علمی قابلیت اور جوہر ذاتی کی قدر کرکے مدد معاش مین ایک سو بیس بیگہہ آراضی اور ایک روپیہ یومیہ خرچ کے لئے عطا فرمایا،

جب دہلی سے اپنے وطن پھلواری واپس آئے تو اپنے آبائی مدرسہ مین درس دینا شروع کیا، ان کے آبائی مدرسہ کا تذکرہ بھی اگلی کتابون مین ملتا ہے، یہ مدرسہ مسجد سنگی سے اتر جانب تھا اس مین

حضرت امیر عطاء اللہ کی اولاد سے علما و فضلا درس دیا کرتے تھے، یہ مدرسہ ۱۲۷۲ھ تک نہایت عروج کے ساتھ آباد رہا،

ملا فصیح الدین کا حلقہ درس بہت وسیع تھا، پھلواری کے متقدمین علماء مین ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے، ان کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی، ارشد تلامذہ مین موصوف کے چارون صاحبزادے اور قاضی حیات مرید اور ملا غلام شرف الدین قابل ذکر ہین،

بڑے لڑکے ملا صبیح الدین ان کے بعد مسند درس پر بیٹھے اور بہت سے لوگون نے ان سے علمی فیض حاصل کیا، ان کے بعد اس مسند پر ان کے بھانجے ملا مبین جعفری بیٹھے جو بیک واسطہ استاذ الکل ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد تھے، ملا مبین کے بعد ملا فصیح الدین کی مسند درس کچھ دنون خالی رہی، پھر ان کے بھائی ملا معین کے پوتے مولانا حافظ عبد الغنی اس پر جلوہ افروز ہوئے اور ساٹھ برس تک اس مسند پر درس دیتے رہے،

ملا فصیح الدین نے ۱۱۱۹ھ مین وفات پائی، اور مسجد سنگی کے شرقی جانب مقبرہ مین مدفون ہوئے،

رَحِمَهُ اللّٰهُ رَحْمَةً وَاسِعَةً ،

ملا فصیح الدین کے صاحبزادے ملا صبیح الدین کے نام سلطان عالمگیر کی طرف سے جو فرمان تھا اس مین اس کا تذکرہ موجود ہے، فرمان طویل ہے اس کا وہ حصہ نقل کرتا ہون،

> "درین وقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ یک روپیہ یومیہ از خزانہ بلدہ عظیم صوبہ بہار و یکصد و بست بیگہہ زمین از پرگنہ پھلواری مضاف صوبہ بہار در مدد معاش بصلائے تدوین فتاوی بنام ملا شیخ فصیح الدین مقرر بود الحال بمتعلقان ملا مذکور متوفی بلا قید اسامی دیدہ و دانستہ حسب الضمن مقرر شد"

یہ فرمان ملا فصیح الدین کے انتقال کے بعد (۱۱۱۹ھ) ۱۵ رجب دوشنبہ ۱۱۲۰ھ مین تجدید کیا گیا تھا

ملا فصیح الدین کے نام جو فرمان تھا اس مین بھی ان کی شرکت کا ذکر تھا مگر وہ ضائع ہوگیا،

(۲)

از جناب مولوی سید شاہ غلام حسنین صاحب ندوی پھلواروی

حضرت ملا فصیح الدین جعفری پھلواروی کا جامعین فتاویٰ عالمگیری مین ہونا یہان کے خاندانی روایات پر مبنی ہے اور یہ روایت تحریر مین بھی آئی تو بہت بعد مین، ان کے ہم عصرون مین سے یا ان کے متصل مولفین مین سے کسی کا نوشتہ موجود نہین ہے، اس زمانہ کا عام مذاق یہ تھا کہ تذکرون مین بزرگون کے محض کشف و کرامات کو منضبط کر لینا کافی سمجھتے تھے،

لیکن پھر بھی اہل علم خاندان مین جو روایت مسلسل چلی آرہی ہو وہ بالکل بے اصل اور غیر وقیع نہین ہو سکتی، اس خاندان کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے روایت کے وزن کا اندازہ ہو سکتا ہے،

اس خاندان کے مورث خواجہ امیر عطاء اللہ عہد ہمایونی و اکبری مین یہان آکر مقیم ہوئے، خاندانی روایت کے بموجب تو یہ وزرائے شاہی مین تھے لیکن وہان ان کی کوئی اہم حیثیت ضرور تھی،

ابوالفضل کے اکبرنامہ مین بضمن وقائع ۹۶۱ھ خواجہ عطاء اللہ کا نام بھی ایک جگہ پر مذکور ہے، خدا بخش خان صاحب مرحوم کی لائبریری مین شاہان و وزرائے مغلیہ کے ساتھ ایک مرقع امیر عطاء اللہ کا بھی البم کی شکل مین موجود ہے، شیر شاہی خاندان کی تباہی کے بعد مغل سلاطین نے رہتاس سے لے کر راج گیر تک پٹنہ کے جنوب مین بہت سے مغل، شیوخ اور راجپوت خاندان مختلف مناصب کے ساتھ آباد کر دئے تھے تاکہ پٹھانون کو سر اٹھانے کا موقع نہ دین، اسی زمانہ مین خواجہ عطاء اللہ بھی دہلی سے یہان آئے یہ عبداللہ ابن جعفر طیار رضی کی اولاد سے تھے، اسی لئے یہ خاندان جعفری کہلاتا ہے، امیر عطاء اللہ نے یہان سنگ سرخ کی ایک مسجد بنوائی جو اب تک پھلواری شریف کی جامع مسجد ہے جہان جمعہ و اعیاد کی سب سے بڑی جماعت ابھی تک ہوتی ہے، اور خاکسار راقم الحروف کے زیر تولیت ہے، اسی مسجد مین ملا فصیح الدین

درس و افتا کا مشغلہ رکھتے تھے، اور اسی سے متصل ان کا مزار بھی ہے، چنانچہ شاہ عالم اول فرزند و جانشین عالمگیر نے از روئے فرمان مجریہ سنہ ۱۱۲۰ھ ملا فصیح الدین کے لئے وظیفہ مقرر کیا تھا جو از روئے پروانگی و مہر "اخلاص خان" ملا صاحب موصوف کے فرزندون کو ملا تھا اس کی عبارت مندرجہ ذیل ملاحظہ ہو :-

"۔۔۔۔ ملا مذکور شاگرد اخوند ملا عوض وجیہ۔۔۔۔ متوطن قصبہ پھلواری سرکار و صوبہ بہار فاضل و متوکل است نیم روپیہ یومیہ و بست بیگھہ[1] زمین مدد معاش از سابق دارد ترحم وفا نمی کند امید وار از تفضلات۔۔ ویومیہ مسجد بآن قصبہ بنا کردۂ جد مشار الیہ مقرر است نیم روپیہ یومیہ بدستور اصل و بست بیگھہ زمین مزروع اضافہ مرحمت شد و نیم روپیہ یومیہ مسجد مذکور دیدۂ و دانستہ"

اس فرمان سے ظاہر ہوگا کہ ملا فصیح الدین شہنشاہ عالمگیر کے ہم عصر تھے اور فاضل متعارف تھے نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ خاندان کئی پشت سے دربار شاہی سے متعلق تھا،

پس فتاویٰ عالمگیری کے جمع کرنے مین انھون نے بھی کچھ خدمت انجام دی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہین ہے، بلکہ ایسا ہونا بہت ہی قرین قیاس ہے، تاریخ تو بہت سے خاندانی رواجون، روایتون اور انفرادی نوشتون، دفینون اور سفینون کو اکٹھا کر کے بنائی ہی جاتی ہے، پھر پھلواری کے ذی علم و معتمد خاندان کی روایت تاریخ کا ماخذ کیون نہین بن سکتی ہے،

---

[1] معارف "یک روپیہ و یک صد و بست بیگھہ زمین" (؟)

تلخیص و تبصرہ

"وجود باری تعالیٰ"

از

جناب خواجہ احمد فاروقی، ایم اے، لکچرار عربک، کالج، دہلی

مارسین (A. Cressy Morrison) کی جو نیویارک کی سائنس اکاڈمی کا صدر رہ چکا ہے تازہ تصنیف "انسان الگ کھڑا نہیں رہ سکتا" (Man Does not - stand alone) ابھی حال میں نیویارک سے شائع ہوئی ہے، اس کتاب کے مطالعہ نے میرے دل و دماغ پر عجیب و غریب اثر ڈالا، مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اس میں وجود باری تعالیٰ پر جس انداز میں گفتگو کی گئی ہے اوس کو معارف کے ناظرین تک بھی پہنچاؤں، ذیل میں اس عنوان پر اس کی تحریر کی ضروری تلخیص پیش ہے، وہ لکھتا ہے کہ

"ابھی سائنس کا آفتاب پوری طرح افق سے طلوع نہیں ہوا، لیکن جیسے جیسے اس کی روشنی بڑھتی جاتی ہے، یہ حقیقت بھی آشکارا ہو رہی ہے، کہ اس دنیا کی تخلیق ایک زیرک اور ہوشمند خالق کے ہاتھوں ہوئی ہے، ڈارون کے انتقال سے اب تک اس نوّے برس میں اہم بالشان ایجادات و انکشافات ہوئے ہیں، لیکن وہ سب وجود باری تعالیٰ کی نفی کے بجائے اس کے اثبات کا یقین دلاتے ہیں،

زندگی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں ایک باہمی رابطہ اور تعلق ہے، یہ تعلق محض اتفاقی نہیں ہے، بلکہ بڑی دانائی اور حکمت سے قائم کیا گیا ہے، مثلاً زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ

کے حساب سے گھومتی ہے، اگر وہ صرف سو میل فی گھنٹہ کے حساب سے گردش کرتی، تو ہمارے دن اور ہماری راتیں دس گنی زیادہ بڑی ہو جاتیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سورج کی گرمی ہماری کھیتیوں کو جلا ڈالتی اور رات کو بچی کھچی پھونگلیں پالے سے ماری جاتیں،

سورج ہماری زندگی کا سرچشمہ ہے، اس کی سطح کا ٹمپریچر ۱۲۰۰۰ ڈگری فارن ہائٹ ہے، ہماری زمین اس سے ایسے صحیح اور مناسب فاصلہ پر واقع ہوئی ہے، کہ آفتاب کی تمازت ہمیں ٹھیک مقدار میں حاصل ہوتی ہے، وہ نہ کم ہے، اور نہ زیادہ، اگر آفتاب کی شعاع افشانی میں بقدر نصف کے کمی ہو جاتی تو ہم جم کر مر جاتے، یا اگر اس کی تمازت اور ضوافگنی بقدر نصف کے زیادہ ہو جاتی، تو ہم جل کر کباب ہو جاتے،

زمین کا خم یا ڈھلان ۲۳ ڈگری کا ہے، اس سے موسمی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں، اور اگر کرۂ ارض اس طرح اوپر کو اٹھا ہوا نہ ہوتا تو سمندر کی بھاپ شمال اور جنوب کی طرف جاتی، اور ہزاروں لاکھوں برف کی چٹانیں قائم ہو جاتیں، اسی طرح اگر چاند موجودہ فاصلہ کے بجائے ۵۰ (پچاس) ہزار میل دور ہوتا، تو مد وجزر اتنا سخت ہوتا، کہ دن میں دو دفعہ سارے براعظم پانی میں ڈوب جایا کرتے، اور یہ پہاڑ حرف غلط کی طرح مٹ جاتے،

اگر زمین کا پرت (قشر ارض) دس فٹ اور موٹا ہوتا، تو ہمیں آکسیجن مطلق میسر نہ آسکتا، اور یہ ظاہر ہے کہ آکسیجن کے بغیر زندگی محال ہے، اسی طرح اگر سمندر چند فٹ اور گہرا ہوتا، تو کاربن اور آکسیجن دونوں جذب ہو جاتے، اور نباتات مطلق نہ اگ سکتی، یا اگر کرۂ ہوا کچھ زیادہ ہلکا ہوتا تو شہاب ثاقب ہر وقت زمین سے ٹکراتے رہتے اور ہر جگہ آگ لگاتے رہتے،

یہ اور اس قسم کی بے شمار مثالیں اس صانع حقیقی کی حکمت اور دانائی کی سب سے بڑی شہادتیں ہیں، یہ دلائل بتاتی ہیں کہ زندگی کا ان چیزوں سے رابطہ محض اتفاقی نہیں ہے،

زندگی کیا ہے؟ یہ راز اب تک کسی کو نہیں معلوم ہو سکا، اس کی نہ پیمایش ہو سکتی ہے، نہ اس کا

کچھ وزن ہے لیکن اس مین قوت ضرور موجود ہے، اگنے والا پودا پتھر کو توڑ کر نکل آتا ہے، اسی زندگی کی قوت نے پانی، خشکی اور ہوا، پر قبضہ کرلیا ہے، عناصر پر اسی کی حکمرانی ہے، یہی تمام زندہ چیزون کی صورت گری کرتی ہے، ہر پتی کو بناتی ہے، اور ہر پھول کو رنگ بخشتی ہے، وہ ہر چڑیا کو محبت کا گانا سکھاتی ہی، چھوٹے چھوٹے کیڑون کو بھی وہ گوناگون آوازین عطا کرتی ہے، یہی زندگی ہے جو پھلون اور مسالون کو ذائقہ اور گلاب کو خوشبو دیتی ہے، وہ پانی اور کاربن کو شکر اور لکڑی مین تبدیل کردیتی ہے، اور اس طرح اتنا آکسیجن پیدا کرتی ہے جو جانورون کے سانس لینے کے لئے ضروری ہے،

ذرا اس نخزمایہ (یا مادۂ اولی) کے تقریباً نظر نہ آنے والے قطرے کو دیکھئے، جو شفاف ہے، اور جیلی کی مانند ہے، جو حرکت کرسکتا ہے، اور اپنی قوت (energy) سورج سے حاصل کرتا ہے یہ چھوٹا سا قطرہ اپنے اندر زندگی کا جرثومہ چھپائے ہوئے ہے، اور اسے اتنی قدرت ہے، کہ وہ اس زندگی کو دوسری چھوٹی بڑی زندہ چیزون کو تقسیم کرسکتا ہے، اس نازک قطرہ کی قوت نباتات، حیوان اور انسان سے زیادہ ہے، اس لئے کہ زندگی اسی کے ذریعہ آئی ہے، یہ زندگی کس نے پیدا کی؟ آتشین چٹان اور بے نمک سمندر اس کو پیدا نہین کرسکتے تھے،

چھوٹی سی سامن (Salmon) مچھلی سمندر مین برس ہا برس گزار دیتی ہے، لیکن پھر اسی دریا مین پہنچ جاتی ہے، جہان وہ پیدا ہوئی تھی، اور لطف یہ ہے کہ وہ معاون دریا کے اسی راستہ سے جاتی ہے جس سے آئی تھی، آخر اس کو یہ سمجھ کہان سے آئی؟ اگر آپ اس کو کسی اور معاون دریا مین پہنچا دین، تو اس کو فوراً معلوم ہو جائے گا، کہ یہ غیر جگہ ہے، اور وہ اس کی پوری کوشش کرے گی کہ اصل دریا مین پہنچ جائے،

ایسے ہی بام مچھلی (eel) کا معاملہ ہے، یہ "بالغ" ہوتے ہی تالابون اور دریاؤن سے ترک سکونت کرتی ہین، اور یورپ والیان تو ہزارون میل کا سفر کرکے برمودا Bermuda

کے بچے کران سمندر مین پہنچتی ہین، یہین ان کے بچے ہوتے ہین، اور یہین وہ مرجاتی ہین لیکن لطف یہ ہے کہ ان کے بچے انھین دریاؤن اور تالابون مین پہنچتے ہین جہان سے اُن کے والدین آئے تھے، کوئی امریکی بام مچھلی آج تک یورپ مین نہین ملی، اور کوئی یورپی ایل امریکہ کے سمندر مین نہین پائی گئی،

یورپ کی بام مچھلی دوسری جگہون کے مقابلہ پر ایک سال بعد بالغ ہوتی ہے تاکہ وہ اس وسیع و عریض سمندر کا سفر طے کر سکے،

کیا خدا کے سوا کوئی اور ہے، جو یہ سمجھ دیسکتا ہے ؟ یہ چیزین مادہ قبول یا مطابقت پذیری (Adaptation.) سے نہین آسکتین،

انسان کو اللہ نے عقل دی ہے، وہ صدیون کے تجربات کا حامل ہے، کوئی جانور دس کے معنی نہین بتا سکتا، یہ شرف انسان کو حاصل ہے، اگر جبلت کو بانسری کے سُر سے تشبیہ دی جاے، تو کہا جاسکتا ہے کہ انسانی ذہن مین تمام راگ راگنیون کے سُر محفوظ ہین، یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالمگیر اکائی عقل کا ایک حصہ ہمین بھی عنایت فرمایا ہے،

Genes اتنے چھوٹے ہوتے ہین کہ اگر تمام انسانون کے (Genes) کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے، تو وہ چٹکی بھر سے بھی کم ہون گے، لیکن اس کے باوجود خوردبین سے بھی نظر آنے والے (Genes) اور ان کے ساتھی (Chromosomes) ہر زندہ خلیہ مین رہتے ہین، اور وہی انسان حیوان اور نباتات کی خصوصیات کے ذمہ دار ہین، حیرت ہے کہ (Genes) کسی طرح ہمارے اسلاف کے تمام ورثہ کو بند کر لیتے ہین، اور ہر ایک کی نفسیات کو اتنی چھوٹی سی جگہ مین محفوظ رکھتے ہین، اللہ کے وجود کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا، کہ بیس کھرب انسانون کی انفرادی خصوصیات ایک جگہ آسکتی ہین،

نشو و نما کا عمل خلیہ سے شروع ہوتا ہے، جو (Genes) کا حامل ہے، اس (Genes)

مین لاکھون اجزاے لاتجزیٰ ( ) رہتے ہین، اور وہی ساری زندگی پر حکمرانی کرتے ہین یہ صرف خدا ہی کا کارنامہ ہوسکتا ہے،

ناگ پھنی کا پیڑ اسٹریلیا مین حفاظت کے طور پر لگایا گیا تھا، وہان کوئی کیڑا اس کا دشمن نہین تھا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ اتنا پھیلا کہ انگلستان سے زیادہ رقبہ پر اس کا قبضہ ہوگیا، اس سے کھیتون کو سخت نقصان پہنچا ماہرین حشریات نے بالآخر ایک کیڑا دریافت کیا، جو صرف ناگ پھنی کھاتا تھا، اور بلا وقت پیدا ہوتا تھا آسٹریلیا مین اس کا کوئی دشمن بھی نہین تھا، چنانچہ اس جانور نے غیر ضروری پیداوار پر قابو پالیا اور اسٹریلیا سے یہ مصیبت رفع ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی روک تھام ہر جگہ رکھی ہے،

جلدی سانس لینے والے کیڑے دنیا مین زیادہ کیون نہین ہین، ؟ اس کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اُن کے آدمی کی طرح پھیپھڑے نہین ہوتے، وہ نلکی کے ذریعہ سانس لیتے ہین، جب یہ کیڑے بڑے ہوجاتے ہین، ان کی نلکیان اُن کے جسم کی نسبت سے نہین بڑھتین، اسی وجہ سے ان کی نسل زیادہ نہین پھیل سکی، اگر یہ روک تھام نہ رکھی جاتی، تو انسان کا زندہ رہنا محال ہوجاتا، اور ایک بھڑ شیر کے برابر ہوجاتی،

ذرا نباتات کی دنیا پر بھی ایک نظر ڈالئے، کون ہے جو ان خوبصورت پھولون کو اگاتا ہے کون ہے جو ہلکی ہلکی بارش سے ان کی آبیاری کرتا ہے ؟ کون ہے جو اُن کو رنگ و بو عطا کرتا ہے؟ کون ہے جو اُن کی نرم و نازک پتیون کو پھیلاتا ہے ؟ گلاب کا پھول اپنی باصرہ نواز سرخی اور سوسن کا پھول اپنی درخشان سفیدی کس طرح اس خاک تیرہ رنگ سے حاصل کرتے ہین ؟ کیسے ایک ننھے سے بیج مین سارا پودا چھپا ہوتا ہے؟ کون ہے جو ان پودون کو پھولنے پھلنے کا وقت بنا دیتا ہے، آم سے کبھی شفتالو نہین پیدا ہوتا، اور شفتالو سے کبھی آم نہین پیدا ہوتا، یہ اللہ کی قدرت کے کچھ کم کرشمے ہین ؟

خدا کے وجود کا ادراک صرف انسان ہی کر سکتا ہے، اور کوئی نہیں، وجود باری تعالیٰ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا؟ جب انسان کا صحت مند تخیل، روحانی حقیقت بن جاتا ہے، تو اُسے ذرہ ذرہ مین خدا کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے، اور اس پر باری تعالیٰ کی حکمت اور کائنات کے سربستہ راز کھلنے لگتے ہین،

استفسار وجواب

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کا نام ونسب

جناب سید ولی محمد صاحب نقشا،
گورنمنٹ ہائی اسکول ہوشیارپور

گرامی نامہ موصول ہوا، جواباً عرض ہے کہ یہ مضمون مضامین مالک مین کتابی صورت مین شائع ہو چکا ہے، یہ مضمون گمراہ کن ہے، اس کی تردید ضروری ہے، خود حضرت نے اپنے قصیدہ مین فرمایا ہے کہ مین حسنی حسینی سید ہون، وغیرہ، آپسے تحریک کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس مقالہ سے جو غلط فہمی ہوئی ہے، اس کی تردید کلیتہً ہوجائے، معارف کے جس پرچہ مین شائع ہو، اس کی ایک کاپی مجھے ارسال فرمادین،

معارف:- مین پچھلے عریضہ مین عرض کرچکا ہون کہ وہ دلائل میری نظر سے نہین گذرے جو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے نسب کے متعلق کسی نے کچھ لکھے ہین، اور نہ اتنی فرصت ہے کہ ملک کے مختلف گوشون مین جو کوئی نئی بات کہتا پھرے خواہ وہ کتنی ہی بے سند ہو، اس کی تردید اپنے اوپر فرض کرلیجائے، اہل نظر کی نگاہون مین ایسی تحریرین خود وقعت نہین رکھتی ہین، اور نہ اُن کے رد کی ضرورت سمجھی جاتی ہے، اس لئے مجھے آپ اس سے معاف فرمائین،

البتہ آپ کی تشفی کے لئے آپ عرض ہے، کہ حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا نسب نامہ جو معتبر ماخذ میں ہے، اس سے ان کی سیادت واضح ہے، نسب نامہ درج ذیل ہو،

"الشیخ عبدالقادر بن ابی الصالح عبد اللہ بن جنگی دوست بن ابی عبد اللہ بن یحیی بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبد اللہ بن موسیٰ الجوزی بن عبد اللہ المحض بن الحسن المثنی ابن الحسن بن علی بن ابی طالب الجیلانی،

یہ مذکورہ بالا نسب نامہ شذرات الذھب فی اخبار من ذھب" (جلد ۴ ص ۱۹۸) سے نقل کیا گیا ہے، جو اتفاقاً اس عریضہ کی تسوید کے وقت میز پر موجود ہے، اس کی تصدیق متقدم و متاخر دیگر تصنیفات سے بھی کی جا سکتی ہے،

مثلاً یافعی المتوفی ۷۶۸ھ کی مرآۃ الجنان میں بھی یہی نسب نامہ محض بعض ناموں کے جزئی فرق کے ساتھ موجود ہے، حضرت شیخ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے ۵۶۱ھ میں وفات پائی ہے (ابن اثیر حوادث ۵۶۱ھ و دیگر کتب تراجم) یافعی کا زمانہ اُن سے کچھ زیادہ دور نہیں، پھر یافعی سے ایک صدی پہلے شیخ نورالدین شطنوفی کی بہجۃ الاسرار لکھی گئی ہے، اس کا پورا نام بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار فی مناقب السادۃ الاخیار من المشائخ الابرار ہے، اس کا زمانۂ تصنیف ۶۶۳ھ ہے یعنی شیخ عبدالقادر علیہ الرحمہ کی وفات کے سو سال کے اندر یہ کتاب تصنیف پائی ہے، اور اس میں حضرت شیخ عبدالقادر کو سادات اخیار میں شمار کرکے سب سے پہلے انہی کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اس میں ان کا لفظ بہ لفظ وہی نسب نامہ ہے جس کو یافعی نے نقل کیا ہے (کشف الظنون ج ۱ ص ۲۰۴، وحاشیہ مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۵۰)

اسی طرح متاخرین میں شیخ محمد بن یحیی تاذفی حنبلی المتوفی ۹۶۳ھ نے اپنی قلائد الجواہر

مین اور شیخ عبد الوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ نے اپنی الطبقات الکبری مین شیخ کا یہی نسب آ
قبول کیا ہے، جس کا سلسلہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم پر تمام ہوتا ہے، (حاشیہ
مرآۃ الجنان ج ۳ ص ۳۵۰، و الطبقات الکبری ج ا ص ۱۰۸)

اس طرح اگر استقصاء سے دیکھا جائے تو شیخ عبد القادر علیہ الرحمہ کی وفات جس صدی مین ہوئی، اس کے بعد سے ہر صدی کی مشہور و مستند کتب تذکرہ و تاریخ مین انہین سادات مین شمار کیا گیا ہے، اور جزئی نامون کے فرق کے ساتھ وہی نسب نامہ نقل ہوتا آرہا ہے، جو ساتوین صدی کی تصنیف مین بھی موجود ہے، اس لئے متقدمین و متاخرین کے ان بیانون کا رد نہین کیا جاسکتا، عقلی قیاس آرائیان تاریخی حقائق کو بدل نہین سکتین،

یہ صحیح ہے کہ بعض شاذ روایتین ایسی بھی ہین، جن مین حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمہ کی سیادت سے انکار کیا گیا ہے، لیکن یہ خیال شریف مین رہے، کہ اس خانوادہ کو نسبی سیادت کے ساتھ ایک قسم کی مذہبی و روحانی سیادت کا شرف بھی حاصل ہوگیا تھا، اور اس زمانہ مین متصوفین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو چکا تھا جس نے تصوف کو اپنی دنیا طلبی کا ذریعہ و وسیلہ بنا لیا تھا، اس لئے اگر معاصرانہ چشمک سے کسی نے اس خانوادہ کی سیادت پر طعن کیا ہو تو وہ اعتناء کے لائق نہین، ان معترضین نے حضرت شیخ کے نسب نامہ مین جنگی دوست کے نام کے موجود ہونے سے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہا ہے، کہ یہ عجمی نام ہے لیکن یہ عجیب قسم کا اعتراض ہے، عربون کے جو خانوادے عجم مین آکر رہ گئے ہیں، اگر ان کے جدید وطن کے اثر سے ان کے خاندان کے کسی نام مین عجمیت آگئی ہو، تو یہ کونسی ایسی بات ہے کہ اس کی بنیاد پر ان کے عرب ہونے سے انکار کر دیا جائے، آپ کو ایسے بیسیون خانوادون کے شجرے مل سکتے ہین، جو عرب سے نکلے، اور ان کے نامون مین عجمیت کا اثر آگیا،

پھر یہ بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر علیہ الرحمۃ کے شجرہ نسب مین "جنگی دوست"

نام جو آیا ہے وہ بظاہر نام ہونے کے بجائے لقب یا عرف معلوم ہوتا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شذرات الذہب اور مراۃ الخیال کے نسب ناموں میں ناموں کے بعض جزئی فرق پائے جاتے ہیں ان میں سے ایک شذرات الذہب میں اسی نام جنگی دوست" کا اضافہ بھی ہے، یہ اضافہ نہ یافعی کی مراۃ الجنان میں ہے اور نہ بہجۃ الاسرار میں نہ قلائد الجواہر میں ہے، اور نہ شعرانی کی طبقات میں اس کا ذکر آیا ہے، اس لئے یہ خیال ہوسکتا ہے کہ جنگی دولت" کوئی مستقل نام ہونے کے بجائے، شیخ ابو صالح یا ابو عبداللہ کا لقب ہو، جس کو بعض مورخین نے ایک مستقل نام تصور کرلیا، اور اس کی بنیاد پر حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی سیادت و غیر سیادت کی بحث چھڑ گئی، اور پھر بعض شیعہ اہل قلم کو موقع ملا، انھوں نے اس کو غیر معمولی طور پر اچھالا، ورنہ درحقیقت یہ ساری بحثیں لغو ہیں، کہ دراصل یہ موضوع ہی سرے سے ایسا نہ تھا کہ اس کی تحقیق واثبات پر ہم اور آپ وقت صرف کرتے، اگر محض آپکے بار بار کے اصرار کے باعث یہ چند سطریں لکھنی پڑیں، بہرحال آپکے ارشاد گرامی کی تعمیل ہو جائے گی، اور پچھلے اور اس عریضہ کو ملا کر زیر ترتیب معارف میں چھپنے کو دیدیا جائے گا،

والسلام

"س"

علامہ مرتضیٰ زبیدی

مولوی ابوالقاسم صاحب فاروقی حنفی

بحری آباد ضلع غازی پور

علامہ مرتضیٰ زبیدی بلگرامی کے مکمل حالات وسنہ ولادت و وفات مع اسامی تصانیف مطبوعہ وغیر مطبوعہ مطلوب ہیں، و نیز یہ کہ کیا علامہ موصوف کے دو نام ہیں، محمد مرتضیٰ و عبدالرزاق ؟ اور کیا علامہ موصوف شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے شاگرد ہیں ؟ اگر ہیں تو

بثبوت مین تاریخ وسیر کی کوئی عبارت پیش کی جاسکتی ہے جو اُن کے شاگرد ہونے کے لئے
نص قاطع کا حکم رکھتی ہو، و نیز موصوف کے مفصل و مبسوط حالات کن کن کتابون مین ملین گے
امید ہے کہ خدمتِ علم کے پیشِ نظر اوقاتِ گرامی کا کچھ حصہ اس پر صرف فرماکر شاکر ہونیکا
موقع عنایت فرمائین گے، فقط والسلام

معارف:۔ آپ کی یاد دہانی بار بار ملتی گئی آپکے استفسارون مین جو دوسرا سوال باقی
رہ گیا تھا، اس کا مدت کے بعد جواب دے رہا ہون، علامہ مرتضیٰ زبیدی کے مختصر سوانح و سنین، اور
مؤلفات کا حال درج ذیل ہے :۔

مرتضیٰ زبیدی کے نام سے شہرت حاصل ہوئی، پورا نام و نسب شیخ ابوالفیض سید محمد بن محمد
بن عبد الرزاق ہے، ان کا خاندان واسط سے ہندوستان مین آیا، اور بلگرام مین سکونت اختیار کی،
ان کی پیدائش بلگرام مین ۱۱۴۵ھ مین ہوئی، وہین نشو ونما پائی، اور علمائے وقت سے علوم کی تحصیل
کی، اُن کے شیوخ مین شیخ محمد فاخر الہ آبادی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی علیہ الرحمہ کے نام
آتے ہین، انھون نے اپنے شیوخ کا معجم بھی لکھا تھا، ان کی تعداد تین سو سے متجاوز ہے، اس معجم مین حضرت
شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کا اسم گرامی بھی موجود ہے، اس لئے اس نسبت مین کسی شبہہ کی گنجائش
نہین، اور نہ مزید تحقیق کی ضرورت ہے،

وہ ہندوستان سے یمن تشریف لے گئے، اور مقام زبید مین مدتون مقیم رہے، اس نسبت سے
زبیدی کہے گئے، حج کی سعادت بار بار حاصل کی، اس سلسلہ مین مکہ معظمہ مین مصر کے شیخ وقت سید عبدالرحمن
عبدروس سے شرف نیاز حاصل ہوا، اور ان کے حلقہ ارادت مین داخل ہوگئے، پھر اس تعلق سے ۱۱۶۷ھ
مین مصر وارد ہوئے، اور مصر کو اپنا مرکز رکھکر مختلف دیار و امصار مین گئے، اور وہان کے شیوخ سے علم
حدیث اور دوسرے فنون کی مزید تحصیل کی، پھر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف مین زندگی گذاردی

ا شعبان ۱۲۰۵ھ میں مصر میں طاعون میں مبتلا ہو کر وفات پائی، اور مشہد سیدہ رقیہ میں دفن کئے گئ
بز تصنیفات کے کوئی نسلی اولاد ان کی یادگار نہ تھی،

ان کی تصنیفات میں زیادہ شہرت قاموس کی شرح تاج العروس کو حاصل ہوئی، یہ دس ضخیم
بلدون میں ہے اور ۱۴ سال میں تصنیف پائی تھی، اس کی تصنیف ۱۱۸۱ھ میں اختتام کو پہونچی،
س کی خوشی میں علمی جشن منایا اس تصنیف سے عالم اسلامی میں ان کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی اور ان کے
لم وفضل کا چرچا دور دور پھیلا، اُن کے علم وفضل کے سلاطین قدر دان تھے، حجاز، ہندوستان میں تمام
راق، مغرب اقصیٰ، ترکی، سوڈان اور الجزائر کے سلاطین نے ان کی قدر افزائی کی،

ان کی تصنیفات کی مجموعی تعداد تقریبًا ایک سو ہے، ان میں کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ ہیں
طبوعہ کتابیں حسب ذیل ہیں :-

۱- **تاج العروس** کا پہلا نسخہ ۱۲۸۶ھ میں مطبع الوہبیہ مصر میں چھپا، مگر مکمل نہ ہو سکا،
رف پانچ جلدیں چھپ کر رہ گئیں، دوسری مرتبہ ۱۳۰۷ھ مطبعہ خیریہ مصر نے اس کو دس جلدوں میں
ائع کیا، اس کے آخر میں مصنف کے مختصر سوانح حیات بھی درج ہیں جن میں اُن کے علمی خدمات کا
ر بھی آیا، اور بیشتر تصنیفات کے نام لکھے ہیں،

۲- **اتحاف السادۃ المتقین**، یہ امام غزالی کی احیاء العلوم کی شرح ہے، احیاء العلوم پر
لامہ مرتضیٰ زبیدی کے بعض ہمعصروں نے کچھ اعتراضات کئے تھے، اس میں اُن کے جوابات دیئے گئے
ن، یہ کتاب پہلے ۱۳۰۲ھ میں فاس سے ۱۳ جزووں میں اور ۱۳۱۱ھ ہجری میں مطبعہ المیمنہ سے ۱۰ اجزاء
ن چھپی ہے،

۳- **بلغۃ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب**، مطبع مصر ۱۳۲۶ھ

۴- **تنبیہ العارف البصیر علی اسرار الحزب الکبیر**، یہ شیخ ابو الحسن شاذلی کی

کی شرح ہے ۱۳۲۳ھ مین مطبعہ سعادۃ سے شائع ہوئی،

۵۔ عقد الجواہر المنیفہ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفہ طبع اسکندریہ ۱۲۹۲ھ

۶۔ نشوۃ الارتیاح فی بیان حقیقۃ المیسر و القداح طبع لیدن ۱۳۰۳ھ

ان کتابون کا ذکر معجم المطبوعات مین بھی آیا ہے، (ج ۲ ص ۹۵۲) ان کی حسب ذیل غیر مطبوعہ کتابین کتب خانہ مصر مین موجود ہین:۔ (۷) مختصر العینی (۸) اسانید الکتب الستۃ الصحاح (۹) کشف اللثام عن آداب الایمان والاسلام (۱۰) رفع الشکوی و ترویح القلوب فی ذکر ملوک بنی ایوب (۱۱) معجم الشیوخ (۱۲) الفیۃ السند۔ (الاعلام جلد ۳ ص ۹۰۲) "س"

سیرۃ عائشہؓ

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالاتِ زندگی اور ان کے مناقب و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے، اور اُن کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات،

قیمت ہے ضخامت ۴۲۹ صفحے، (طبع سوم باضافہ حواشی)

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ

حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے،

قیمت:۔ عہ (جدید ایڈیشن)

"منیجر"

وفیات

حکیم حبیب الرحمن مرحوم ڈھاکہ

ڈھاکہ کے متعدد دوستون کے خطوط سے یہ معلوم کرکے بڑا افسوس ہوا کہ بنگال کے جادونگار ادیب اور نادرۂ روزگار طبیب شفاء الملک حکیم حبیب الرحمن نے یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ کی شب مین ضغطۂ دم (بلڈ پریشر) کی بیماری مین سہ قمری سے اڑسٹھ اور شمسی سے چھیاسٹھ برس کی عمر مین دفعۃً وفات پائی، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی اپنے والا نامہ مین لکھتے ہین،

"آپ کو وفیات لکھنے مین ملکہ ہے، ایک اور وفات نامہ معارف مین لکھ دیجئے، آپکے اور میرے مخلص دوست حکیم حبیب الرحمن صاحب کا یکم ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۴۷ء کی شب مین دفعۃً بلڈ پریشر بڑھ جانے سے انتقال ہوگیا، إنا لله،

مرحوم حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی صرف ونحو کے شاگرد اور بڑے عاشق تھے، علامہ شبلی کے دوستون مین تھے، مسلم لیگ کی جب بنیاد ۱۹۰۶ء مین ڈھاکہ مین رکھی گئی اور نواب سر سلیم اللہ خان اس کے صدر ہوے تو مرحوم جوائنٹ سکریٹری ہوے تھے، علم طب حکیم عبد المجید خان صاحب سے حاصل کیا، اور اس مین کمال کا درجہ پایا، بنگال مین اس وقت ان کے درجہ کا کوئی طبیب نہین سُنا گیا، ڈھاکہ مین طبیہ کالج قائم کیا اور بڑی ہمت سے اس کو چلاتے رہے، گورنمنٹ نے شفاء الملک کا خطاب دیا، جس کو

(لیگ کی تحریک کی بنا پر) ستمبر مین واپس کر دیا،

اُن کے اس کالج سے بہت سے اطبا پیدا ہوے، اور اب بھی سلسلۂ درس جاری ہے، اور

خدا کرے برابر جاری رہے،

مولانا شبلی مرحوم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے سلسلہ مین ۱۹۰۶ء مین ڈھاکہ تشریف

لے گئے تھے، وہان سے وہ دو دوستون کے نام ہم لوگون کے لئے تحفہ مین اپنے ساتھ لائے، ایک کا نام مرزا

فقیر محمد صاحب اور دوسرے کا حکیم حبیب الرحمٰن، مولانا مرحوم کے بعد ان دونون کی دوستی و محبت کا سلسلہ

اس حقیر راقم الحروف کی طرف منتقل ہوا، مرزا صاحب کا مدتون سے پتہ نہین، خدا جانے وہ جیتے بھی ہین یا

نہین، حکیم صاحب مرحوم نے اخیر تک دوستی نباہی، اُن کے اخلاق کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جن دوستون سے

ان کی دوستی رہی، اس کو وہ اخیر تک بکمال احتیاط و اہتمام نباہتے رہے،

خط و کتابت کی معرفت تو مولانا شبلی مرحوم کے عہد سے شروع ہو چکی تھی، مگر ملاقات جسمانی کی نوبت

۱۹۳۰ء کے آل انڈیا اورنٹیل کانفرنس کے سالانہ اجلاس کے موقع پر پٹنہ مین آئی، اس کے بعد بارہا وہ ڈھاکہ

بلاتے اور اس کے لئے ڈھاکہ یونیورسٹی کے تعلق سے نئی نئی تقریبیں پیدا کرتے رہے، مگر جانا اور ملنا نصیب نہ ہوا،

مرحوم نسباً فاروقی اور وطناً باغستانی علاقہ یوسف زئی کے باشندہ تھے، ان کے والد اخوند محمد شاہ صاحب

مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردون مین تھے، لکھنؤ سے ڈھاکہ اپنے ماموں محمد نعمان صاحب

مرحوم کے یہان آئے، اور یہین شادی کرکے بس گئے، اور اس تقریب سے سرحد ہند کی یہ دولت بنگال

کی قسمت مین آئی،

حکیم صاحب مرحوم کی تعلیم جیسا کہ حسن معصومی صاحب (لکچرر فلسفۂ اسلام ڈھاکہ یونیورسٹی) نے مجھے

لکھا ہے، آگرہ اور بہار مین ہوئی، مگر جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے ڈھاکہ سے لکھا ہے، کہ ان کی تعلیم کا

بڑا زمانہ کانپور مین گذرا، کچھ درسیات اپنے والد سے حاصل کئے، ابتدائی صرف و نحو کے کچھ اسباق جیسا کہ پہلے گذرا

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ سے پڑھے، جب حضرت والا رحمۃ اللہ کانپور میں درس دے رہے تھے، جس کا خاتمہ ۱۳۱۵ھ میں ہوا، اور زیادہ تر تعلیم مولانا محمد اسحاق صاحب بردوانی سے حاصل کی، معقول مولانا احمد حسن صاحب کانپوری، اور مولانا عبد الوہاب صاحب بہاری سے پڑھی، جب وہ کانپور میں درس دیتے تھے، حدیث مولانا مفتی لطف اللہ صاحب علی گڈھی، اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ایک شاگرد سے حاصل کی، اور اجازت لی، طب حکیم عبد المجید خان صاحب دہلوی المتوفی ۱۹۱۱ء سے پڑھی، اور اس میں کمال کا درجہ حاصل کیا، ۱۹۰۳ء میں وہ تعلیم سے فارغ ہو کر ڈھاکہ گئے، اور ایک طبیب کی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کی، مرحوم کی تعلیم تمام تر پرانے طرز کی ہوئی تھی، مگر فطرت کے خزانہ سے وہ ایک ذہین و لطیف دماغ اپنے ساتھ لائے تھے، اپنے اسی فطری ذوق کی مدد سے تاریخ و ادب کی کتابیں پڑھتے تھے، اور طب کے بعد جن فنون سے ان کو ذوق رہا وہ بھی تاریخ و ادب تھے، اسی سلسلہ سے وہ مولانا شبلی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، چنانچہ ۱۹۰۶ء اُن کی زندگی کے لئے بڑی اہمیت کا سال ہے، اسی سال مولانا شبلی سے ملاقات ہوئی، باتوں باتوں میں انھوں نے مولانا شبلی کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ حاجی خلیفہ کی کشف الظنون کی طرح ہندوستان کے ہر صوبہ کی تصنیفات پر ایک محققانہ کتاب لکھی جائے، مولانا نے اُن کے اس خیال کی تحسین کی، اور بنگال کا حصہ اُن کے سپرد کیا، حکیم صاحب مرحوم کے اکثر خطوں میں اُن کی اس تصنیف کے تذکرے ہوا کرتے تھے، بنگال سے متعلق "ثلاثہ غسالہ" کے نام سے ایک کتاب اور اُن کے زیر قلم تھی، "ثلاثہ غسالہ" کا نام انھوں نے حافظ شیراز کی اُس غزل سے لیا تھا، جس کو حافظ نے سلطان بنگالہ کے نام لکھکر بھیجا تھا،

زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

اسی غزل کا ایک ٹکڑا ہے "ثلاثہ غسالہ می رود"، الفاروق اور حیات سقراط ان کی طالب علمی کے رسالے ہیں، اُن کی دوسری تصنیفات کے نام مساجد ڈھاکہ، ڈھاکہ اب سے پچاس برس پہلے

شعرائے ڈھاکہ وغیرہ ہین، آخری تصنیف آسودگان ڈھاکہ ہے، جو ابھی ۱۹۴۶ء کے اخیر مین چھپ کر شائع ہوئی، جس مین بزرگان ڈھاکہ کے مزارات کی تحقیق، اور تذکرے ہین، اس کے بعد آسودگان ڈھاکہ کا مصنف خود ڈھاکہ کی خاک مین آسودہ ہوگیا،

اُن کی ادبی تاریخ کا آغاز بھی ۱۹۰۶ء سے ہوتا ہے، اس سال انھون نے ڈھاکہ سے المشرق کے نام سے ہفتہ وار رسالہ نکالا، پھر جادو کے نام سے ایک اور ادبی و علمی رسالہ جاری کیا، معارف کے ابتدائی پرچون مین بھی اُن کے بعض مضامین چھپے ہین،

مرحوم کے قلم مین بڑی لطافت تھی، محمد حسین آزاد کی نقالی کسی سے نہ ہوسکی، لیکن تھوڑی بہت اگر کسی سے ہوئی، تو عجیب بات ہے کہ وہ بنگال ہی کے جادوگران ادب سے ہوسکی، ان مین پہلا نام نواب نصیر حسین خان خیال (کلکتہ) کا اور دوسرا حکیم حبیب الرحمٰن (ڈھاکہ) کا ہے، افسوس ہے کہ ان کی طبی مصروفیتون نے اُن کے ادبی کارنامون کو اُبھرنے کا موقع نہین دیا، اور اُن کی یہ قوت انشا پردازی پوری طرح ظاہر نہ ہوسکی،

ان کو اردو ادب اور بنگال کی تاریخ سے خاص ذوق تھا، اور تاریخ کے تعلق سے قدیم سکون کے جمع کرنے کا شوق تھا، چنانچہ اُن کے جمع کردہ سکون کا پہلا مجموعہ اس وقت ڈھاکہ کے عجائب خانہ آثار قدیمہ مین ہے، جس کا تاریخوار کیٹلاگ بھی چھپ کر شائع ہوچکا ہے، اس کے بعد جو سرمایہ ان کے پاس جمع ہوا، اس کو دار المصنفین کے نام منتقل کرنے کا بارہا ارادہ انھون نے کیا، مگر یہ ارادہ پورا نہ ہوا،

مرحوم طبیب اور حاذق طبیب تھے، قیافہ اور نبا ضی مین کمال رکھتے تھے، صورت دیکھکر اور صرف حال سن کر مرض بتا دیتے تھے، حضرت حکیم الامت کی علالت کا حال مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی سے سن کر مرض کی تشخیص کی، اور دوا تجویز کی، جب تھانہ بھون سے خطرناک حالت کی اطلاع آئی، تو کہا کہ اب دوا بیکار ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وقت آخر آپہنچا، اور آخر جیسا انھون نے کہا ویسا ہی ہوا،

مرحوم کی حذاقت کا ایک واقعہ مجھ سے متعلق ہے کئی سال کی بات ہے میں نے ریڈیو پر ایک تقریر کی، مرحوم نے ڈھاکہ سے لکھا، میں نے ریڈیو پر آپ کی آواز سنی جو آپکے ضعف قلب کا اعلان کر رہی تھی اس کی جلد خبر لیں، چنانچہ چند ہی روز کے بعد مجھے اسی قسم کے ایک سخت مرض کا سانحہ پیش آیا جس سے اللہ تعالیٰ نے جانبری فرمائی،

مگر آہ! وہ مسیحا نفس جو دوسروں کو موت کے پنجہ سے چھڑایا کرتا تھا، آخر وہ دن بھی آیا جب خود اس کے پنجہ میں گرفتار ہوا، مرحوم کو کئی مہینوں سے اپنے اس آنے والے حادثہ کا خیال تھا، جنوری ۱۹۴۷ء میں بعض دوستوں سے کہہ چکے تھے، کہ میں جب جاؤں گا، دفعۃً جاؤں گا، جس دن حادثہ پیش آیا، متعدد مریضوں کو جاکر دیکھا، مغرب بعد نشستگاہ میں بیٹھ کر دوستوں سے باتیں کیں، ہنستے بھی رہے، ہنسانے بھی رہے، اور اسی سلسلہ میں فرمایا، کہ آج مولانا عثمانی ڈھاکہ میں نہیں، اس کی فکر ہے، ان کو اپنی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا، کہ کوچ کی منزل قریب ہے، اس لئے کچھ وصیتیں بھی کر چکے تھے، جن میں ایک یہ تھی کہ میری نماز مولانا ظفر احمد تھانوی پڑھائیں، اور اگر وہ نہ ہوں تو پیرجی عبدالوہاب مہتمم مدرسہ اشرف العلوم پڑھائیں، چنانچہ تقدیر یہی تھی، کہ مولانا عثمانی اس دن کہیں باہر تھے، تین بجے شب کو قلب کا دورہ پڑا، ڈاکٹر کے لئے آدمی گیا، جیسے ہی اس نے چوکھٹ پر قدم رکھا ہے، مسافر عالم بالا کے سفر پر روانہ ہوگیا، آناً فاناً خبر شہر میں پھیل گئی، صبح کو تجہیز و تکفین عمل میں آئی، جنازہ میں اتنا مجمع تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ڈھاکہ میں شاید ہی کسی کے جنازہ میں ایسا مجمع ہوا ہو، حسب وصیت پیرجی عبدالوہاب نے نماز پڑھائی، جو لال باغ کی شاہی مسجد میں ہوئی، اور ڈھاکہ کے ایک بزرگ کے احاطۂ مزار میں سپرد خاک کئے گئے،

مرحوم کے سانحۂ وفات پر شہر میں کہرام ہے، عام و خاص سب ہی متاثر ہیں، اہل قلم طبقہ پر مرحوم کی وفات کا جو اثر ہوا، وہ ان دو عربی مرثیوں سے ظاہر ہے جو ڈھاکہ کے دو بزرگوں نے لکھکر بھیجے ہیں،

حبیبی! دوستوں نے تمھارے لئے مرثیے لکھے، احباب نے تمھارے فراق میں آہ جگر سوز کھینچی،

جاننے والوں نے تمھارے اوصاف گنائے، ماننے والوں نے تمھارے احسانات یاد کئے، اگر تم اوس دنیا مین ہو، جہان اس دنیا کی مدح و ستایش کی حکایتین نہین پہنچتین، مغفرت کی دعائین، تمھارے لئے ہین، غفور رحیم اُن کو قبول فرمائے،

"س"

مرثیہ

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی

یا عین جودی بدمع غیر منجمد — علی الحبیب وقد واروہ فی اللحد

قد اخذ واحکمۃ فہما وتجربۃ — بکل عرض من الاسقام فی الجسد

فی الحذق واعون اهل العصر قاطبۃ — قد الحد والیوم حقا زینۃ البلد

ما کان احسنہ خلقا ومکرمۃ — وکان یبذل للموجود بذات ید

ما کان احسنہ رایا ومشورۃ — وکان منطقہ احلی من الشہد

ما کان الزمہ للعلم نابغۃ — للقوم والملۃ البیضاء کالعضد

کان الحبیب الی قلبی وصورتہ — تجول فی العین عند النوم والسہد

من کان یدعی شفاء الملک لم یجدا — لہ شفاء فواحرا فی کبدی

یارب فاغفرلہ وارزقہ منزلۃ — کریمۃ عجبا فی عیشۃ رغد

یارب نورلہ فی قبرہ ابداً — واجعلہ فی خیر من یہدی الی الرشد

حبیب رحمان مغفورلہ کرماً

۱۳۰۴ھ

یزداد حقاً علیہ آخر الابد

۱۳۰۰ھ

مرثیہ (۲)

از مولانا محفوظ الکریم صاحب ممتاز المحدثین ڈھاکہ

(فقید داکہ)

أتروق (داکة) بعد فقد حبیبها
او تستفی البنغال بعد طبیبها

طفئت منائر علمها و ذکائها
وخبت معارفها لفقد لبیبها

جاءت جمین بنعیه فاغرورقت
مقل تمج دمائها بشکیبها

الطب أجهش بالبکاء تیتما،
والعبقریة نحبها لنجیبها

اما الخطوب فابهجت بسرورها
ظفرت باوفر حظها ونصیبها

ذهب الفقید وبعد یتکر الدجی
کالشمس یجوالیل بعد مغیبها

ذهب الفقید و فقید کل معارف
ومفاخر وذوی رواء خصیبها

وضعوہ فی رمس وتمرح روحه
عند الملائك فی جمال قشیبها

الله انزله محل کرامته،

تسقیه رحمة بجود صبیبها،

حیاتِ شبلی

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات اور علمی و عملی کارنامے، صفحات ۸۴۶

قیمت مجلد ہیر، غیر مجلد سے ر

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

مکالماتِ افلاطون مترجمہ جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب شائع کردہ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، حجم ۵۰۴ صفحے قیمت للعہ

افلاطون کی معیاری تصنیفات میں سے "ریاست" کے بعد اس کی یہ دوسری تصنیف ایک ذمہ دار و کہنہ مشق مترجم کے قلم سے اردو زبان میں منتقل ہوئی ہے، اس میں افلاطون کے آٹھ مکالمے ہیں جن میں بیشتر سقراط کی زبان سے ادا کئے گئے ہیں، ترجمہ کی زبان سلیس، روان اور بے ساختہ ہے، مترجم نے اپنے مقدمہ مین ان مکالمات کے ادبی و فلسفیانہ خصوصیات کو دکھایا ہے۔ مکالمات نہایت لطیف اور خوشگوار مباحث پر ہیں، انھیں معیاری ڈرامہ سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے، مباحث مین خیالات کی فراوانی تازگی اور شگفتگی پائی جاتی ہے، اس کتاب سے اردو کی معیاری کتابون مین ایک مفید اضافہ ہوا ہے،

محسن کتابین مرتبہ مولانا محمد عمران خان صاحب ندوی، ناشر مکتبہ جمعیۃ التعاون دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، حجم ۲۰۰ صفحے، تقطیع $\frac{20\times30}{26}$ قیمت مجلد عہ غیر مجلد عار

رسالہ الندوہ کے جدید دور مین ایک مستقل عنوان "ہماری محسن کتابین" قائم کیا گیا تھا، اور ملک کے مشہور اہلِ علم و اربابِ قلم کو ان کتابون پر لکھنے کی دعوت دی گئی تھی جن کے مطالعہ سے انھون نے اپنے علمی و ادبی اور عملی زندگی مین کوئی مستقل اثر قبول کیا ہو، چنانچہ اس موضوع پر مختلف اربابِ علم وقتاً فوقتاً اپنے ذاتی تجربے اور تاثرات قلبند کرتے گئے، اور وہ الندوہ مین شائع ہوتے رہے، لائق مرتب نے ان مضامین کو زیر تبصرہ مجموعہ مین ترتیب دیدیا ہے، یہ مجموعہ خصوصاً نوجوانون کے لئے بیحد مفید ہوگا کہ وہ اپنے پیشروون

کے تجربات سے فائدہ اٹھاسکین، اوران آزمودہ کتابون کے مطالعہ سے اپنے علمی استعداد کے بڑھانے اور اپنے علمی ذوق کے بنانے مین کام لے سکین، امید ہے کہ اس مجموعہ سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

چند ہمعصر، از مولوی عبد الحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی، حجم ۲۰۰ صفحے، قیمت:- عہ، پتہ:- دفتر انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی،

مولوی صاحب کی یہ کتاب مقبول عام ہوچکی ہے، اس مین حضرت مینائی جسٹس سید محمود، پروفیسر مرزا حیرت، مولوی عزیز مرزا، مولوی سید علی بلگرامی، مولوی حمید الدین سلیم، اور خواجہ غلام الثقلین وغیرہ کی زندگی کے ایسے حالات قلمبند ہوگئے ہین، جو کسی دوسری جگہ نہین ملتے، دوسری طرف خود مصنف کے نصف صدی پہلے کے طرز تحریر اور علمی وادبی رجحانات نیز ان مین عہد بعہد کی تبدیلیون کا اندازہ ہوتا ہے، اچھا ہوتا اگر ان مضامین پر نظر ثانی بھی کر لی گئی ہوتی، کہ کم سے کم ارباب تراجم کی علمی خدمات وتصانیف کا تذکرہ مکمل ہوجاتا، کہ نصف صدی کے ان ارباب کمال پر علحدہ سے پھر کون قلم اٹھائیگا نیز وہ جامعیت کہان سے پیدا ہوسکے گی، جو ایک واقف حال ہم نشین کے قلم سے ممکن ہے،

مسلمانون کا حصہ سائنس اور کلچر کی ترقی مین (Muslim contribution to Science and culture.)

از جناب محمد عبد الرحمن خان صاحب حجم ۴۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۸، پتہ:- شیخ محمد اشرف کشمیری بازار، لاہور،

اس مختصر کتابچہ مین سائنس اور دوسرے عقلی علوم مین مسلمانون کے دور ترقی کا جائزہ اختصار کے ساتھ لیا گیا ہے، اور اس سلسلہ مین عباسیون، آل بویہ اور فاطمین وغیرہ کے دور کے علمی کارنامون اور سائنٹفک ترقیون کا ذکر آیا ہے، اور مختلف فنون کے باکمال ماہرین کے خدمات گنائے گئے ہین، اور دکھایا ہے، کہ نئے دور کی علمی ترقیان دراصل اسی اسلامی عہد کی علمی ترقیون کی رہین منت ہین، کہ ان کی

ترقی کی دیوار انہی بنیادوں پر اٹھائی گئی ہے، رسالہ مختصر ہونے کے باوجود پر معلومات مفید اور کارآمد ہے،

تجدید خوشنویسی، از جناب محمد عبد الرحمن صاحب فیضی حجم ۹۶ صفحے، قیمت ۸ ؍، پتہ :-

عادل برادرس نمبر ۱۷۴، اودیو روڈ، بنگلور سٹی،

منشی محمد عبد الرحمن صاحب فیضی فن خطاطی کی خدمت کا جذبہ رکھتے ہیں، زیر تبصرہ رسالہ انھوں نے خوشنویسی کی تعلیم کے لئے لکھا ہے، رسالہ کے شروع میں فن کتابت کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے، اس کے بعد فن خوشنویسی کو ترقی دینے کی کوششوں کے سلسلہ کی بعض تقریروں اور اعلانوں کو یکجا کیا گیا ہے، ۲۵ ویں صفحہ سے اصل رسالہ شروع ہوتا ہے، ابتدا میں فن خوشنویسی کے بنیادی معلومات درج کئے ہیں، پھر ابجد کی تقطیع سے وصلی نویسی تک درجہ بدرجہ کی تقطیع کے نمونے درج ہیں، رسالہ میں بعض سیاسی مسائل پر غیر متعلق اور غیر ضروری بحثیں بھی کی گئی ہیں، امید ہے کہ رسالہ خصوصاً صوبہ مدراس کے نومشق خوشنویسوں کے لئے کارآمد ہوگا،

رسالہ ہمایوں کا سلور جوبلی نمبر، مرتبہ جناب میاں بشیر احمد صاحب بی اے و جناب یوسف ظفر صاحب بی اے، حجم ۲۰۳ صفحے کاغذ اچھا، لکھائی چھپائی بہتر، صورت خوشنما، قیمت :- ۸ ؍، پتہ :-

دفتر ہمایوں، نمبر ۳۳، لارنس روڈ، لاہور،

رسالہ ہمایوں کو اردو کے ادبی رسالوں کے سرتاج ہونے کا فخر حاصل ہے، اوس نے اپنی متین اور یکساں سنجیدہ روش کے ساتھ اپنی زندگی کے پچیس سال پورے کرلئے، اس چوتھائی صدی میں اس کے ہاتھوں بڑی میانہ روی سے اردو کی بیش قیمت خدمتیں انجام پائی ہیں، اس نے اپنی پچیس سالہ زندگی کو کامیابی سے طے کرنیکی خوشی میں اپنی سلور جوبلی منائی ہے، اور اپنے قدردانوں کو سلور جوبلی نمبر کا تحفہ پیش کیا ہے جس میں ملک کے ممتاز ادیبوں نے اپنی قلمی اعانت سے حصہ لیا ہے، ہم عزیز معاصر کی خوشی میں شریک ہوتے ہیں، اور اس کے جوبلی نمبر کا خیر مقدم کرتے ہیں، امید ہے کہ یہ نمبر قدردانوں کے حلقہ میں ہاتھوں ہاتھ لیا جائیگا، " ر "

جلد ۵۹ ماہ رجب المرجب ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ جون ۱۹۴۷ء عدد ۶

مقالات

استفسار و جواب

ادبیات

وفیات

شذرات

جون کا مہینہ ہندوستان کی تاریخ مین یادگار رہے گا، کہ برسون کی کشمکش کے بعد یہان کی سیاسی جماعتون کے رہنماؤن نے ایک بات پر خوشی یا ناخوشی سے اپنے اتفاق کا اعلان کیا، توقع ہے کہ ملک مین خونریزیون، اور سفاکیون کا جو سلسلہ قائم تھا، وہ اس نئی سیاسی کروٹ سے تھم جائے گا، خدا کرے کہ ملک کو حقیقی امن و امان نصیب ہو، اور یہ ملک جو کبھی جنت نشان تھا، اپنے گوشہ گوشہ مین ترقی کی معراج کو پہنچے، اور سب قومون ملتون اور جماعتون کو یکسان فراغ بالی نصیب ہو،

آج کل مسلمانون مین جو ذہنی انقلاب برپا ہے، وہ کوئی چھپی ہوئی بات نہین، یہ حقیقت اب روز روشن کی طرح مسلمانون پر عیان ہوتی جاتی ہو کہ اسلام صرف چند عقیدون کا نام نہین، وہ انسانی حیات کی تمام تر تفسیر ہو اور وہی انسانی زندگی کا وہ آخری نظام ہے جس سے نظام عالم کی اصلاح کی امید قائم کی جا سکتی ہو، لیکن بہرحال ان حقائق کے ساتھ اس سے بھی چشم پوشی نہین کیجا سکتی، کہ اس وقت دنیا کے گوشہ گوشہ مین غیر اللہ کی حکومتین قائم ہین، اور اسی قسم کی حکومتون کے خاکے اس وقت ہندوستان مین بھی تیار کئے جا رہے ہین، یا جلد ہی تیار کئے جائین گے اگر ہم تخیل اور تصور ہی کی دنیا مین رہین، تو پھر ہماری وقتی اور اضطراری ضرورتون کو پورا کرنے کی ممکن عملی صورت کیا ہو سکتی ہو، مستقبل کے کسی خوش آیند تصور پر وقتی ضرورتون سے نگاہ نہین ہٹائی جا سکتی، جس طرح ہم اپنے پختہ عقائد اور حقیقی تصورات کے باوجود حکومتِ وقت کے قوانین کا بھی خاموشی سے اتباع کرتے ہین، اور اضطرارًا تعاون کا ہاتھ بڑھاتے ہین، اسی طرح اگر ہم اپنی اجتماعی ضرورتون کے لئے بھی اضطراری حالات سے مجبور ہو کر کچھ

کر لینا چاہئیں، تو یہ کیون نہ دانشمندی کی بات سمجھی جائے،
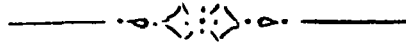
خوشی کی بات ہو کہ معارف مین محکمۂ قضا کے قیام کی تحریک کی جو تجدید کی گئی ہی، وہ ملک کے ممتاز مسلمان ارباب سیاست کی نگاہ مین ہے، ملک کے مختلف حلقون کے بعض ذمہ دار اکابر سے گفتگو کا موقع آیا، وہ وقت کے منتظر ہین، توقع ہو کہ جب اسلامی اکثریت و اقلیت کے صوبون کی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلیون کے روبرو تفصیلی مسائل آئین گے تو اس بحث کو بھی ہاتھ لگایا جائے گا، اور اس کو تشفی بخش طریق سے کسی مناسب راہ پر لاکر طے کیا جائے گا، خدا کرے کہ سیاسی افکار و مشاغل کے ہجوم مین ملت کی یہ اہم ضرورت فراموش نہ ہونے پائے،
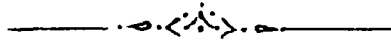
بہرحال مسلمان جس تیزی سے اپنے دینی تصورات کی طرف بڑھ رہے ہین، اس کے اثرات صرف اسلامی ہند تک محدود نہین، دوسرے اسلامی ملکون مین بھی اس کے خوشگوار نتائج سامنے آرہے ہین اور وہان یورپ کی تقلیدِ عام کے پرانے تخیل کی جگہ اسلامی تصورات کی طرف میلان بڑھ رہا ہی، چنانچہ نوجوان ترک جو کبھی سرمستی و سرشاری کے ساتھ یورپ کی تقلیدِ عام کی طرف والہانہ انداز مین بڑھے تھے، اب شاید اسی تیزی سے واپس آنے کی تیاریان کر رہے ہین، ان دنون حکومت ترکی کی مجلس وزراء مین وزیرِ تعلیم کا ایک نیا مسودہ قانون زیرِ غور ہی، توقع ہے کہ وہ گرمی کی تعطیلات سے پہلے مجلس کبیرملی کے سامنے بھی آجائے اس نئے مسودۂ قانون کے مطابق ترکی کے ابتدائی مدارس مین دینی تعلیم شروع کی جائے گی، اور ایسے مخصوص مدرس کھولے جائین گے جن مین اعلیٰ دینی تعلیم کا انتظام کیا جائے گا، اس سلسلہ مین دینیات کے لئے ایک مستقل کالج کے قیام کی تجویز بھی زیرِ غور ہے، ترکون کی یہ "رجعت پسندی" ہمین دل سے محبوب ہے، ہم دلی مسرت سے اس کا پرتپاک خیرمقدم کرتے ہین، دعا ہو کہ اللہ تعالیٰ انھین حسن نیت کے ساتھ راہ صواب پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے،
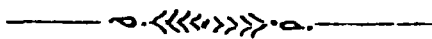
مولانا سید طفیل احمد صاحب منگلوری مرحوم اپنی زندگی بھر علی گڈھ کی تعلیمی تحریک اور مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی سرگرمیون سے وابستہ رہے، خوشی کی بات ہے کہ اسی حلقہ سے مرحوم کے خدمات کے اعتراف کے لئے ایک یادگار قائم کرنے کی اپیل شائع ہوئی ہے جس پر دستخط کرنے والون مین ملک کے دوسرے چالیس ممتاز عمائد کے ساتھ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی ظلہ نے سرفہرست اپنے دستخط ثبت فرمائے ہین، اتفاق سے مسلم یونیورسٹی کے انجینیرنگ کالج کے طلبہ کے لئے دارالاقامہ کی کوئی عمارت موجود نہین ہے، اس تحریک کے بانیون کا خیال ہے کہ مرحوم کی یادگار مین شعبۂ انجینیری کے طلبہ کے لئے دو لاکھ کے سرمایہ سے دارالاقامہ تعمیر کیا جائے، اور اس کے کرایہ کی آمدنی سے انجینیرنگ کالج اور ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کے طلبہ کو قرض حسنہ کی شکل مین وظائف دئیے جائین، امید ہے کہ ملک کے ارباب کرم اس تحریک کو لبیک کہین گے، کہ اس کے ذریعہ ایک طرف ایک مخلص کارکن کے دیرینہ خدمات کی یاد تازہ ہو، اور دوسری طرف ملک کے سب سے بڑے مسلم تعلیمی ادارہ کی ایک ضرورت پوری ہو، اور ٹیکنیکل تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی سہولت کا سامان بہم پہنچے، چندہ کی رقمین سکریٹری اولڈ بوائز ایسوسی ایشن اولڈ بوائز لاج مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ کے پتہ سے ارسال کی جائین،

دارالمصنفین مین تاریخ اسلام و تاریخ ہند کی تدوین کے جو سلسلے جاری ہین، ان مین سے مشرقی حکومتون کی تاریخ مین سے تاریخ بنو عباس کے سلسلہ کی آخری جلد جو عباسی دور کے علمی کارنامون کا مرقع ہے، زیر ترتیب ہے، اور مغربی حکومتون کے سلسلہ مین اندلس کی تاریخ کی تین جلدین تیار ہو چکی ہین، اور آخری جلد جو ہسپان کے ملوک طوائف پر مشتمل ہے، ان دنون زیر ترتیب ہے، امید ہے کہ یہ بھی اس سال پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے، دوسری طرف تاریخ ہند کے سلسلہ کی پہلی جلد جو تاریخ سندھ پر مشتمل ہے ان دنون زیر طبع ہے ڈھائی سو صفحے اب تک چھپ چکے ہین، امید ہے کہ تاریخ سندھ کی اشاعت سے ہندوستان کی تاریخ کے ایسے معلومات سامنے آئین جو اب تک عام مورخین کی نگاہون سے بھی اوجھل رہے ہین،

مقالات

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبد السلام ندوی

(۳)

۷۔ **تخلیق مقاصد**، اثباتِ خودی کا یہ ساتوان مقدمہ ہے، جو لوگ ترکِ دنیا کی تعلیم دیتے ہین ان کے نزدیک تو ان جھگڑون سے نجات کی صورت صرف یہ ہے، کہ خواہشاتِ نفسانی کا خاتمہ کر دیا جائے، شوپنہار کے فلسفہ کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ "دنیا ایک "خراب آباد" یا زندون کی دوزخ ہے، ہر طرف ایک ہلچل مچی ہوئی ہے، ہر چیز اپنی اپنی غرض پوری کرنے کی فکر مین لگی ہوئی ہے، اور ہاتھ پاؤن پھینک رہی ہے، انسان بھی اپنی نفسانیت کا غلام ہے، اس کے اندر بھی طرح طرح کی اندھی خواہشین ہنگامہ برپا کئے ہوئے ہین، زندگی کی بنیاد خود غرضی اور نفسانیت پر ہے، اور پھر ستم ظریفی یہ ہے، کہ باوجود اس دوڑ دھوپ کے، باوجود اس جد وجہد کے ہم اپنی خواہشون مین آخر کار ناکام رہتے ہین، اس لئے ہمارے اندر زندگی کی جو خواہش ہے، اس کو مٹا دینا چاہئے"[1]

بودھ کی تعلیم کا اصل الاصول بھی یہی ہے، کہ انسان ہر خواہش سے پاک ہو جائے، اور ہمارے صوفیہ

---

[1] ماخوذ از شوپنہار مصنفہ مجنون گورکھپوری،

کی تعلیم بھی یہی ہے کہ

از کار جہان تمام انکار خوش است — این کار اگر کنی تو بسیار خوش است

خود را بہ کنار گیر و بگذر زھمہ — در عالم تدبیر ہمین کار خوش است

اس بنا پر وہ دلِ بے مدعا کو خدا کی بڑی نعمت سمجھتے ہین، اور ڈاکٹر صاحب اپنی ایک ابتدائی غزل مین اس سے بھی زیادہ بلند پروازی کرتے ہین ۔ اور دلِ بے مدعا کے حاصل کرنے کی خواہش سے بھی آزادی حاصل کرنا چاہتے ہین :-

ہے طلب بے مدعا ہونے کی بھی اک مدعا

مرغِ دل دامِ تمنا سے رہا کیونکر ہوا

اور اس مین کوئی شبہہ نہین کہ اگر خواہشاتِ نفسانی فنا ہو جائین، تو زندگی بڑی پرسکون اور پرکیف ہوجاتی ہے، اسی بنا پر ایک شاعر کہتا ہے،

ترکِ لذت بھی نہین لذت سے کم

کچھ مزہ اس کا بھی چکھا چاہیئے

خواہشاتِ نفسانی کے پورے ہونے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ نہایت زود فنا اور آنی ہوتی ہے لیکن ترکِ خواہش یا ترکِ لذت سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ نہایت دیرپا بلکہ لازوال ہوتی ہے ۔ انسان کو دنیا کی تکلیفون اور مصیبتون کا احساس نہین ہوتا، خیر و شر اور رنج و الم کا امتیاز اٹھ جاتا ہے، اور زہر بھی تریاق کا مزہ دینے لگتا ہے، تسلیم رضا کا مسئلہ اسی ترکِ خواہش سے پیدا ہوتا ہے، یا تسلیم و رضا سے خواہشین اور آرزوئین، رضاے الٰہی مین فنا ہوجاتی ہین ۔ اس بنا پر جس شخص کی یہ حالت ہوجاتی ہے گویا دنیا کا تمام کاروبار اس کے اشارون پر چلنے لگتا ہے،

سیل و جوہا بر مرادِ او روند — اختران زان سان کہ خواہد شوند

بے مراد او نہ جنبد ہیچ رگ　　در جہان زاوج ثریا تا سمک

اور ڈاکٹر صاحب بھی شخصی طور پر اس پر کیف زندگی سے لذت اندوز ہونا چاہتے ہیں،

این دل کہ مرا دادی لبریز یقین بادا　　این جام جہان بینم روشن ترازین بادا

تلخے کہ فرو ریزد گردون بسفال من　　در کام کہن رندے آنہم شکرین بادا

اسلام نے اپنی جامعیت کی بنا پر اپنی تعلیمات میں سلب و ایجاب کے دونوں پہلوؤں کو جمع کر لیا ہے، اور اس مسئلہ میں بھی اس کی تعلیم کی یہ خصوصیت موجود ہے، خواہشوں کی ایک قسم ایسی ہے جس سے شخصی زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے، اس سے دنیا کی تعمیر نہیں ہوتی، بلکہ تخریب ہوتی ہے اسی قسم کی خواہشوں کا نام "ہویٰ" ہے، اور ہوا و ہوس کی ترکیب اسی لفظ سے پیدا ہوئی ہے، اور اسلام نے اسی قسم کی بُری خواہشوں کے زائل کرنے کی تعلیم دی ہے،

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ،　　اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے؟ جس نے خدا کی رہنمائی کے بغیر اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کی،

اَفَرَاَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ　　اے پیغمبر! کیا تونے اس کو بھی دیکھا؟ جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔

لیکن ان کے علاوہ بہت سی پاکیزہ، مفید اور بلند خواہشیں بھی ہیں، جن سے تہذیب نفس ہوتی ہے، نظام عالم قائم رہتا ہے، اور ان کے ذریعہ سے خودی کو اپنی نشو و نما کے لئے ایک وسیع فضا مل جاتی ہے، اس لئے اسلام نے ان خواہشوں کے پیدا کرنے اور ان کے پورا کرنے کا حکم دیا ہے، حدیث میں ہے،

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَعَالِىَ الْاُمُوْرِ وَ　　بیشک خدا بلند کاموں کو پسند اور حقیر

یبغض سفسافھا کاموں کو ناپسند کرتا ہے،

یہی خواہشیں ہیں جن سے انسان کی خودی کو نشو و نما ہوتی ہے، اس لئے ڈاکٹر صاحب نے ان کے پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے،

زندگانی را بقا از مدعاست کاروانش را درا از مدعاست

زندگی در جستجو پوشیدہ است اصلِ او در آرزو پوشیدہ است

آرزو ہنگامہ آرائے خودی موج بے تابے ز دریائے خودی

آرزو صید مقاصد را کمند دفترِ افعال را شیرازہ بند

زندہ را نفیِ تمنا مردہ کرد شعلہ را نقصانِ سوز افسردہ کرد

نے گرفت از نیستان آئینِ خویش نغمہ زد از لذتِ تعیینِ خویش

اے ز راز زندگی بیگانہ خیز از شرابِ مقصدے مستانہ خیز

مقصدے مثلِ سحر تابندۂ ماسوی را آتشِ سوزندۂ

مقصدے از آسمان بالاترے دلربائے دلستانے دلبرے

باطلِ دیرینہ را غارتگرے فتنہ در جیبے سراپا محشرے

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم از شعاعِ آرزو تابندہ ایم

آرزو را در دلِ خود زندہ دار تا نگردد مشتِ خاکِ تو مزار

یہ صبح کی طرح روشن اور آسمان سے زیادہ بلند مقاصد حقیر خواہشوں کو فنا کر کے انسان کو مستغنی اور بے نیاز کر دیتے ہیں، اس لئے وہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتا،

اے فراہم کردہ از شیران خراج گشتۂ روبہ مزاج از احتیاج

از سوال افلاس گردد خوارتر از گدائی گدیہ گر نادار تر

از سوال آشفتہ اجزاے خودی — بے تجلی نخل سیناے خودی

اے خنک آن تشنہ کاندر آفتاب — مے نخواہد از خضر یک جام آب

چون حباب از غیرتِ مردانہ باش — ہم بہ بحر اندر نگوں پیمانہ باش

لیکن صرف سوال ہی کی تخصیص نہین، بلکہ ہر بداخلاقی سے خودی ضعیف ہوتی ہے، البتہ ڈاکٹر صاحب نے صرف سوال کی تخصیص اس لئے کی ہے، کہ

(۱) وہ اپنی تعلیمات کی تائید جہان تک ممکن ہوتا ہے، اسلامی تعلیمات وروایات سے کرتے ہین، اور حدیثون مین ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ سے جن شرائط پر بیعت لی تھی ان مین ایک شرط یہ تھی،

لا تسئالوا الناس شیئاً — لوگون سے کسی چیز کا سوال نہ کرو،

اور ان بزرگون نے اس شدت سے اس کی پابندی کی کہ اگر راہ مین کوڑا بھی گر جاتا تھا تو کسی سے یہ نہین کہتے تھے کہ اٹھا کر دیدو، اسی روایت کی طرف ڈاکٹر صاحب نے اس شعر مین اشارہ کیا ہے،

خود فرود آ از شترِ مثلِ عمرؓ

الحذر از منتِ غیر الحذر،

(۲) ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سرکاری ملازمت سے خودی ضعیف ہوتی ہے، اور ملازمت حاصل کرنے کے لئے سرکاری دفترون مین جو دریوزہ گری کرنی پڑتی ہے، وہ ظاہر ہے اس لئے وہ اس سے روکتے ہین،

تا کجے دریوزۂ منصب کنی

صورتِ طفلان زنے مرکب کنی

(۳) وہ کسبِ معاش کے دوسرے طریقون کی ترغیب دیتے ہین،

مشت خاکِ خویش را از ہم مپاش مثل مہ رزق خود از پہلو تراش

آنکہ خاشاک بتان از کعبہ رفت مرد کاسب را حبیب اللہ گفت

(۸) صحرائیت و بدویت۔ اثبات خودی کا یہ آٹھواں مقدمہ ہے لیکن اس سے وحشیانہ زندگی مقصود نہیں، بلکہ تمدن وتہذیب کے مضر اثرات سے محفوظ رہ کر خودی کی تربیت مقصود ہے،

وحشت نہ سمجھ اس کو اے مردک میدانی

کہسار کی خلوت ہے تعلیم خود آگاہی

یورپ میں روسو بھی تہذیب و تمدن کا سخت مخالف تھا، اور اس کے نزدیک انسان کی ابتدائی فطری حالت ہی بہتر تھی، ڈاکٹر صاحب بھی بعض معاملات میں اس کے ہم خیال ہیں، چنانچہ ڈاکٹر عبدالرحمان بجنوری مرحوم لکھتے ہیں کہ

"اقبال بعض معاملات میں روسو کے مانند ہے، وہ چاہتا ہے کہ پھر سے عہد نبوی کے شاندار شب و روز آجائیں، اس کے تمام خیالات اسی ایک خواب کی تعبیر ہیں، روسو فطرت کی طرف جانا چاہتا ہے، اقبال دشت حجاز پر مٹا ہوا ہے۔ اس کا دل دکھتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ مسلمان تہذیب حاضرہ کے تصنع اور چمک دمک سے متاثر ہوتے جا رہے ہیں جن میں سطحی اور تعیش کے سوا کچھ نہیں، اسلامی روایات عربی ہیں، اس لئے انھیں اپنے شریفانہ جذبات اور قدرتی فطانت کو برقرار رکھنا چاہئے، یورپ کی نقل کسی طرح سودمند نہیں ہو سکتی، جیسا کہ ایرانی اوضاع و اطوار نے ماضی میں کچھ فائدہ نہیں پہونچایا، غیر ملکی خیالات کا مبالغہ آمیز اور غلامانہ تتبع ہر ایک قوم کے لئے مہلک ثابت ہوا ہے"[1]

ایک دوسرا مضمون نگار لکھتا ہے:-

---

[1] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۱۳۸ - ۱۳۹

"اقبال ہر حال اُسی منزل پر وہی تیرہ سو برس پہلے کا حدی خوان شتربان اور عرب بدوی ہے، وہ اپنے اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لے کر مغرب اور مشرق کے آسمانوں کے نیچے سر بلند گذرنا چاہتا ہے، اور اپنی ملت کو بھی ساتھ لیجانا چاہتا ہے"[1]

ڈاکٹر صاحب نے صحرائیت اور بدویت کی جو تعلیم دی ہے، اوس کے وجوہ حسب ذیل ہیں،

۱- ایک تو یہ کہ مسلمانوں کا اصلی مولد و منشا رہی صحراے عرب ہے، اس لئے ان کو قدرتی طور پر صحرائیت کی طرف مائل ہونا چاہئیے، زبورِ عجم میں انھون نے ابہام و اجمال کے ساتھ اس خیال کو اس طرح ظاہر کیا ہے،

لالۂ صحرا یم از طرفِ خیابانم برید ۔۔۔ در ہواے دشت و کسار و بیابانم برید

رو بہی آموختم از خویش دور افتادم ۔۔۔ چارہ پردازان بآغوشِ نیستانم برید

وہ اپنی غزلون مین عرب کے مشہور معشوقون کا جو نام نہایت دلچسپی سے لیتے ہین' اوس سے اسی عرب و حجاز کے خطہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے، انھون نے یورپ سے شیخ عبد القادر کو جو یہ پیغام دیا تھا،

رختِ جان تبکدۂ چین سے اٹھالین اپنا

سب کو محو رخِ سعدی و سلیمیٰ کر دین

اوس سے یہی عرب و حجاز کا خطہ مقصود تھا، لیکن انھون نے صرف انہی تلمیحات و اشارات پر قناعت نہین کی ہے، بلکہ نہایت وضاحت کے ساتھ بتلا دیا ہے کہ وہ قوم کو صحراے عرب کی سادہ زندگی اور سادہ اخلاق کی دعوت دیتے ہین،

تا شعار مصطفےٰ از دست رفت ۔۔۔ قوم را رمزِ بقا از دست رفت

---

[1] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۱۱۰،

آن نہالِ سر بلند و استوار | سیرتِ صحرائی اشتر سوار
پاے تا در وادی بطحا گرفت | تربیت از حدتِ صحرا گرفت

رخت ہستی از عرب برچیدۂ | در خمستانِ عجم خوابیدۂ
شل ز برفابِ عجم اعضاے او | سرد تر از اشکِ او صہباے او
داستانے گفتم از یارانِ نجد | نکہتے آوردم از بستانِ نجد
محفل از شمع نوا افروختم | قوم را رمزِ حیات آموختم

ان اشعار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ محض مذہبی اور اخلاقی وجوہ سے ان کا میلان عرب کی طرف ہے، کیونکہ عرب کی سادہ صحرائی اور بدویانہ زندگی ہی نے دورِ اول کے مسلمانون مین فاتحانہ اخلاق پیدا کئے تھے، اور دورِ آخر مین عجمی اثرات نے اُن کو تعیش و تہذیب کی طرف مائل کرکے ان اخلاق کو فنا کردیا،

۲۔ صحرائی زندگی بالکل نیچرل اور فطری ہوتی ہے، کسی چیز مین تکلف و تصنع کا شائبہ نہین ہوتا، اس لئے اخلاق، مذہب اور معاشرت سب اپنی اصلی حالت مین قائم رہتے ہین، اور فطرت کا جو منشاء ہے وہ پورا ہوتا رہتا ہے، لیکن مہذب و متمدن زندگی کی مصنوعی لطافت و نزاکت فطری قوتون کو ضعیف کردیتی ہے، اس لئے ایک متمدن انسان مین وہ جوش و ولولہ نہین ہوتا، جو صحرانشینون مین عموماً پایا جاتا ہے،

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی | یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی
دنیا مین محاسب ہے تہذیب فسونگر کا | ہے اس کی فقیری مین سرمایۂ سلطانی
یہ حسن و لطافت کیون؟ وہ قوت و شوکت کیون | بلبل چمنستانی شہباز بیابانی
اے شیخ بہت اچھی مکتب کی فضا لیکن | بنتی ہے بیابان مین فاروقی و سلمانی

اس لئے تہذیب و تمدن کی نازک، لطیف اور رنگین زندگی انسان کی ترقی کو روک دیتی ہے،

تو اے شاہین نشیمن در چمن کردی از ان ترسم

ہوائے او ببال تو دہد پرواز کوتاہے

۳۔ متمدن زندگی بظاہر نہایت مسرور معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت اس کا ماحصل رنج و غم کے سوا اور کچھ نہین ہوتا، چنانچہ آج ہم دیکھتے ہین، کہ مہذب دنیا مین زندگی کی مصیبت اور تکان کا احساس ناقابل برداشت طور پر بڑھا ہوا ہے، لیکن اولاً تو ایک صحرا نشین آدمی مین قوت برداشت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور اس کی خواہشین اور حاجتین بہت کم ہوتی ہین، اس لئے وہ قدرتی طور پر مہذب آدمی سے زیادہ مسرور زندگی بسر کرتا ہے، اور اس کی خودی مین تکان کے بجائے نشاط زیادہ پایا جاتا ہے،

نغمہ پردازی ز جوے کوہسار آموختم

در گلستان بودہ ام یک نالہ دردآلو نے

۴۔ صحرا کی اسی بے سروسامان نشاط انگیز اور خود دار زندگی کا نام ڈاکٹر صاحب کی اصطلاح مین فقر ہے، اور اسی فقر کی بدولت صحرا سے مجدد، رفارمر اور پیغمبر پیدا ہوتے ہین،

ہوتا ہے کوہ و دشت مین پیدا کبھی کبھی

وہ مرد جس کا فقر خزف کو کرے نگین

تعلیم و تربیت علم و عرفان کا حقیقی ذریعہ نہین ہے، بلکہ حقائق کا علم صرف کوہ و بیابان مین ہوتا ہے،

مدرسہ نے تری آنکھون سے چھپایا جن کو

خلوت کوہ و بیابان مین وہ اسرار ہین فاش

اس لئے خودی کی تربیت صرف دشت و بیابان مین ہوتی ہے،

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف
کہ مشتِ خاک میں پیدا ہو آتشِ ہمہ سوز

یہی ہے سرِ کلیمی ہر اک زمانے میں
ہوائے دشت و شعیب و شبانیِ شب و روز

اسی تربیت یافتہ خودی کا نام نبوت ہے، اور اس کا ظہور صرف کوہ و بیابان سے ہوا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر یہ شرف حاصل ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غارِ حرا، اور صحرائے عرب میں،

دران شب ہا خروشِ صبح فرداست
کہ روشن از تجلیہائے سیناست

تن و جان محکم از بادِ در و دشت
طلوعِ امتان از کوہ و صحراست

اس قطعہ میں ڈاکٹر صاحب نے نہایت واضح طور پر بتا دیا ہے، کہ وہ صحرائیت اور بدویت کی ترغیب اس لئے دیتے ہیں کہ اس سے روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی قوت حاصل ہوتی ہے، اور یہی قوت دین و دنیا کی سعادتوں کا سنگِ بنیاد ہے، اور اہلِ عرب نے اسی قوت سے دنیا کو زیر و زبر کر دیا تھا

عرب را حق دلیلِ کاروان کرد
کہ او با فقر خود را امتحان کرد

اگر فقر تہیدستان غیور است
جہانے را تہ و بالا توان کرد

اس مسئلہ پر علامہ ابن خلدون نے جو کچھ لکھا ہے، چونکہ اس سے ڈاکٹر صاحب کے خیالات کی تائید ہوتی ہے، اس لئے ہم اس جگہ اس کے جستہ جستہ مقامات کا خلاصہ درج کرنا مناسب سمجھتے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ "اقالیم معتدلہ میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں کھیتی باڑی نہیں ہوتی، اس لئے وہاں کے باشندے نہایت تنگ دستی کی زندگی بسر کرتے ہیں، مثلاً اہلِ حجاز اور جنوبی یمن کے لوگ ان کو اناج اور سالن میسر نہیں ہوتا، ان کی غذا صرف دودھ اور گوشت ہوتی ہے لیکن باوجود اس فقر و فاقہ کے جسمانی اور اخلاقی حیثیت سے ان کی حالت سرسبز و شاداب مقامات کے خوش گذران لوگوں سے بہتر ہوتی ہے، ان کے رنگ صاف، ان کے جسم پاک، ان کی صورتیں مکمل اور بہتر، ان کے اخلاق بے اعتدا

سے منزہ، اور ان کے ذہن علم و ادراک مین زیادہ تیز ہوتے ہین، اس کی وجہ یہ ہو کہ غذا کی کثرت اور رطوبت جسم مین فضلات ردیہ پیدا کر دیتی ہے، اور اس سے جسم بے ڈول ہو جاتا ہے، اور اخلاط فاسد پیدا ہو جاتے ہین جس سے رنگ میلا ہو جاتا ہے، اور گوشت کی کثرت سے شکل و صورت مین بدنمائی پیدا ہو جاتی ہے، دماغ پر بخاراتِ ردیہ کے چڑھنے سے ذہن و فکر پر پردہ پڑ جاتا ہے جس سے غباوت، بے اعتدالی اور غفلت پیدا ہوتی ہے،

شہری لوگ چونکہ عیش و عشرت مین منہمک رہتے ہین، اور اُن کے جان و مال کی حفاظت پولیس کرتی ہے، اس لئے وہ اپنے قلعہ کی چار دیواری مین غفلت کی نیند سوتے ہین، اور اُن کو کسی قسم کی بے اطمینانی نہین ہوتی، وہ ہتھیار اتار کر پھینک دیتے ہین، اور جب اس طرح کئی پشت گذر جاتی ہے، تو وہ عورتون اور بچون کی طرح دوسرون کی حفاظت کے محتاج ہو جاتے ہین، اور یہ ان کا طبعی اخلاق ہو جاتا ہے لیکن بدو چونکہ اجتماعی زندگی سے الگ، صحرا مین زندگی بسر کرتے ہین؛ اس لئے نہ ان کو پولیس کی مدد حاصل ہوتی ہے، نہ اُن کے گھر مین چار دیواری ہوتی، اس لئے وہ اپنی مدافعت خود کرتے ہین، اور ہمیشہ مسلح رہتے ہین، ادھر ادھر دیکھتے رہتے ہین، اور گہری نیند کبھی نہین سوتے، صرف بیٹھے بیٹھے اونگھ لیتے ہین یا اونٹون کے کجاوے پر اُن کی آنکھ لگ جاتی ہے، صرف اپنی قوت پر بھروسا کر کے جنگلون اور میدانون مین تنہا گھومتے پھرتے ہین، اس لئے قوت اور شجاعت ان کا فطری جوہر بن جاتی ہے" اور انہی حقائق کی طرف ڈاکٹر صاحب نے ان اشعار مین اشارہ کیا ہے،

مین تجھ کو بتاتا ہون تقدیرِ امم کیا ہی؟	شمشیر و سنان اوّل طاؤس و رباب آخر
نئی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہین	چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش
نہ کرا فرنگ کا اندازہ اس کی تابناکی سے	کہ بجلی کے چراغون سے ہے اس جوہر کی ارزانی

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

ترے صوفے ہین افرنگی ترے قالین ہین ایرانی لہو مجھکو رلاتی ہے جوانون کی تن آسانی

امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل نہ زورِ حیدری تجھ مین نہ استغنائے سلمانی

نہ ڈھونڈھ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی مین کہ پایا مین نے استغنا مین معراج مسلمانی

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانون مین نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانون مین

نہین تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑون کی چٹانون مین

اے باد بیابانی مجھ کو بھی عنایت ہو خاموشی و دلسوزی سرمستی و رعنائی

(باقی)

اعلان

۱- معارف سے متعلق ہر طرح کی خط وکتابت اور ارسال زر کے وقت براہِ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دین، ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲- معارف ہر مہینہ کی ۱۵ ر تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہو جاتا ہے، اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ ر تاریخ تک دفتر مین آجانی چاہئے ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر رسالہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

منیجر دار المصنفین

مآل و مشیت

از

جناب صاحبزادہ خان بہادر ظفر حسین خان صاحب سابق انسپکٹر مدارس یو پی و سابق پبلک ریلیشن آفیسر حکومت ہند

"مقالۂ روسو کے مترجم اور "مساحتِ ذہنی" کے لائق مصنف اپنے منصب کے فرائض مفوضہ کی ادائی کے ساتھ اپنی فلسفیانہ افتادِ طبع سے علم و ادب کے ذوق کی تسکین کا سامان بھی کرتے رہے ہیں، وہ اگرچہ ایک زمانہ کے بعد بزمِ معارف میں شریک ہونے کا موقع نکال سکے لیکن دارالمصنفین سے ان کے دیرینہ مراسم کی یاد ہمیشہ تازہ رہی، اُمید ہے کہ ناظرینِ معارف موصوف کے پختہ کار قلم کی تازہ گلکاریوں سے لطف اندوز ہوں گے، "س"

دفترِ اول

مآل

کتنے الفاظ ہیں جو انسان کی زبان پر شب و روز عادۃً جاری ہیں، مگر جن کا مفہوم یا تو سطحِ فہم سے اس قدر بلند ہوتا ہے کہ سمجھ سے باہر ہوتا ہے، یا پھر دھندلے سے نقشِ معنی کے سوا کچھ نہیں لیکن انسان بزعم خود اس کو حقیقت کی مکمل تصویر سمجھتا ہے، کائنات، موت، حیات، جبر، قدر، مادہ، جوہر، روح، قوت، حرکت، مآل زندگی، مشیتِ ایزدی، کون روز نہیں بولتا، لیکن کیا ہم ان کی حقیقت کو کماحقہٗ سمجھتے ہیں؟

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ بلبل فقط آواز ہو طاؤس فقط رنگ

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ہیں ایرانی لہو مجھکو رلاتی ہے جوانون کی تن آسانی

امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل نہ زورِ حیدری تجھ مین نہ استغنائے سلمانی

نہ ڈھونڈھ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی مین کہ پایا مین نے استغنا مین معراج مسلمانی

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہو جوانون مین نظر آتی ہو اس کو اپنی منزل آسمانون مین

نہین تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر تو شاہین ہو بسیرا کر پہاڑون کی چٹانون مین

اے باد بیابانی مجھ کو بھی عنایت ہو خاموشی و دلسوزی سرمستی و رعنائی

(باقی)

اعلان

۱- معارف سے متعلق ہر طرح کی خط وکتابت اور ارسال زر کے وقت براہِ کرم نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دین، ورنہ تعمیل کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی،

۲- معارف ہر مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو پوری پابندی کے ساتھ شائع ہو جاتا ہے، اس لئے رسالہ نہ پہنچنے کی اطلاع ۳۰ تاریخ تک دفتر مین آجانی چاہیئے ورنہ اس کے بعد اطلاع موصول ہونے پر رسالہ بہ قیمت ارسال ہوگا،

منیجر دارالمصنفین

مآل و مشیّت

از

جناب صاحبزادہ خان بہادر ظفر حسین خان صاحب سابق انسپکٹر مدارس یو پی و سابق جنرل پبلک ریلیشن آفیسر حکومت ہند

"مقالہ روسو کے مترجم اور "مساحت ذہنی" کے لائق مصنف اپنے منصب کے فرائض مفوضہ کی ادائی کے ساتھ اپنی فلسفیانہ افتاد طبع سے علم و ادب کے ذوق کی تسکین کا سامان بھی کرتے رہے ہیں، وہ اگرچہ ایک زمانہ کے بعد بزم معارف میں شریک ہونے کا موقع نکال سکے لیکن دارالمصنفین سے ان کے دیرینہ مراسم کی یاد ہمیشہ تازہ رہی، امید ہے کہ ناظرین معارف موصوف کے پختہ کار قلم کی تازہ گلکاریوں سے لطف اندوز ہوں گے،

"س"

دفتر اوّل

مآل

کتنے الفاظ ہیں جو انسان کی زبان پر شب و روز عادۃً جاری ہیں، مگر جن کا مفہوم یا تو سطح فہم سے اس قدر بلند ہوتا ہے کہ سمجھ سے باہر ہوتا ہے، یا پھر دھندلے سے نقش معنی کے سوا کچھ نہیں، لیکن انسان بزعم خود اس کو حقیقت کی مکمل تصویر سمجھتا ہے، کائنات، موت، حیات، جبر، قدر، مادہ، جوہر، روح، قوت، حرکت، مآل زندگی، مشیّت ایزدی، کون روز نہیں بولتا، لیکن کیا ہم اُن کی حقیقت کو کماحقہٗ سمجھتے ہیں ؟

جن عقائد کو عوام بلا چون وچرا تسلیم کر لیتے ہین فلسفی ان عقائد کو عقل کی کسوٹی پر کستا، اور فہم انسانی کی سہل انکاریون اور ضعیف الاعتقادیون کو فلسفیانہ تنقید کی روشنی مین دیکھتا ہے، فلسفہ کی ضخیم وحجیم کتابون مین سر کھپانے سے زیادہ مفید عمل شاید یہ ہوگا، کہ کبھی فرصت کے چند لمحون مین ہم اپنے متاع علم کا جائزہ لین، یعنی جن عقائد کو ہم حقائق سمجھتے رہے ہین، ان کی عقلی بنیادون پر غور کرین اور بادر ہوا تو ہمارے عقائد کو اپنی فہرست سے ایک ایک کرکے کاٹتے جائین اس عمل کے اخیر مین یا تو ہم جانین گے کہ کچھ نہین جانتے، یا ہمارے عقائد کی فہرست سمٹ کر گنے چنے اصول پر آجائے گی جن کو ہم اپنے علم کے بنیادی اور اٹل اصول کہہ سکتے ہین، اور پھر ان بنیادی اصول سے مستخرج اور مستنبط نتائج واصول کی مدد سے اپنے علم کی عمارت از سر نو بنا سکتے ہین جس کو بجا طور پر اپنا فلسفۂ حیات کہہ سکتے ہین،

سطور ذیل اسی قبیل کی سعی کا ایک عکس ہے، ان مین جا بجا فلاسفۂ ماسبق کے خیالات کی جھلک نظر آئے گی، لیکن دوبارہ غور کرنے پر مفہوم کی سمت کا اختلاف خود بخود ظاہر ہو جائے گا، فلسفہ کے کسی طالب العلم کا ذہن خواہ وہ کتنا ہی غیر جانب دار کیون نہ ہو، کسی نہ کسی نظام سے متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا، لیکن متاثر ہونا مقلد ہونے کا مرادف نہین، ہوسکتا ہے کہ ایک فلسفی کانٹ کے نظام فلسفہ سے متاثر ہوتے ہوئے اپنا جداگانہ نظام خیال رکھتا ہو، جس مین جا بجا اس تاثر کے آثار پائے جاتے ہون لیکن بہ حیثیت مجموعی اور آخری نتیجہ کے لحاظ سے وہ ایک جداگانہ چیز ہو گی،

علاوہ برین اپنے خیال کے آخر منزل تک پہنچنے کے لئے ہر مفکر کو کچھ دور ایسی راہون پر چلنا ہوتا ہے جو دوسرون کی بنائی ہوئی تھین، اور ان کے بعد اپنی راہین نکالنا ہوتی ہین، اس لئے اُن کے ذہنی نقل و حرکت کا پورا نقشہ پیش نظر رکھے بغیر، تتبع، تقلید یا سرقۂ خیال کا اتہام بعید از انصاف ہوگا،[1]

---

[1] راقم الحروف کسی مخصوص مدرسۂ فلسفہ کا تابع نہین، اس کے ساتھ متداول مذاہب فلسفہ سے خالی الذہن بھی نہین، جہان جہان سابقین اور اپنے درمیان مشترک راستون کو طے کیا ہے، پورا پورا احساس ہے، لیکن چونکہ اپنی منزل

نشاۃ جدیدہ کی نگاہ مین سائنس حقیقت شناسی کا آخری نقطہ ہے، اور علم و معانی کے ہر گوشہ پر حاوی، دارالاختیار کا سفید پیرن پوش سائنس دان اقلیم علم کا فرمانروا ہے، اور اس کا نادری حکم چار دانگ عالم مین جاری ہے، بیچارہ فلسفہ پسپا ہو کر کنشت و مسجد و بتخانہ و دیر مین قلعہ بند ہے، اگرچہ سائنس کے حملے شب و روز، دیر و حرم پر بھی جاری ہین، مگر مذہب کی سنگلاخ دیوارین، صدیون کے پیہم حملون کے باوجود، اپنی جگہ پر قائم ہین، اور اصل یہ ہے کہ مابعد الطبیعات کے بچے کھچے تصورات کو اگر کہین پناہ ملی ہے تو وہ مذہب ہی کا دار السلام ہے لیکن سائنس کی ان تمام لن ترانیون کے باوجود، آپ نے کبھی غور کیا کہ اس کی بود کیا ہے؟ بس مظاہر فطرت کے دستور ظہور کو دریافت کرنا اور جو کچھ آنکھ سے دیکھا یا کان سے سنا یا دیگر حواس کی مدد سے محسوس کیا، اُن کو مختلف سرخیون کے تحت مین ترتیب دینا اور شمار و اعداد کا انبار جمع کرنا، ایک سائنٹسٹ کا کام اُس لائبریرین سے زیادہ نہین جو کتب خانہ کی بے شمار کتابون پر چٹین لگا کر مختلف مضامین مین تقسیم کر دیتا ہے، لیکن اگر آپ اس سے پوچھین، کہ ان کتابون کے اندر کیا ہے تو وہ اپنی لاعلمی ظاہر کرے گا، سوا ے قانون فطرت دریافت کرنے کے جو عبارت اس امر سے ہے، کہ کسی فطری واقعہ کے واقع ہونے کے طور وطریق کیا ہین، انہین سلسلۂ اسباب کا بھی سراغ نہیں لگتا، کنہ ذات اور ماہیت کی گہرائیون تک جانا تو بڑی بات ہے، طبعیات

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱۸) آگے بھی اس لئے ان حوالون کو قلم انداز کرنا مناسب سمجھا گیا، علاوہ برین حق کسی کا کاپی رائٹ نہین، اور اس کے بیان مین ہر شخص بلا خوف تردید و توارد اپنا اسلوب اختیار کر سکتا ہے، زمانۂ حال کے تصنیف و تالیف کا دستور ہے، کہ لوگ دوسرون کی کتابون سے تفصیلی نوٹ لیتے ہین، اور اپنی تحریر کا حجم دل کھول کر اقتباسات کی بھرمار سے بڑھاتے ہین، اس کے برخلاف اپنا نظریۂ مطالعہ یہ رہا ہے کہ ساری کتاب پڑھ جانے کے بعد جو نفس مطلب ذہن مین باقی رہ گیا، اتنا ہی کار آمد سمجھا، اور جس کو ذہن نے قبول نہین کیا، اور اس لئے فراموش کر دیا، اس کے بارے ذہن کے محفوظ رہنے ہی مین عافیت سمجھی،

کیا ہے، عنصری ظہور ترتیب پر ایک سرسری نظر یا رقص ذرات کا تماشا، نباتیات کیا ہے؛ ؟ لالہ و گل کی سوانح عمری، حیوانیات کیا ہے ؟ مرغ و ماہی کا افسانہ، ہیئت کیا ہے ؟ اختر شماری، اور سیارون کی حرکت کی داستان سرائی، رائج الوقت مسئلہ ارتقا، کی حقیقت بھی ایک بوستان خیال سے زائد نہین جس مین ماحول اور اجسام کے باہمی عمل ورد عمل کے طلسم ہوش ربا کے علاوہ کیون اور کس لئے کا جواب در کنار، یہ تک پتہ نہین چلتا، کہ فطرت کے مختلف طبقات کے اندر کسی جداگانہ ارتقار کا ڈرامہ ہو رہا ہے، یا کسی نہج سے ادنی طبقات، اعلیٰ طبقات حیات مین بھی ترقی پذیر ہو سکتے ہین، اقدار، مآل حیات، کون و فساد کو چھوڑیئے، ان کا حل تو سائنس خود اپنی استعداد سے باہر تسلیم کرتا ہی ہے، خود سائنس کے اولیات اور مظاہر فطرت کی ماہیت ہمیشہ مابعد الطبعیات کا موضوع بحث رہا ہے، اور رہے گا' ارسطاطالیس "طبعیات" کے بعد اسی وجہ سے مابعد الطبعیات پر رسائل لکھنے پر مجبور ہوا، کہ مباحثہ حق تشنہ رہا جاتا تھا، سائنس دان کی مثال ایک مکھی کی ہے، جو ایک بڑے کرہ پر بیٹھی ہو، اور اپنی حد نظر کی مجبوریون سے کرہ کو ابعادِ ثلاثہ کے بجائے صرف طول و عرض مین محدود سمجھتی ہو، سائنس کی نظر کائنات عالم پر ہمیشہ جزئی پڑتی ہے، اور فلسفہ کی ہمہ گیر اور کلی، سائنس کے پاس آخری توجیہ کا آلہ بخت و اتفاق ہے، جب کہ فلسفہ فطرت کے عقدے عقل محض کی روشنی مین حل کرتا ہے، سائنس کی نظر پست ہی، اس معنی کر کہ وہ حیات کو غیر حیّ عناصر کی مدد سے اور شعور کے کرشمون کو بے شعور مادہ کی مدد سے حل کرنا چاہتا ہے تخلیق کی ہر نئی منزل پر (مثلاً جمادات کے بعد نباتات، نباتات کے بعد حیوانات) جہان عقل توجیہ سے عاجز ہوئی، وہان سائنس نے عناصر کے اتفاقی اجتماع کا عذر تراشا، غور کیجئے، تو سائنس کے "اتفاق" اور مذہب کے "خدا" مین سرمو فرق نہ پایئے گا، اور اگر شمار کیجئے تو بلا مبالغہ سائنس مذہب سے کہین زیادہ معجزات کا قائل نکلے گا،

نشاۃ جدیدہ سے دوسری شکایت یہ ہے کہ اس نے اپنی ساری قوت، فہم انسانی کے سمجھنے

اور حدود بندی میں صرف کر دی ہے، جس کا نام بعد الطبیعیات کی اصطلاح میں علمیات رکھا گیا ہے، اور
موجودیات یا حقیقتِ موجودات کی تفتیش کی جانب جو فلسفۂ قدیم کا خاص مشغلہ تھا، بہت کم اعتنا
کیا ہے، مغرب کے فلسفیون نے حقیقتِ علم ہی کے جاننے کو کافی سمجھا، اور حقیقتِ علم ہی کے واسطے سے
حقیقتِ اشیا کی سرسری جھلک دیکھنے کی کوشش کی ہے، ڈیکارٹ، لاک، ہیوم، کانٹ وغیرہ
فہمِ انسانی کی حقیقت شناسی کے باہر قدم نکالنا فلسفہ کا گناہ کبیرہ سمجھتے رہے، جس کا ایک ناخوشگوار
ردِ عمل یہ ہوا کہ سارا فلسفہ نفسیات میں سمٹ کر آگیا، اور نشأۃ جدیدہ کے پرستارون کی ساری سعی
اسی بت کے تراشنے اور سنوارنے میں صرف ہوتی رہی، یہان تک کہ زمانہ کی رفتار کے مطابق نفسیات
کو سائنس کا درجہ مل گیا، اور دارالاختبار کے بتخانے اس نئے سومنات سے سجائے جانے لگے، چونکہ
اس تحقیق کی جڑ خود پرستی مین تھی، اس کی دل فریبیون نے دنیا و مافیہا کو بالکل بھلا دیا، اور انسان، انسان
ہی کو پوجنے لگا، غالب کے ہان یہی فلسفہ نغمہ بن گیا :-

گلت را نوا، نرگست را تماشا

تو داری بہارے کہ عالم ندارد

کیرکا گارڈ، ہائی ڈیگر، برگسون اور شیلر کی سرکردگی مین اس تحریک کے خلاف خفیف سا ردِ عمل
شروع ہوا تھا، اور موجودیات، کنہ ذات، حقیقتِ اشیا کی جانب از سرِ نو توجہ شروع ہوئی تھی،
لیکن ذہنی موسم اس قسم کے خیالات کے لئے اس قدر ناسازگار تھا، کہ یہ تحریکین پنپ نہ سکین،

انسان کیا ہے؟ نظام عالم کا ایک عضو، کائناتِ عالم سے الگ اس کا کوئی مفہوم نہین، مگر ہوتا
یہ ہی کہ ادھر ذہن نے سہولتِ فہم کے لئے تجرید خیال کیا، گل سے رنگ اور رنگ سے بو کو جدا کیا،
ادھر زبان نے ہر تصور کے نام رکھ دیئے، اب کیا تھا، جس طرح لغت مین ایک ایک لفظ الگ ہی،
ذہن نے کائنات عالم کا بھی شیرازہ بکھیر دیا، حقیقت مین گوشت سے ناخن جدا ہو سکتا ہو یا نہ ہو سکتا ہو،

لیکن ذہنی تجرید، زبان کی سازش سے ایسے شعبدے ہمہ وقت کرتی رہتی ہے منطق کا فن جو انسان نے اپنے اس غیر فطری ذہنی مشغلہ مین مدد دینے کے لئے خود ایجاد کیا تھا، حقیقت سے گمراہی کا مزید ذریعہ بن گیا، موضوع و معروض، صفت و موصوف، مبتدا و خبر کی تفریقین، حقیقت مین محض خیالی ہین، ا سخت ضرورت ہے، کہ مابعد الطبیعیات کے صحیح نظام کی ابتدا مابعد المنطق کے ایک ایسے نظام کی داغ بیل سے کی جائے، جس کی بنیاد بجائے تحلیل کے ترکیب پر قائم ہو، فن: ماننا تجرید کی نحوست نظریات سے متجاوز ہو کر انسانی اعمال و کردار تک متعدی ہو گئی ہے، موجودہ فلسفۂ اخلاقیات کیا ہے؟ انسانی تعلقات کا پوسٹ مارٹم خیر و شر، فضائل و رذائل کے نام نہاد تصورات مین اخلاق کی فرضی تقسیم جزء پرستی نشاۃ جدیدہ کی سیرت مین اس قدر رچ بس گئی ہے، کہ ہم نہ صرف کسی شے کے جزء کو دیکھنا چاہتے ہین، بلکہ اس جزء پر ذہن کے صرف ایک جزء سے نظر کرتے ہین، اگر ہم ایک طرف کسی شے پر من حیث الکل غور کرنے سے معذور ہین، تو دوسری طرف ذہن کے من حیث الکل استعمال سے معذور ہین، نفسیات نے ذہن کا مصنوعی تجزیہ عقل، جذبہ اور ارادہ مین کیا گیا، گویا ذہن الگ الگ خانون مین تقسیم ہو گیا، جن کو ایک دوسرے سے واسطہ ہی نہین، کبھی عقل کی طرف جھکے تو اس قدر غلو کیا، کہ اہل و عیال گویا اقلیدس کی شکلین بن گئین، کبھی جذبات سے مغلوب ہوئے تو پردۂ ناموس تار تار کر دیا، کبھی ارادہ کا بھوت سوار ہوا تو خودکشی کرنے مین بھی تامل نہ ہوا، آخر الذکر قنوطیت کا علمبردار، دشمن اسلام فلسفی (شوپنہاور) جس کی عصبیت بلا دلیل قرآن کو (نعوذ باللہ) فاسقانہ کتاب کہنے مین تامل نہین کرتی، اپنے مہمل نظام خیال کو تکرار و دعاوی کے بل پر ہم سے منوانا چاہتا ہے، غرضکہ جہان دیکھئے، یک رخی، جزء پرستی، تصویر کا ایک رخ سامنے ہے،

از خلشِ کرشمۂ کار نمی شود تمام

عقل و دل و نگاہ را جلوۂ جدا جدا طلب

یہ جزء پرستی تین طرح کی ہے (۱) جزء و شے پر جزء و ذہن کا عمل (۲) کل شے پر جزء و ذہن کا عمل،

(۳) جزو شے پر کل ذہن کا عمل، حقیقت شناسی کی شاہراہ ایک اور صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ کل معروض پر کل موضوع کا عمل ہو، اور کل شے سے کل ذہن کا رابطہ قائم ہو، صحیح مابعد الطبیعیات کا موضوع بحث بھی کلی عمل ہے جس مین مروجہ منطق اور سائنس بجائے معین ہونے کے مخل اور سدراہ ہوتی ہین، اور ایک ایسے مابعد المنطق نظام کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جو موضوع و محمول، علت و معلول تصور و تصدیق قیاس و استقرا، حکم و استدلال کے مصنوعی تفرقے مٹا کر عقل کے واحد اور قدرتی عمل کی آئینہ دار ہو علت و معلول ہی کے مغالطہ کو لیجئے انسان کی جز پرست پندار کے مطابق علت گویا ایک فاعل مطلق اور معلول ایک مفعول محض ہے، جو علت کے پنجہ مین گویا بالکل مجبور ہے لیکن اس مسئلہ پر ذرا ایک کلی اور ہمہ گیر نظر ڈالئے، تلوار کی دھار ممکن ہے کہ انسان کی گردن کے اندر سے تار نظر کی طرح گذر جائے لیکن ذرا سنگ خارہ پر وار کرکے آزمائے تو حقیقت میں دوسرا رُخ خود بخود بے نقاب ہوجائے گا، عرف عام مین جس طرح دو ہاتھون کے بغیر تالی نہین بجتی، عالم اسباب کی گہرائیون مین نظر دوڑائے تو دیکھئے گا کہ علت بغیر اپنے معلول کی معاونت کے بے اثر اور بے عمل ہے، ذرا غور کیجئے کیا یہ تعاون تعلیل کی ایک دوسری شکل نہین تو کیا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو پھر علت و معلول کی تفریق کیسی؟ منطق کی اصطلاح مین اس قضیہ کی تحلیل کہ "انسان ناطق" ہے، یہ ہوتی ہے، کہ "انسان" موضوع اور "ناطق" محمول ہے لیکن کیا فی الواقع نطق، انسان سے کوئی علحدہ وجود رکھتا ہے، نیوٹن کی مطلقیت کا ردّ عمل آئنسٹائن کی اضافیت مین ظہور پذیر ہوا، لیکن مضاف اور مضاف الیہ کو چھوڑ کر ان کی درمیانی اضافت کو حقیقت سمجھنا ذہنی تجرید کی شعبدہ بازی ہے، جو بسا اوقات ایک ہی شے کے اندر اول مضاف و مضاف الیہ قرار دیتی ہو اور پھر ان کی باہمی اضافت کی جداگانہ صورت گری کرتی ہو، حالانکہ اضافت کا کہین مضاف سے علحدہ وجود ہوا ہے؟ تجرید کی حماقت، موسیقی، یا کسی آرٹ کی صنعت گری کے مقابلہ مین بخوبی ظاہر ہوتی ہے جہان کلی صنعت سے کسی جزو کا ایک آن کے لئے جدا کرنا، اس کی حقیقت کو فنا کر دینا ہے، "جہان چارسو"

انفس و آفاق سے بڑھکر کون صنعت ہو گی، اور یہ صنعت عالیہ تجرید و تحلیل کی کب تاب لاسکتی ہے، اس کی حقیقت ایک ایسی وسیع النظری کی طالب ہے، جو کل پر محیط ہو، جو لوگ افلاطون کے اعیان نامشہود کو تصورات کا مرادف سمجھتے ہین، سخت غلطی کرتے ہین، اصل مین تصور ہمارے تجربہ سے ماخوذ چیز کا نام ہے، ہم ایک مخصوص رنگ و بو اور شکل کا احساس کرتے ہین، جس کا علم گلاب کے ادراک کی شکل مین رونما ہوتا ہے، پھر ہم لالہ و نسرین و نسترن کا اسی طرح ادراک کرتے ہین، اور اس طرح "پھول" کے عام تصور تک پہنچتے ہین، یہ تجرید کا عمل ہے، اس لئے کہ عام پھول کا کائنات مین کہین وجود نہین، لیکن ادراک کے ساتھ کسی شے کی عین ذات کو تاڑ لینے والی نگاہ بھی ہمارے اندر ودیعت ہے، جو حقیقۃً ہمارے نفس کا انتہائی کمال علم ہے، اور جس کے سامنے اعیان غیر مشہود اسی طرح مشہودات حقیقی ہین جس طرح مظاہر فطرت جن کو ہمارے حواس محسوس کرتے ہین، اعیان شناسی کی اس قوت کو وجدان کہئے، نظر حقیقت کہئے، عقل اعلیٰ کہئے، یہ وہ قوت ہے جو اعیان کا براہ راست اسی طرح علم حاصل کرتی ہے، جس طرح قوت مدرکہ مدرکات کا، اعیان تصورات مجردہ نہین، بلکہ مدرکات کے قبل کی ایک شے ہے، جن کو ہم قوت مدرکہ سے نہین، بلکہ وجدان کی قوت سے اپنے سامنے پاتے ہین، یہ وہ منزل ہے، کہ الفاظ بیان کی مساعدت نہین کرتے، اور نطق خیال کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے،

ہر معنی پیچیدہ درحرف نمی گنجد یک لحظہ بدل درشو شاید کہ تو دریابی

اس کی ذراسی جھلک دیکھنا ہو تو تصور کیجئے کہ آپ ایک پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہین، آفتاب دن بھر کی ضیا پاشی سے تھک کر افق کے پردہ کے اندر جاچکا ہے، دھندلکا ہو چلا ہے، آپ ایسے مقام پر کھڑے ہین، کہ باد تند کا ایک تھپیڑا آپ کو ہزارون فٹ نیچے گرا سکتا ہے، پہاڑی کے نیچے ایک وسیع جھیل کے شفاف اور ساکن پانی مین کنارہ کے درختون کا عکس پڑ رہا ہے، ہر طرف سکوت کا عالم ہے، سوائے قلب کی حرکت کے جس کو آپ اس وقت بہ خوبی سن سکتے ہین، ہر پتہ خاموش اور ہر ذرہ

ضرب لب ہے، اس کیفیت کی اگر آپ نفسیاتی تحلیل کرین تو شاید کہین گے، کہ آپ پر خوف و ہراس رقت و محویت سے ملی جلی ایک حالت طاری ہے، اور اس وقت آپ صحیح معنی مین روح مظاہر یا مین "نامشہود" کا مشاہدہ کر رہے ہین؛ جو روزمرہ کی زندگی کے مدرکات مین مفقود ہوتا ہے، خوف و ہراس کی انقباضی کیفیت جسے دردِ دل کہیئے یا کسی اور نام سے تعبیر کیجئے، اصل مین علم کی کنجی ہے، کان آنکھ ہم سب کے ہین، مگر ان کے "ہونے" کا احساس اسی وقت ہوتا ہے، جب ان مین درد ہو، ورنہ کبھی بھولے سے بھی ان کا خیال نہین آتا، یہی دردِ الم شعور کی جان ہے، اور اگر موت واقعی حیاتِ انسانی کا سب سے زیادہ المناک واقعہ ہے تو شاید اسی مناسبت سے علم حقیقی کا وسیع باب علم بھی ہو معمولی زندگی مین یہی انقباض تشکک کی شکل اختیار کر لیتا ہے، جو ہر علم کا پیشرو ہے، اور بیان و اظہار کی صورت مین یہی تشکک سوالات کا جامہ پہن لیتے ہین جن کا جواب علم ہوتا ہے، سقراط جو ایک دایہ کا لڑکا تھا، کہا کرتا تھا، کہ "مین نے فن سوال اپنی ماں سے سیکھا ہے، جس طرح وہ حاملہ عورتون کو وضع حمل مین مدد کرتی تھی، مین انسانون کے دماغ کو خیالات کے حمل سے ہلکا کرتا ہون"، فلسفہ کی تاریخ مین یہ طریق سوال طریق سقراطی کے نام سے مشہور ہے، منطق کی تدوین مین صدیان صرف ہوگئین، اور اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے، ذہن کے تجریدی عمل نے اب منطق کو الجبرا بنا دیا ہے، جس مین خیالات کے بجائے علامتین اختیار کر لی جاتی ہین، اور پورا سلسلۂ فکر علامتون مین تحویل کر دیا جاتا ہے، لیکن تفتیش کا صحیح راستہ یعنی سوال کی ٹکنک کی دریافت و تدوین کی جانب کسی نے اعتنا نہین کیا، حالانکہ یہ تفتیش حق کا سہل ترین اور فطری طریقہ ہے، اور اس کے قواعد و ضوابط منطق کی مثل اس طرح بنائے جا سکتے کہ انسان اپنے نفس سے صحیح سوال کرنا اور صحیح جواب حاصل کرنا سیکھ سکے، سوال و جواب اضافی تصورات ہین، جن کا خاصہ یہ ہے کہ ایک کے ذہن مین آنے کے ساتھ دوسرا خود بخود ذہن مین خطور کرتا ہے، اس لئے کہ دیگر مضاف و مضاف الیہ کے تصورات کی طرح سوال و جواب کی تفریق بھی ذہن کے بر خود غلط

تحلیل و تجرید کے عمل نے مصنوعی طور پر کردی ہے، اصل میں دونوں ایک ہیں، صرف روے سخن کا فرق
ہوتا ہے، استفسار میں حقیقت کا مستفسر رخ سامنے ہوتا ہے، جو جواب کی شکل میں علم کا دوسرا نام ہے،

راقم الحروف نے اپنی طالب العلمی کے زمانہ میں ماہیت استفسار پر کافی مواد جمع کیا تھا، اور اس
موضوع پر ایک مبسوط رسالہ لکھنے کا قصد تھا، اس باب میں اپنے ہم عصر و ہم مذاق طلبہ سے تبادلۂ خیالات
کیا تو انھوں نے خوب مضحکہ اڑایا، اور مجھے "مفتش" "مستفسر" اور شاید "سائل" کے نام سے بھی پکارنا شروع کیا،
جس کا ردعمل ایک طرف تو یہ ہوا کہ میں اپنے معترضین کو جواب دینے کے لئے مزید مواد جمع کرنے میں
مشغول ہو گیا، لیکن دوسری طرف یہ ہوا کہ اس کو شائع کرنے کی ہمت نہیں ہوئی یہاں تک کہ سارا مواد
ملازمت کے تبادلوں کے دستبرد کے نذر ہو گیا،

بادی النظر میں کائنات عالم کی بساط، اسباب و نتائج کا چارخانہ نظر آتی ہے لیکن اس کے تار و پود
کو ذرا غور سے دیکھئے تو ہر مقام پر غرض و غایت کی آمیزش نظر آئے گی، اگر فطرت کے ہر منظر کے پہلے ایک
سبب نظر آئے گا، تو اس کے بعد ایک غایت بھی رونما ہو گی، اور فہم انسانی حیران ہو گی، کہ حقیقی لم کس کو
کہا جائے، اسباب ماسبق کو یا غایات مابعد کو، ارتقاے فطرت پر گہری نظر ڈالیے جس کو سائنس کے مقابلہ
میں مابعد الطبیعیاتی نظر کہنا بیجا نہ ہو گا، تو معلوم ہو گا کہ وہ سرتاپا اغراض و مقاصد سے مرکب ہے، اور
نظام عالم میں اسباب کی حیثیت، ذرائع و وسائط سے زائد نہیں جن کو مشیت، گویا اپنے حسب منشا
نتائج اخذ کرنے کے لئے اختیار و انتخاب کرتی ہے، ہر عمل کے آگے ایک غایت ہوتی ہے، جو اسباب و
ذرائع کو چن چن کر اس طرح رکھتی جاتی ہے کہ ان کے اجتماع سے اعمال مقصود ظہور پذیر ہوتے جاتے ہیں،

اس نظریہ کے سامنے میکانکی تصور حیات جو مظاہر فطرت کو اسباب و علل کا ایک طویل سلسلہ،
ماضی میں دور تک پھیلا ہوا تصور کرتا ہے، ایک جسم بے روح نظر آتا ہے لیکن یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا
ہوتا ہے کہ واقعات کی رفتار ماضی سے حال میں ہو کر مستقبل کی طرف ہے، جیسا کہ میکانکی تصور فرض

کرتا ہی یا یہ دھوکا ہے، اور حقیقت مین واقعات کی رفتار کا رُخ مستقبل سے حال مین ہو کر ماضی کی جانب ہے؟

اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ ہم وقت کی ماہیت کی بحث کے ساتھ غور کرین گے اس لئے کہ یہ سوال دراصل وقت سے متعلق ہے کہ اس کی رفتار ماضی سے مستقبل کی جانب یا مستقبل سے ماضی کی جانب ہے چلتی ٹرین مین درخت پیچھے بھاگتے نظر آتے ہین، لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، اگر درختون کی جگہ ہم وقت کو اور ٹرین کی جگہ، محوری و مدوری گردش مین مشغول زمین کو تصور کرلین تو وقت کے متعلق بھی متداول تصورات فی الجملہ مشکوک نظر آنے لگین گے،

لیکن یہان تک ہم نے کل عالم پر اپنے ذہن کے صرف دو پہلوون سے نظر کی، خالی فہم سے کام لیا، تو کائناتِ عالم محض عالم اسباب نظر آیا، اگر ارادہ کو زاویۂ نگاہ بنایا تو عالم اسباب کے پہلو بہ پہلو ایک قصر اِل تعمیر ہو گیا اور اغراض و غایات کی دوسری دنیا آباد نظر آنے لگی، ان دونون پر جذبات کا اور اضافہ کیا، اور جذبات کے نقطۂ نگاہ سے عالم پر نظر ڈالی تو اس عالم رنگ و بو کی حقیقت کا دوسرا رُخ بے نقاب ہوا، وہ یہ کہ اس تمام ہنگامۂ ایجاد کی رونق نغمۂ شادی سے نہین، بلکہ نوحۂ غم کے دم سے ہے، تخم اپنے کو فنا کرکے برگ و بار لاتا ہے، پیدائش کے ہر منظر کا پیش خیمہ کرب و الم ہے، اور بقا کے ہر نہال کی آبیاری خون سے ہوتی ہے، خواہ یہ حیات انفرادی ہو، یا حیات ملی، فطرت انھی قربانیون کی آئینہ دار، تاریخ ان ہی قربانیون کا افسانہ اور انسانی زندگی انھی قربانیون کا مرقع ہے،

آیندہ و گذشتہ تمنا و حسرت است

یک کاشکے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم

حیات کی طرح موت بھی ایک مسلسل خط ہے جس کا آغاز حیات کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے، ورنہ جس کو عرف عام مین موت کہتے ہین، اسی خط کا آخری نقطہ ہے، زندگی کا ہر وہ لمحہ جو گذر گیا موت کے خط کا گذشتہ نقطہ تھا، اور بہ ظاہر یہ امر کتنا ہی مستبعد نظر آئے،

واقعہ شاید یہی ہے، کہ جینے کے ساتھ ہی ہم مرنے بھی لگتے ہین، ہر حرکت کی ماہیت کا جذبی پہلو الم و انقباض ہے اور انبساط و لذت، عدم انقباض و الم کا نام ہے، فطرت کا خمیر درد و غم ہی سے ہے، جو کہین غم دل کہین غم روزگار بن جاتا ہے،

مری تعمیر مین مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولی برقِ خرمن کا ہی خونِ گرم دہقان کا

اس جہانِ آرزو مین ایک آرزو پوری ہونے نہین پاتی، کہ اس کی جگہ دوسری آرزو لے لیتی ہی، ایک آرزو کی پیروی، ایک مقصد کے حصول کی آس مین جو وقت صرف ہوا، وہ بے چینی مین گذرا، اُس کا یا تو بالآخر داغ نامرادی کھایا، یا اگر مقصد پورا ہوا، اور درد مین چند لمحہ سکون ہوا تو اس لئے کہ دوسرے مقصد کی لگن شروع ہو، غرضکہ ساری تقویم حیات اقبال کی زبان مین "تب و تاب جاودانہ" ہی رہی، ایک طائر کس جانفشانی سے اپنے آشیانہ کے لئے تنکے چنتا ہے، کس ایثار کے ساتھ اپنے بچّون کی پرورش کرتا ہے، اور یہ سب اس لئے کہ یہ تمام صیاد کے دستِ جفا سے تحس نحس ہو، اگر زندہ بچے، تو پھر وہی وظیفہ مشقت، وہی دور ابتلاءِ محن، وہی خس چینی اور پھر انجام مین وہی بربادی، اگر بچون نے پر و بال نکالے اور خود اپنے پیرون پر کھڑے ہونے کے قابل ہوئے تو ان کا مقسوم بھی اسی دائرۂ رنج و محن کی گردش قرار پایا، دیگر حیوانات کی حیات پر نظر ڈالئے تو اُن کی زندگی بھی بہ شکل دیگر اسی افسانۂ غم کا اعادہ ہے، انسانی حیات مین چونکہ شعور، ادراک، تخیل، اور حافظہ ارتقاء کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس کے درد و الم کا دائرہ بھی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے، چنانچہ انسان حیوان کی طرح جسمانی تکلیف ہی سے متاثر نہین ہوتا، بلکہ اس کا حافظہ گذرے ہوئے غمون کو یاد دلا کر رولاتا، اور اس کا تخیل آیندہ مصیبتون کے خوف سے اُسے بے چین رکھتا ہے، ہر جسمانی حرکت یا ذہنی فعل محنت خواہ چھوٹے پیمانہ پر ہو یا بڑے، ہمیشہ مستلزم الم ہے، جس کو ہر شخص اپنے تجربہ سے محسوس کرسکتا ہے اور

ں حقیقت سے کوئی انکار نہین کرسکتا کہ حیاتِ انسانی کا ہر لمحہ الم سے توام ہے، زمان کی نظری حقیقت
ہ ہو لیکن اس ( ) جذبی حقیقت الم ہی ہے، جس کو ہم ہمہ وقت محسوس کرنے کے لئے مجبور ہین، ہنگامی
ساسِ لذت کوئی ایجابی جذبہ نہین، بلکہ فقدانِ الم ہی کا دوسرا نام ہے، اس لئے اس کی ماہیت سلبی ہی،
یجابی نہین، ایجابی شے الم اور صرف الم ہے، لذیذ کھانون کا لطف خود کھانون کے اندر نہین، بلکہ الم کی
ں صورت سے وابستہ ہی، جسے ہم بھوک کہتے ہین، اصل حقیقت بھوک ہی، سیری بھوک کا سلبی پہلو ہی،

غرضکہ کائناتِ عالم پر جس طرف چاہے نظر ڈالیے قربانی و ایثار، درد و الم، حزن و ملال،
الِ حیات کے اجزاے ترکیبی نظر آئین گے، اگر ہم ہر قدر کے آگے دوسرے فاضل تر قدر رکھتے جائین،
ذ بالآخر ہمارا سلسلہ تین اعلیٰ قدرون پر ختم ہوگا یعنی حق، خیر، حسن، جو علی الترتیب منطق، اخلاقیات اور جمالیات
کا موضوع بحث ہین، اور نفس انسانی کی سہ گونہ قوتون یعنی علم، عمل اور جذبات کے مطابق و متقابل ہین،
یکن اس تثلیث کی توحید کی جائے، تو حق، خیر، اور حُسن مآلِ حیات ہی کے تین جداگانہ پہلو ہین، اور جو
ینہا آخری تحلیل مین الم ہے، تحقیقِ حق، انقباض تشکک یا دردِ شعور کا دوسرا نام ہے، ایثار، عملِ خیر کی جان ہی،
ور حسن کی قدر، ہجر و فراق کے دم سے ہے،

(باقی)

اعلان

یکم جنوری ۱۹۴۷ء سے مستقل تاجرون کے لئے کمیشن پندرہ فی صدی، اور دوسری
مطبوعات پر بیس فی صدی کر دیا گیا ہی اب اس کے متعلق خط و کتابت بے سود ہوگی،

"منیجر"

فتاوی عالمگیری

کے

دو سندھی مولفین اور ان کے اجداد

از

جناب سید حسام الدین صاحب راشدی السندی

دسمبر ۴۶ء اور جنوری ۴۷ء کے معارف میں فتاوی عالمگیری اور اس کے مؤلفین، کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے اس میں سندھ کے دو بزرگون سید نظام الدین ٹھٹھوی اور قاضی ابو الخیر ٹھٹوی کے نام بھی لئے گئے ہیں، جن کو فتاوی عالمگیری کے مؤلفین میں شمولیت کا شرف حاصل ہے،

صاحب مضمون نے ان دونون حضرات کے سلسلہ مین تذکرہ علماے ہند مصنفہ مولانا رحمان علی کو اپنا ماخذ بنایا ہے، جس میں دو سطرون سے زیادہ اُن کے سوانح حیات موجود نہیں، ذیل میں ان دونون بزرگون کے متعلق مزید معلومات پیش ہین،

(۱) سید نظام الدین ٹھٹھوی

نسب | سید صاحب کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے :-

سید نظام الدین بن سید نور محمد بن سید نظام الدین اول بن سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی بن سید ظہیر الدین والاسلام عرف سید جادم اول بن قاضی سید شکر اللہ اول بن سید وجیہ الدین بن سید نعمت اللہ بن سید عرب شاہ بن سید امیر نسیم الدین محمد المعروف بہ میرک شاہ بن امیر عطاء اللہ جمال الدین بن

المحدث بن سید فضل اللہ بن سید میر عبد الرحمن بن سید عبد اللطیف الحسینی الانسکی الشیرازی،

وطن | اُن کے اجداد شیراز مین رہتے تھے، بعد مین ہرات مین رہنے لگے، جہان سے قاضی سید شکر اللہ اوّل بن سید وجیہ الدین ۹۰۲ھ مین قندھار تشریف لائے،

سندھ مین آمد | قاضی سید شکر اللہ قندھار مین ۱۲ برس تک رہے، اس کے بعد مرزا شاہ بیگ ارغون کے ایما سے بسلسلۂ تجارت ۹۲۷ھ مین سندھ آئے، اور ٹھٹھ مین سکونت اختیار کر لی، وہ صاحب علم وفضل ہونے کے علاوہ بڑے متقی اور دیندار تھے، مرزا شاہ بیگ کے بعد جب مرزا شاہ حسن ارغون سریر آرائے سلطنت ہوا اس وقت قاضی صاحب کو ٹھٹھ کی مسند قضا پر فائز کیا گیا،

ایک دفعہ شاہ حسن نے چند تاجرون سے کچھ گھوڑے خرید کئے، اور قیمت دینے مین جان بوجھ کر اتنا تساہل کیا کہ تاجر مایوس ہو کر قاضی سید شکر اللہ کی عدالت مین دعویدار ہوے، قاضی نے بادشاہ کو بحیثیت مدعا علیہ کے عدالت مین طلب کیا، اور جب وہ آیا، تو اس کو مدعیون کے مقابل بیٹھنے کا اشارہ کیا، دعوے کی مسل پیش ہوئی، بادشاہ نے دعوے کی صحت کا اقرار کیا، اور مدعیون کو رقم دے کر راضی کر لیا، اس کے بعد قاضی موصوف مسند سے اُٹھے اور آگے بڑھکر آداب سلطنت بجالائے، اور بادشاہ کو اپنی مسند پر لاکر بٹھایا، مرزا شاہ حسن نے اپنی قبا مین چھپائی ہوئی ننگی تلوار نکال کر قاضی صاحب کے سامنے رکھدی اور کہا کہ اگر آج آپ فیصلے سے پہلے آداب سلطنت کو بجالاتے، اور میرے درجے کو ملحوظ رکھکر مجھے مدعیون کے ساتھ نہ بٹھاتے تو اس تلوار سے آپ کا سر قلم کر دیتا، کچھ عرصہ کے بعد سید صاحب نے استعفا دیدیا، اور شاہ حسن نے محمد اوچی کو بلاکر اُن کی جگہ مقرر کیا، جن کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام لکھتا ہے کہ

"قاضی شیخ محمد اُچہ منسوب بآل جعفر از مشاہیر علمائے زمانہ است نخست از ہرات بہ اُچہ رسیدہ بود"

در عہد جام نظام الدین چون سید میران محمد مہدی جونپوری وارد ٹھٹھ گردیدہ و علمائے زمان برو نسبت تکفیر بستند، نام بردہ کہ معنی رسے داشت و مقامات اہل حال مطلع بود حجت اہل ظاہر را

درتکفیر آن ولی اکمل بود، ایلق ربود، سید میران بحالش متوجہ گردیدہ دعاے بالش بزرگی ودوام آثار ستر گی باولادش کرد، از آنست کہ خاندان آن بزرگ بوجود حوادث مشتے ہر گز انقلاب بند نمی شود، بالجملہ قاضی معزاللہ بعد ہجرت اوچہ وملتان بکھر متوطن گردیدہ، بنا بہ کثرت شہرت منسوب باچہ ماندہ، وقتے کہ قاضی سید شکراللہ شیرازی استعفار خدمت قضا ٹھٹھہ چنانچہ سبق ذکر یافتہ، درخواست مرزا شاہ حسن حسب تجویز قاضی میر مذکور کہ در وطن قدیم ہرات ہم از اسلاف رابطۂ خاص داشتند و باحیاء آن رابطہ اینجا نیز قرب مقابہ وپیوند صورت یاب گردیدہ دیرا طلبیدہ بآن منصب جلیل القدر مختص فرمود، بہ برکت قدم بجانبش ودعاے میران سید مہدی جونپوری آن منصب بتوارث وقف اولادش است، درابتداے حکومت میرزا عیسی ترخان، بجل حیاتش در نوردیدہ شد، دو پسر والاگہر از مخلف ماندند۔"

اس کے بعد آپ کی اولاد کا تذکرہ ہے،[۵۱]

اجداد | سید شکراللہ نے ٹھٹھہ کے ایک انصاری خاندان سے شادی کی، جس سے سید ظہیرالدین پیدا ہوئے، سید ظہیرالدین کے متعلق صاحب تحفۃ الکرام رقمطراز ہے کہ:

"قائم مقام پدر بزرگوار گردیدہ، فضیلت وحکمت نیک اندوختہ، ظاہرش بہ تقوی وتشرع وتدریس وباطن بہ سلوک راہ فقر وسبیل سنت اجداد مصروف بود"[۵۲]

تاریخ طاہری کا مصنف ان کو اس طرح یاد کرتا ہے:-

"گوہر بحر عزت وسیادت، درمعدن بلاغت وفصاحت، جامع العلوم موشگاف معانی میر ظہیرالدین"[۵۳]

آپکے دو فرزند ہوئے ایک سید شکراللہ ثانی، دوسرے سید عبدالرحمٰن، سید شکراللہ کے متعلق

---

۵۱ تحفۃ الکرام قلمی ص ۱۱۵، ۵۲ ایضاً ص ۳۴۳، ۵۳ طاہری قلمی ص ۳۱،

تحفۃ الکرام میں ہے :-

"با وصف جد و پدر متصف برآمدہ نامدار روزگار زیست"

انھوں نے ایک مسجد بھی بطور یادگار اپنے محلہ میں بنوائی، اُن کے چار بیٹے ہوئے، سید محمد حسن، سید نور محمد، میر سید ظہیر الدین جادم ثانی، سید لطف اللہ، سید نور محمد کے، جن کے متعلق تحفۃ الکرام میں ہی کہ

"در وقت خود مظہر اتم علم و عرفان و مرجع اکمل دین و ایقان زیستہ"

ایک فرزند ہوا سید نظام الدین اول جو کہ بقول تحفۃ الکرام :-

"در مناظم فضل و کمال، او فق اہل حال و قال گذشتہ"

ان کے چار بیٹے ہوئے، سید نعمت اللہ، سید نور محمد ثانی، سید فضل اللہ اور سید محمد شفیع،

سید نظام الدین ثانی | سید محمد ثانی کے دو فرزند ہوئے، سید ابو القاسم اور سید نظام الدین ثانی یہی سید نظام الدین ثانی فتاوی عالمگیری کے مولفین میں سے ہیں، میر علی شیر قانع ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ

"سید نظام الدین ثانی در فقہ او فق انام در علوم اعلم کرام برآمدہ بجذبہ طبع گرائیدہ، سوے جہان آباد شدہ، در فتاوی عالمگیری بسا شغل کل سائر علما کردہ، از نظر بادشاہ بگذشت و استدعاے منصب کرد۔ بادشاہ مطابق ضابطہ کہ اہل فضل را باسم نوکری نخواندندی ازان آبا فرمودہ تکلیف قبول معاش نمودہ سید رضا نہ دادہ عن قریب آنجا سفر آخرت گزید"

آپ کی اولاد | ان کے دو فرزند ہوئے، ایک سید عرب شاہ دوسرے سید احمد سید عرب شاہ آخری زمانے میں مجذوب ہوگئے، اور کوئی اولاد نہیں چھوڑی، سید احمد کے ایک بیٹا سید عطاء اللہ ہوا جس نے شادی کی اور صاحب اولاد بھی ہوا، لیکن عین جوانی میں یہ بھی مجذوب ہو گئے،

احداد | ان کے اجداد میں امیر نسیم الدین اور عطاء اللہ جمال الدین نیز اُن کے عم بزرگوار میر اصیل الدین

لے تحفۃ الکرام قلمی صفحہ ۴۳۵،

کا تذکرہ قاضی نور اللہ شوستری نے حبیب السیر کے حوالہ سے مجالس المومنین مین کیا ہے، نیز روضۃ الصفا اور ہفت اقلیم وغیرہ مین بھی ان کا تذکرہ آیا ہے، صاحب تحفۃ الکرام نے دوسری جلد مین انہی حوالون سے ان کے حالات بیان کئے ہین،

(۱) امیر جمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ المحدث الاسکنی الشیرازی سید نظام الدین ثانی کے بارتھوین جد ہین، ان کے متعلق تحفۃ الکرام مین مرقوم ہے کہ

"عمر گرامی صرف تتبع وحفظ اقوال و افعال ہدایت مال نمودہ، فنون عقلیہ را از علوم شرعیہ حلۂ ترتیب و تدوین پوشانیدہ، جواہر و لآلی، حدیث مصطفویہ را بانامل تقیناً در سلک انفخام داد، وصحاح وحسان سخنان عالمگیرش تحفۃ الاحبا، وریاض السیر و روضۃ الاحباب است[۱]"

حبیب السیر کے حوالہ سے آگے چل کر لکھا ہے، کہ

"آنحضرت مانند عم بزرگوار امیر اصیل الدین درعلم حدیث بے نظیر آفاق گشتہ، ودر سائر علوم دینیہ و یقینیہ از محدثان باستحقاق درگذشتہ، شاگرد عم خود است، چند سال در مدرسۂ شریفیہ سلطانیہ درگنبدے کہ در د و مقبرہ حضرت خاقان منصور است، و در خانقاہ خلاصیہ بدرس وافادہ اشتغال داشتہ در ہفتہ یک نوبت در جامع ہرات بوعظ پرداختی، سلاطین و حکام متنشرعہ واجب دانستندی[۲]"

ہفت اقلیم مین امین رازی لکھتے ہین کہ

"برادر زادہ سید اصیل الدین عبد اللہ است وی درعصر خود ملاذ طوائف اکابر و اشراف انام بودہ، لوح ضمیر تنویرش مطرح اشعۂ انوار اسرار کتب الٰہی وصحیفۂ ضمیر خاطر عالی، مآثر ش مہبط لوامع حقائق اخبار حضرت رسالت پناہے است"

۱؎ تحفۃ الکرام جلد دوم مطبوعہ بمبئی، ص۱۱ ۲؎ تحفۃ الکرام جلد دوم ص۱۱،

زبانش مظہر اسرار تحقیق ضمیرش مظہر انوار توفیق

جمال دین مزین ز اہتمامش علوم شرع واضح از کلامش

از مولفات فصاحت صفاتش روضۃ الاحباب در اقطار آفاق اشتہار دارد"[۵۱]

(۲) امیر نسیم الدین، امیر جمال الدین کے بیٹے اور سید نظام الدین کی گیارہوین پشت مین جد تھے، اُن کے لئے تحفۃ الکرام مین ہے، کہ

"در تکمیل علوم سیما حدیث یگانہ زمانہ بود، موجب تعیین سلطان در مقبرہ مذکور قائم مقام پدر بزرگوار بود، خلف رشیدش سید عرب شاہ بجائے آبا نیک جاگرم کردہ، بعد از و پسرش سید نعمت اللہ باوصاف آبا متصف زیستہ، از و سید وجیہ الدین یادگار و قائم مقام ماندہ فرزند رشیدش قاضی سید شکر اللہ کہ در مجلد ثالث میان احوال ٹھٹھ مذکور گردد"[۵۲]

یہی قاضی سید شکر اللہ شیرازی تھے، جو ۹۰۷ھ مین ہرات سے قندھار آئے، اور ۹۲۷ھ مین قندھار سے سندھ مین تشریف لائے،

۳- امیر جمال الدین عطار اللہ کے عم بزرگوار السید الجلیل امیر اصیل الدین عبد اللہ الحسینی الاسکی الشیرازی کے سلسلے مین تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے کہ

"در علم تفسیر و حدیث و انشا و تالیف شبیہ و نظیر نداشت، در زمان سلطان ابو سعید از شیراز بہ ہرات تشریف آوردہ ہر ہفتہ یک نوبت در مدرسہ مہد علیا گوہر شاد آغا بوعظ خلق می پرداخت، در ماہ ربیع الاول بہ بیان میلاد حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مواظبت نمودہ از مولفاتش شرح درج الدرر بہ سیر سیّد خیر البشر و رسالہ مزارات ہرات مشہور مقدم ربیع الآخر سنہ ثلث و تسع مائۃ وفات کردہ، دو گوہر نامدار ماند صفی الدین محمد و برہان الدین محمد"[۵۳]

---

[۵۱] ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۶۱ [۵۲] تحفۃ الکرام جلد دوم مطبوعہ بمبئی ص ۸ [۵۳] ایضاً ص ۷،

صاحب موصوف ہی کے متعلق صاحب ہفت اقلیم لکھتے ہیں کہ

"بصفتِ اصالت و وفورِ جلالت موصوف و معروف بودہ، در علم حدیث و تفسیر شبیہ و نظیر نداشتہ، در زمان سلطان ابوسعید از شیراز بہ ہرات تشریف بردہ اقامت فرمودہ و باشارۂ آن بادشاہ ہفتہ یک نوبت زبان بوعظ و نصائح می کشود، از مولفاتش کتاب افادت اثر، درج الدرر کہ محتوی است بہ سیر سینۂ خیر البشر و رسالۂ مزارات ہرات بین الجمہور مشہور است[51]"

اس خانوادہ کے اور بھی چند حضرات کا تذکرہ ہفت اقلیم اور تحفۃ الکرام میں آیا ہے، میر اصیل الدین کے ابن عم سید الحکما، المدققین امیر صدر الدین محمد الشیرازی کے متعلق ہفت اقلیم میں آیا ہے کہ

"بجودتِ طبع و دقتِ ذہن از جمیع علمائے متبحرین و فضلائے متاخرین ممتاز و مستثنیٰ بودہ چہ در اندک زمانے از شغل استفادہ فراغت حاصل کردہ آغاز درس و افادہ فرمود، بعد ازان ہمت بر تالیف و تصنیف گماشتہ رسالۂ تحقیق علم و اثبات واجب حاشیۂ شمسیہ و مطالع و حاشیۂ تجرید را در سلک تحریر کشید، و فاتش بعد از فوت سلطان یعقوب در اندک زمانے اتفاق داد[52]"

تحفۃ الکرام بھی تقریباً انہی الفاظ میں رقمطراز ہے[53]

امیر صدر الدین کے فرزند خاتم الحکما، غوث العلما، امیر غیاث الدین منصور شیرازی کے لئے ہفت اقلیم لکھتا ہے کہ

"پرتو آن قمر و ثمر آن شجر است، بعد از پدر بہ دفور علم و دانش بر وسادہ فضیلت تکیہ زدہ صیت مہارتش در علوم حکمی و ریاضی بمسامع علمائے نزدیک و دور رسید و صدائے دانشش

---

[51] ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۷۱، [52] ایضاً ص ۵۹، [53] تحفۃ الکرام جلد ۲ ص ۱۷

باطراف واکناف آفاق اُفتادہ بین الجمہور مشہور گردید"

وصف خورشید از نگوید ہوشمند

فیض نور او بود مدحش پسند

چون فضلائے راالستا والبشر و عقل حادی عشر خواندہ اند، ہر آئینہ تاریخ فوتش مولانا علی حسن ضرا

عقل حادی عشر نماندہ بجا یافتہ[۵۱]"

تحفۃ الکرام میں اس سے زیادہ تفصیل ہے،

" ولادتش تسعمایۃ در خدمت پدر بزرگوار امیر صدر الدین محمد مذکور تحصیل علوم نمودہ، در چہاردہ سالگی داعیہ مناظرہ علامہ دوانی در خود یافتہ وسائل جست، در بیست سالگی از ضبط جمیع علوم فارغ گردیدہ، مدتے منصب صدارت بادشاہی مغفور بوے متعلق بود، در مرتبہ ثانی کہ مجتہد الزمانی شیخ علی بن عبد العالی از عراق عرب متوجہ پایہ سریر خلافت شد، بعضے مفسدان نقاریبا آوردند تا مباحثہ علی ممہد گردید و بخشونت انجامید، بادشاہ حمایت مجتہد الزمانی کردہ میر برنجیدند و بعد روزے چند از منصب صدارت استعفار نمودہ جانب شیراز شدند، و در سنہ ثمان واربعین و تسعمایۃ فوت یافتہ[۵۲]"

تحفۃ الکرام میں حبیب السیر کے حوالے سے اُن کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست درج کی گئی ہے :-

"صاحب حبیب السیر گفتہ کہ از مصنفاتش انچہ بہ نظر رسیدہ، کتاب حجۃ الکلام ہست در آنجا متوجہ اقاویل حجۃ الاسلام غزالی شدہ، و دیگر کتاب محکمات میان تحریر ین علیین والد خود

---

۵۱ ہفت اقلیم مطبوعہ بنگال ص ۲۵۹، و ۲۶۰

۵۲ تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی، ص ۴۲

میر صدرالدین محمد و ملا جلال الدین محمد دوانی و حواشی ایشان بر شرح تجرید مطالع، دیگر محاکمات میان ایشان در حواشی اوائل شرح مختصر اصول عضدی، دیگر شرح بر کتاب ہیاکل انوار، دیگر شرح بر رسالۂ اثبات واجب پدر خود، و کتاب تعدیل المیزان بر منطق کہ خلاصہ منطق شفا است با سوانح طبع نقاد ایشان و کتاب معیار الافکار خلاصہ تعدیل المیزان و کتاب لوامع و معارج در علم ہیأت کہ در محاذات کتاب تحفۂ شاہی است، و آنرا در ہفدہ سالگی تصنیف فرمودہ،

"دیگر کتاب تجرید بر حکمت کہ جمیع مسائل حکمت طبیعی و الٰہی را بعبارت موجزہ مجرد از دلائل ذکر فرمودہ، دیگر رسالہ در معرفت قبلہ، دیگر کتاب معالم الشفاء در طب، دیگر مختصر آن کہ مسمی بشافیہ است، دیگر کتاب سفرویہ در ہیأت دیگر حاشیہ بر الہیات شفا، دیگر حاشیہ باشارات، دیگر حاشیہ بر شرح حکمت العین، دیگر رسالہ در باب خلافت فرزند ارجمند میر صدرالدین محمد، دیگر رد بر حاشیہ شمسیہ علامہ دوانی، دیگر رد بر حاشیہ خلاصۃ التخلیص، دیگر رد بر حاشیہ تہذیب المعزالیہ دیگر رد بر انموذج مشارالیہ، دیگر رسالہ در تحقیق جہات، دیگر رد بر رسالہ زوار مشارالیہ، دیگر رسالہ مشارق در اثبات واجب، کتاب اخلاص مغفوری، دیگر حاشیہ بر اوائل کشاف تفسیر سورہ، دیگر کتاب مقامات العارفین در تصوف و اخلاق کہ باسم فرزند ارجمند میر شرف الدین علی نوشتہ، و رسالۂ نونیہ سلطنت سوائے آن از تصانیفش انچہ در کتب ایشان بتقریبے اسامی مذکور و بعضی علما، از آن خبر دادند کتاب ریاض الرضوان و کتاب اساس در علم ہندسہ وغیر آن،

صاحب حبیب السیر نوشتہ کہ غرض از تفصیل تصانیف حضرت امیر و اظہار تشرف بمطالعہ اکثر آن رد کلام بعضے از افاضل عصر است، مثل ملا ابوالحسن کاشی، و ملا میرزا جان شیرازی کہ مصنفات حضرت میرزا کہ اکثر بواسطہ، نفاست متداول نشدہ بودند، بدست ہر کہ می افتاد

سخنان خوب ما را از آنجا می دزدید ندومی گفتند که از میر غیر نامے نیست و بعضے کتب که در مصنفات متداولہ خود نام آن ما ذکر ساخته اند، وجود خارجی نیافته اند واگر احیاناً یکے ازان کتاب بدست طالب علمے افتاد و بدزدی ایشان مطلع شد، دعوای توارد می کنند واز حضرت استاذ تحریر رحمه الله شنیده که می فرمودند، ملا ابوالحسن شش دلیل از جمله ادله که در رساله اثبات واجب ذکر کرده، وآن را خواص فکر خود شمردی، از شرح هیاکل حضرت امیر انتحال نموده بود، و در ایامے که بالتماس بعض اعزه دسے رساله او می نوشتم اظهار سرقه وانتحال او نمودم آن رساله متروک ساخته رسالۂ دیگر تالیف نمود، آن نیز خالی از سرقه نیست، از آثار مهارت میر در فنون ادعیه وطلسمات نقل، ذوالفقار خان حاکم بغداد است که با بادشاه دین پناه و بنی می ورزید تفصیلش بر السنہ جمهور مذکور و مجملے ازان در رساله قانون السلطنت مسطور،[۱]

ان کے دو فرزند ہوے ایک سید شریف الدین، دوسرے میر صدر الدین، اس خانوادہ کے دو اور بزرگون کا بھی تحفۃ الکرام مین ذکر آیا ہے، یعنی میر نظام الدین احمد و میر حبیب اللہ، یہ دونون حضرات بھی علم و فضل کے لحاظ سے یگانۂ روزگار تھے،

سادات شکر اللہی | قاضی سید شکر اللہ کی نسبت سے میر نظام الدین کا خاندان ٹھٹھ مین سادات شکر اللہی شیرازی کے نام سے موسوم ہوا، اسی خانوادہ کے تقریبًا تمام افراد علم و فضل، نیز دینی مرتبے کی وجہ سے یگانۂ روزگار ہوتے آے ہین آج بھی ان کا خاندان اپنے قدیم محلے مین آباد ہے،

اس موقع پر مین اس خاندان کے چند اور بزرگون کا بھی ذکر کر دینا چاہتا ہون، تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اس خاندان کے مختلف افراد نے سندھ مین آنے کے بعد علم، ادب اور مذہب کی کیا کیا خدمتین انجام دین،

---

[۱] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی، ص ۲، ۳،

سید شاہ ولی | بن سید ابوالقاسم بن سید علی اکبر بن سید عبدالواسع بن سید محمد حسین بن سید شکر اللہ ثانی،

علامہ مخدوم رحمہ اللہ جیسے یگانہ روزگار کے شاگرد تھے، اور بقول صاحب تحفۃ الکرام:۔

"در املا و انشاء و شعر طبیعت صافی و فرحت کافی داشتہ"[۱]

صاحب تحفۃ الکرام میر علی شیر قانع، مقالات الشعراء میں آپ کا ذکر یوں فرماتے ہیں:۔

"بفنون کمالات علمی آراستہ و حلۂ ورع و تقوی پیراستہ اوقات با برکاتش صرف مطالعۂ کتب و

افادۂ تلامذہ می بودہ، بر جادۂ اسلاف مستقیم و میان سادات بہ بزرگی موصوف و بہ حسن

خلق و فرط متانت نزد اکابر و اصاغر معروف"[۲]

صاحب موصوف نے تحفۃ المجالس کے نام سے ایک تصنیف بھی چھوڑی ہے شوال المکرم ۱۱۵۰ھ

کی ۱۴ تاریخ کو رات کے وقت اپنی جاگیر حکمت پور تعلقہ اکرا لہ (سندھ) میں وفات پائی، نعش وہاں

سے لاکر ۱۵ تاریخ کو اُن کے آبائی قبرستان میں دفن کی گئی، اُن کے ایک شاگرد لطف اللہ نے "قد فات

فی عشقہ" سے تاریخ وفات نکالی ہے، مقالات الشعراء میں اُن کے دو فارسی شعر بھی نمونہ کے طور پر دئیے

گئے ہیں، تذکرہ علماے ہند میں بھی ۲۵۰ صفحہ پر ان کا ذکر آیا ہے، اُن کے دو فرزند ہوئے، ایک سید محمد ناصر،

دوسرے سید محمد سراج الدین،

میر سراج الدین | میر سراج الدین بھی بہت اچھے شاعر ہوئے ہیں، تاریخ گوئی میں ان کو خاص دستگاہ

حاصل تھی، تحفۃ الکرام میں درج ہے، کہ

"با وصاف اسلافش متصف، جانشین و یادگار بزرگان است، بہ محامد اخلاق موصوف مشارٌالیہ

سائرٗ اولاد جد می باشد، طبیعت شعر دارد و در استخراج تواریخ نیکو مہارت می نماید"[۳]

سید غلام اولیا | بن سید عنایت اللہ بن سید اسد اللہ بن سید عنایت اللہ بن سید عبدالرحمن بن سید

---

[۱] تحفۃ الکرام جلد ۳ ص ۱۹۵ مطبوعہ بمبئی [۲] مقالات الشعراء قلمی ... [۳] تحفۃ الکرام مطبوعہ بمبئی جلد ۳ ص ۱۹۵

ظہیر الدین والاسلام عرف میر جادم بن سید شکر اللہ اول بہت بڑے بزرگ اور اہل دل گذرے ہیں، اُن کے متعلق تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے کہ

"در عین جوانی بتحصیل علوم ظاہر و باطن متوجہ شدہ بہ اتقار و تورع درجۂ علیا حراندختہ...

صاحب خوارق کلیہ برآمدہ، مجرد در عین رشد جہان فانی را بدرود کردہ، جماعۃ مخصوصہ از ذمند

ماند اہبیت و یکم ہر ماہ مطابق روز وفاتش مجمع ارادت مند بزیارتش ختم و اطعام بعمل آورند

وکشف مہمات می نمایند"[1]

سید محمد ناصر ابن سید عطاء اللہ بن سید نعمت اللہ بن سید نظام الدین بن سید نور محمد بن سید شکر اللہ ثانی بن سید ظہیر الدین بن سید قاضی شکر اللہ اول، زہد و تقوی میں "اعجوبۂ روزگار" تھے، تحفۃ الکرام میں ہے کہ انھوں نے زندگی بھر کسی عورت کا منہ نہیں دیکھا، اس حد تک معصوم تھے، کہ جانوروں میں بھی نر و مادہ کی تمیز نہیں تھی، سلسلۂ نقشبندیہ میں وہ کامل تھے، اور عقیدت مندوں کی بہت کثرت تھی، جن کی حاجت روائی فرماتے رہتے تھے،

ایک دفعہ ٹھٹھ میں خشک سالی ہوئی، لوگ بہت پریشان ہوئے، مزارات اور مقابر پر جاکر دعائیں مانگنے لگے کسی صاحب کو خواب میں بشارت ہوئی، کہ جس شخص نے کبھی عورت کا منہ نہ دیکھا ہو اسے نماز استسقار پڑھانی چاہئے تاکہ باران رحمت کا نزول ہو، لوگ اُن کے پاس آئے، والدۂ محترمہ کے ارشاد سے انھوں نے تین دن تک نماز پڑھائی، اور دعائیں مانگیں تاآنکہ ابر رحمت جوش میں آیا، اور گوہر مقصود حاصل ہوا،

سید نظام الدین کے جد دوم یعنی سید نور محمد کے دوسرے بھائی سید ظہیر الدین جادم ثانی کی اولاد میں بھی بہت سے اہل کمال پیدا ہوئے،

---

[1] تحفۃ الکرام جلد سوم ص ۱۹۶، مطبوعہ

سید محمد کاظم | بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین ثانی کے متعلق تحفۃ الکرام مین ہے کہ

"عجائب احوالات داشتہ احیاناً دو، دو، سہ، سہ روز وشب درخواب کہ مین بیداری توان

انگاشت بخلوت بودی، وذکر قلبی، از مردم مسموع کردی، آخرہا خود با فاقہ رسیدے ہم چنین

کمالات دیگر داشت، از احصار افزون باشد"[1]

صاحب تحفۃ الکرام | میر سید علی شیر بن سید عزت اللہ بن سید محمد کاظم بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین بھی

اسی سلسلہ عالیہ کے ایک جوہر تابندہ اور گوہر درخشندہ تھے تحفۃ الکرام، مقالات الشعراء اور کئی دیگر تصانیف

انھون نے یادگار چھوڑی ہین، اگر وہ تحفۃ الکرام، اور مقالات الشعراء نہ لکھتے تو آج سندھ کی سیاسی اور

ادبی تاریخ سے ہم قطعی نابلد رہتے،

میر عظیم الدین | اس خانوادہ کی ایک اور عظیم شخصیت میر عظیم الدین نام کی ہے، جس کا سلسلہ یون ہے، سید

عظیم الدین بن سید یار محمد بن سید عزت اللہ بن سید محمد کاظم بن سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین ثانی یہ بھی ایک

بلند پایہ شاعر وادیب تھے، ایک دیوان، ایک مثنوی میر رانجھا، اور ایک منظوم تاریخ موسوم بہ فتح نامہ ان

کی یادگار ہین،

غرض سید نظام الدین مؤلف فتاوی عالمگیری کا تمام خاندان شیراز، ہرات اور قندھار سے

لے کر سندھ تک کئی صدی برابر علم وفضل کے دریا بہاتا، اور دین کی بیش بہا خدمات انجام دیتا رہا،

(۲) قاضی ابو الخیر ٹھٹھوی

سید نظام الدین کے بعد فتاوی عالمگیری کے مؤلفین مین قاضی ابو الخیر ٹھٹھوی کا نام آتا ہے

یہ بزرگ بھی سندھ کے مشہور مردم خیز اور تاریخی شہر ٹھٹھ کے باشندے تھے،

یہ ٹھٹھ کے مشہور عالم اور بزرگ علامہ مخدوم فضل اللہ کے فرزند تھے، جن کے متعلق تحفۃ الکرام

---

[1] تحفۃ الکرام قلمی ص ۵۵۶،

میں ہے کہ

"جامع فضائل قدسیہ، حاوی معارف انسیہ، محل زہد و ورع و تقوی بودہ، ہموارہ بدرس علامہ اشتغال ورزیدی"[۱]

تاریخ معصومی[۲] اور مآثر رحیمی[۳] میں بھی تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ اسی طرح ان کی تعریف کی گئی ہے، وہ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی ترخان کے معاصر تھے، ان کے فرزند مخدوم الخیر کے بیٹے تحفۃ الکرام کا مصنف بیان کرتا ہے کہ

"در زمانہ خویش طالب علم کامل برآمدہ، در فتاوی عالمگیری شریک استنباط مسائل شد"[۴]

ان کے ایک فرزند ہوا ملا اسحاق جو خود بھی بقول تحفۃ الکرام جامع کمالات تھا، ان کے ایک بیٹا کمال الدین ہوا، جس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی،

۱؎ تحفۃ الکرام قلمی ص ۲۲۰ ۲؎ معصومی ڈاکٹر عمر محمد داؤد پوتہ صفحہ ۲۱۰ ۳؎ مآثر رحیمی ۳۳۰ بنگال ۴؎ تحفۃ الکرام قلمی، صفحہ ۹۳

نماز اور خشوع

از

مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۴)

شیخ محی الدین ابن عربی نے خشوع کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ اوپر نقل کیا جا چکا ہے، اس کے علاوہ اور دوسرے متاخرین علما و صوفیہ نے بھی اپنی اپنی کتابون مین خشوع پر بحث کی ہے لیکن ان کے بیانات مین زیادہ تر متقدمین ہی کے اقوال کا اعادہ یا انھی کی تعبیرات کو اپنے الفاظ مین پیش کیا گیا ہے، اس لئے تکرار سے بچنے کے لئے ہم ان کے بیانات کو نظر انداز کرتے ہین، البتہ ابن رجب حنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) نے ایک چھوٹا سا رسالہ "الخشوع فی الصلوٰۃ" لکھا ہے جس مین کچھ نئی باتین بھی ملتی ہین، اس لئے اس رسالہ کا جستہ جستہ کچھ حصہ ہم یہان نقل کرتے ہین،

یہ رسالہ نظر سے اس وقت گذرا جب مضمون کی پہلی قسط پریس مین جا چکی تھی، اس لئے بعض چیزین جنھین مضمون کی ترتیب کے لحاظ سے مقدم ہونا چاہئے تھا، ہمین موخر کرنی پڑین، مگر بہر نوع مقصد استفادہ ہے جس کے لئے تقدیم و تاخیر کوئی ضروری شرط نہیں، یہ کیفیت کس طرح پیدا ہو، اس کے متعلق لکھتے ہین :-

"وہ خشوع جو قلب مین پیدا ہوتا ہے، اس کا ذریعہ ذاتِ الٰہی کی معرفت، اس کی عظمت اور اس کے جلال و کمال کا عرفان ہے، پس جسے جتنی ہی یہ معرفت حاصل ہو گی

وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا ہی خاشع ہوگا"

لیکن جن لوگون کو یہ کیفیت حاصل ہوجاتی ہے، یہ ضروری نہین ہے کہ ان مین سے ہر شخص کا حال یکسان ہو، اس لئے کہ خدا کے جن صفات کے تصور سے قلب مین خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ صفتین مختلف ہین، ان مین سے قلب کو جس صفت کا مشاہدہ اور عرفان زیادہ ہوگا، اس کے اوپر اسی صفت کا عکس زیادہ نمایان ہوگا، چنانچہ اس تمہید کے بعد وہ لکھتے ہین :-

"بعض لوگون مین خشوع اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ یہ قوت مطالعہ رکھتے ہین کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ سے بالکل قریب ہے، اور اس کے ہر بھید اور راز کی اطلاع رکھتا ہے، (اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا مطالعہ) اس سے شرم وحیا اور (بندہ کے) تمام حرکات وسکنات مین اس کی دیکھ بھال رکھنے (کے تصور پیدا کرانے) کا باعث ہوتا ہے،

اور بعضون مین خشوع اس کی صفت جمال وکمال کے مشاہدہ سے پیدا ہوتا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کی محبت مین محویت اور اس کی ملاقات ودیدار کا شوق پیدا ہو، بعضون مین خشوع کا باعث اس کے قہر وغضب اور جزا وسزا کا تصور ہوتا ہے جس کا تقاضا ہوتا ہے کہ اس سے خوف ودہشت پیدا ہو،

اسی اختلاف حال ہی کی وجہ سے مختلف علما، وصوفیہ نے خشوع کی مختلف تعبیرین کی ہین، ورنہ مآل ونتیجہ کے اعتبار سے سب کی تعبیرات کا مقصد ایک ہی ہے،

یہ بحث تمام کرنے کے بعد قرآن وحدیث، آثار صحابہ اور اقوال سلف کی روشنی مین خشوع کی عمومی تشریح اور "خشوع فی الصلوٰۃ" (نماز مین خشوع) کی اہمیت وفضیلت بیان کی ہے، اور آخر مین بہت ہی تفصیلی طور سے نماز کے ان ارکان وآداب اور مواقع کو بتایا ہے، جہان پر خشوع کا اظہار بہت ضروری ہے، مثلاً قیام، رکوع، سجدہ اور دعا وغیرہ مضمون طویل ہوتا جارہا ہے، اس لئے ہم صرف انہی اشارات پر اس بحث کو ختم کرتے ہین،

نماز میں خشوع مستحب ہے یا واجب؟ نماز اور نماز کے علاوہ ہر شرعی کام میں کیفیتِ خشوع کی موجودگی اور اس کی اہمیت و فضیلت پر تمام محدثین، فقہاء، اور صوفیہ کا اتفاق ہے، لیکن نماز میں فقہی تقسیم فرض، واجب اور مستحب کے لحاظ سے اس کو کون سا درجہ حاصل ہے، اور بغیر خشوع کی پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ کیا جائیگا، یا نہیں؟ اس بارے میں ان کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے،

عام فقہاء و محدثین تو خشوع کے استحباب ہی کے قائل ہیں لیکن بعض علماء اور متکلمین کا رجحان اس کے وجوب[۵] کی طرف ہے، ہم دونوں کے بیانات اور دلائل نقل کرنے کے بعد ان میں تطبیق دینے کی کوشش کریں گے،

جو لوگ استحباب کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں، کہ

(۱) جس طرح ہم منافق و ریاکار کی نماز کو باطل قرار نہیں دیتے، بلکہ سب متفق طور سے کہتے ہیں کہ اس کے ذمہ سے فرض ادا ہو گیا، اور وہ شرعی تعزیر کا مورد نہیں رہا، اسی طرح اگر کوئی مسلمان خشوع و خضوع، اور حضور قلب کے بغیر نماز پڑھے، تو بدرجہ اولیٰ اس کی نماز کو فاسد نہیں قرار دیا جا سکتا، اور نہ اس کو تارکِ صلوٰۃ قرار دے کر سزا دیجا سکتی ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ نماز عنداللہ مقبول ہو گی یا نہیں، ہم اس کے مکلف نہیں ہیں،

(۲) حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، تو شیطان اس کے دل میں مختلف قسم کے وسوسے اور بُرے بُرے خیالات ڈالتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اُس . . . . . . آدمی کو یہ یاد نہیں رہتا، کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں، جب ایسا محسوس ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ سجدۂ سہو کرلے،

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خشوع اور حضور قلب نماز میں مستحب ہے، شرط و واجب نہیں، ورنہ اگر یہ شرط و واجب ہوتی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کے اعادہ کا حکم دیتے نہ کہ صرف سجدۂ سہو کا،

---

[۵] وجوب یعنی شرط ہے،

جو لوگ وجوب کے قائل ہیں، مثلاً ابوطالب مکی، سفیان ثوریؒ، حسن بصریؒ، امام غزالی، امام رازی وغیرہ، ان کے دلائل حسب ذیل ہیں:-

(۱) قرآن نے اس آیت اقم الصلوٰۃ لذکری میں امر (حکم) کا صیغہ استعمال کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے، کہ نماز ذکر الٰہی کے لئے ہی پڑھنی چاہئے، اور ذکر الٰہی کے لئے حضور قلب ایک ضروری شرط ہے، اب جو غفلت کے ساتھ نماز پڑھتا ہے، وہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتا ہے،

(۲) قرآن نے ان آیات وَلَا تَکُن مِنَ الغَافِلِین (غافلین میں سے نہ ہو) اور فَوَیلٌ لِلمُصَلِّین الَّذِینَ هُم عَن صَلَاتِهِم سَاهُونَ (ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہو، جو نماز کے بارے میں سستی اور غفلت سے کام لیتے ہیں) میں نماز کے اندر غفلت سستی اور عدم حضور سے روکا ہے، اور ایسا کرنیوالوں کے لئے وعید فرمائی ہے، کیونکہ یہ چیزیں خشوع کے منافی ہیں،

(۳) اس آیت الم یان الذین آمنوا ان تخشع قلوبهم لذکر الله (کیا اس کا وقت نہیں آیا، کہ لوگوں کے دل اللہ کو ذکر کیلئے جھک جائیں) میں ان لوگوں پر مزید وعید کی گئی ہے، جو خشوع وخضوع کے بغیر نماز پڑھتے ہیں، اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں من جملہ اور اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا، کہ صحابہ کرام سے خشوع کے خلاف کچھ افعال سرزد ہو گئے تھے، اس پر یہ آیت اتری، اگر خشوع نماز میں کوئی ضروری شرط نہ ہوتی، تو یہ وعیدیں کیوں کیجاتیں ؟

(۴) حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یتخشع (جس کی نماز خشوع سے خالی ہے، اس کی نماز کچھ نہیں ہے) میں صاف طور سے اس نماز کو جو خشوع سے خالی ہو بے حقیقت تبلایا گیا ہے،

سفیان ثوری سے منقول ہے من لم یتخشع فسدت صلاتہ (جو نماز خشوع کے ساتھ نہ پڑھے، اس کی نماز فاسد ہے) حسن بصری سے مروی ہے۔

کُلُّ صَلَاۃٍ لَا یَحضُرُ فِیهَا القَلب ہر وہ نماز جو حضور قلب کے بغیر پڑھی گئی ہو

یُجِیُ اِلَی العقوبۃ اَسْرَعُ، وہ انعام واکرام کے بجائے سزا و عقوبت کی طرف زیادہ تیزی سے لیجانے والی ہے،

نقلی دلائل کے علاوہ اُن کے پاس عقلی وذوقی دلائل بھی ہیں، وہ کہتے ہیں :-

اعضاء کی ظاہری حرکت نماز کا جسم اور خشوع اوس کی روح ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ بغیر روح کے جسم کا قیام ناممکن ہے،

(۲) حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ نماز بندہ کی طرف سے ایک نیاز اور تحفہ ہے، جسے وہ بارگاہ رب العزت میں پیش کرتا ہے اس لئے اُسے چاہئے کہ وہ بہتر سے بہتر صورت میں پیش کرے، ورنہ اس کی نماز اعزاز واکرام کے بجائے عتاب وعقاب کا سبب بن جائے گی،

(۳) اللہ تعالیٰ نے ان آیات قد افلح المومنون الذین ھُمْ فی صلاتھم خاشعون میں مومنین کی فلاح اور وراثت جنت کو جن صفات پر معلق ومشروط رکھا ہے، ان میں سے ایک خشوع بھی ہے،

اگر یہ کوئی بہت اہم صفت نہ ہوتی، تو فلاح وصلاح کو ایک ساتھ مشروط کیوں کیا جاتا؟

(۴) امام غزالی فرماتے ہیں کہ تمام عبادات میں نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں حضور قلب، حضور ذہن اور طمانیت وسکون ایک ضروری ولازمی شرط ہے، مثلاً اگر کوئی شخص حضور قلب کے بغیر بھی زکوٰۃ ادا کردے، تو اس کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، اور اس میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، اسی طرح روزہ وحج بھی، لیکن نماز بغیر اس صفت کے نہیں ادا ہوسکتی، اس لئے نماز میں عبد اپنے معبود سے ہم کلام ہوتا ہے، اور ہم کلامی قلب وذہن کے حضور وشہود (جس کا دوسرا نام خضوع وخشوع ہے) کے بغیر ناممکن ہے،

لیکن یہ وجوب واستحباب کا اختلاف بالکل نزاع لفظی کے مرادف ہے، فقہاء جو بغیر

خشوع نماز کے جواز کے قائل ہین، اس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس نے بغیر خشوع نماز پڑھی ہو وہ قانون کی گرفت سے بری ہوگیا، اب ہم اُسے تارک الصلوٰۃ نہین کہہ سکتے، یہ اور بات ہے کہ اس کی نماز مقبول ہوئی یا نہین یا اوسے اس کا اجر و ثواب ملے گا یا نہین ؟ اور جو لوگ اوس کے وجوب کے قائل ہین ان کا مقصد یہ ہے کہ خشوع جو روح صلوٰۃ ہے، اگر نماز مین وہ روح ہی مفقود ہے، تو گو وہ قانون کی زد سے نکل جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہان کسی اجر و ثواب کا مستحق کیسے ٹھہر سکتا ہے، اور اس بے روح عبادت کو عبادت کیسے کہا جا سکتا ہے ؟ تو دونون استحباب و وجوب کے قائل دو حیثیتون سے ہین، ایک کے پیش نظر صحت عند العباد ہے، اور دوسرے کے پیش نظر صحت عند اللہ، اس لئے مختصر الفاظ مین یہ کہنا چاہئے کہ خشوع شرط قبولیت ہے، شرط جواز نہین،

حیاتِ شبلی
حصۂ اول

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری نہین ہے، بلکہ اس مین ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی...... علمی، تعلیمی، ادبی، اصلاحی اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت اُس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی اور تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبۂ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علماء کے حالات جمع کئے گئے ہین،...... ضخامت مع مقدمہ و دیباچہ ۹۲۰ صفحے

کاغذ اور طباعت اعلیٰ، قیمت :- غیر مجلد علاوہ محصول ڈاک صرف آٹھ روپیہ مجلد للعہ

"منیجر"

لفظ فتنہ اور قرآن مجید

از

مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی استاذ مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور

(۳)

(۲) مال و اولاد فتنہ ہے :-

۱- یاایھا الذین آمنوا لا تخونوا اللہ والرسول وتخونوا اماناتکم وانتم تعلمون واعلموا انما اموالکم واولادکم فتنۃ وان اللہ عندہ اجر عظیم (انفال ۲۸،۲۷)	اے ایمان والو اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو، اور دانستہ اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو، اور یقین مانو کہ تمہارا مال اور اولاد فتنہ ہے، اور یہ کہ خدا وند تعالیٰ کے یہاں بڑا اجر ہے۔
۲- انما اموالکم واولادکم فتنۃ واللہ عندہ اجر عظیم (تغابن - ۱۵)	تمہاری دولت اور اولاد بس تمہارے لئے آزمایش کی چیز ہے، اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے،
۳- فاذا مس الانسان ضر دعانا ثم اذا خولناہ نعمۃ منا قال	پس جس وقت انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، تو ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم

إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ	اسے کسی نعمت سے نواز دیتے ہیں، تو کہتا ہے
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ،	یہ تو مجھے اپنی تدبیر سے ملی ہے، بلکہ وہ
(زمر ۴۹-۴۹)	فتنہ ہے لیکن اُن میں سے اکثر اسے نہیں سمجھتے
۴- وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ	اور یہ کہ اگر وہ لوگ راستہ پر قائم رہتے،
لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا لِّنَفْتِنَهُمْ	تو ہم نے اُن کو زیادہ سے زیادہ پانی سے
فِيهِ الآيه (جن ۱۶، ۱۷)	سیراب کیا ہوتا تاکہ اس میں انھیں آزمائیں
۵- وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا	اور تو اپنی نگاہ ان چیزوں کی طرف نہ ڈال
بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا	جس سے ہم نے کفار کے مختلف گروہوں
لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ	کو متمتع کر رکھا ہے، ان کی آزمائش کے لئے
وَأَبْقَىٰ،	دنیوی زندگی کی رونق ہے اور تیرے
(طٰہٰ - ۱۳۱)	پروردگار کا عطیہ بہتر اور دیرپا ہے،

اوپر جو آیتیں نقل کی گئی ہیں ان میں کہیں مال اور اولاد دونوں کو اور کہیں صرف مال کو فتنہ ٹھہرایا گیا ہے اور پہلو ہر جگہ یہی ہے، کہ ان کی محبت میں غلو حق و صداقت کی راہ سے انحراف کا باعث ہے، اس لئے یہ چیزیں فتنہ ہیں،

(۳) اسلامی جماعت کے خلاف داو و دہش بھی فتنہ ہے،

۱- لَوْ خَرَجُوا فِيكُم مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا	اگر وہ تمھارے ساتھ نکلے ہوتے تو سوائے
وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ	اس کے کہ اور دونا فساد کرتے، اور کیا
وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ	ہوتا، اور تمھارے درمیان فتنہ پردازی
بِالظَّالِمِينَ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ	کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے، اور

مِنۡ قَبۡلُ وَقَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ حَتّٰى جَآءَ الۡحَقُّ وَظَهَرَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ، (توبہ - ۷)	اُن کے کچھ جاسوس موجود ہیں، اور ان ظالموں کو اللہ خوب سمجھے گا، انھوں نے تو پہلے جنگ احد وغیرہ میں بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی اور آپ کی کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے ہی رہے، یہاں تک کہ سچائی کا وعدہ آگیا اور اللہ کا حکم غالب رہا، اور ان کو ناگوار ہی گذرتا رہا،
۲- وَلَوۡ دُخِلَتۡ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَقۡطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الۡفِتۡنَةَ لَاٰتَوۡهَا وَمَا تَلَبَّثُوۡا بِهَاۤ اِلَّا يَسِيۡرًا ۝ (احزاب - ۱۴)	اور اگر مدینہ میں اس کے اطراف سے ان پر کوئی آجائے، پھر اُن سے فساد کرنے کی درخواست کرے تو یہ اُسے منظور کر لیں گے، اور اس میں ذرا بھی دیر نہ کریں گے،
۳- سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ كُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا ۚ (نساء - ۹۱)	بعضے ایسے تم کو ملیں گے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں، اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں، جب کبھی شرارت کی جانب انھیں لے جایا جاتا، وہ اس میں گر پڑتے ہیں،

مندرجہ بالا آیتوں میں مخالفین کی ان ریشہ دوانیوں کو جو اسلامی جماعت اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف وہ عمل میں لاتے تھے، انھیں فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے، ہوتا یہ تھا کہ جب جہاد کے لئے نفیر ہوتی تو منافقین خود بھی میدانِ جنگ میں جانے سے گریز کرتے، اور دوسرے مجاہدین کے سامنے بھی ایسی باتیں کرتے، کہ اُن کے حوصلے پست ہو جائیں، اور وہ بھی شریک جہاد نہ ہوں،

۴۔ فراوانی مال اور محرومی مال دونوں فتنہ ہیں:

۱۔ کُلُّ نَفْسٍ ذائقۃ الموت و نَبْلُوکم بالشر والخیر فتنۃ و الینا ترجعون، (انبیاء۔ ۳۵)	ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا، اور ہم تم کو بری بھلی حالت سے آزمایش کے لئے گذارتے ہیں، اور ہماری طرف تم پلٹائے جاؤگے،

مذکورۂ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کبھی مال و دولت سے نواز کر آزماتا ہے، اور کبھی سلبِ نعمت سے امتحان کرتا ہے، کامیاب انسان وہ ہے جو دولت کی ریل پیل کی صورت میں شاکر اور فقر و فاقہ سے دوچار ہونے کی حالت میں صابر رہے،

(۵) مومن کی بدحالی کافر کے لئے فتنہ ہے،

۱۔ وکذٰلک فتنا بعضھم ببعض لیقولوا اھٰؤلاء منّ اللہ علیھم من بیننا الیس اللہ باعلم بالشاکرین، (انعام۔ ۵۳)	اور اسی طرح ہم نے ان میں سے بعض کو بعض سے آزمایا ہے تاکہ وہ کہیں، کیا یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے ہمارے درمیان سے احسان کے لئے چن لیا ہے، کیا خدا شاکر بندوں سے واقف نہیں ہے،
۲۔ وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انھم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق وجعلنا بعضکم لبعض فتنۃ اتصبرون وکان ربک بصیرا (فرقان۔ ۲۰)	اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے، سب کھانا بھی کھاتے تھے، اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے، اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمایش بنایا ہے کیا تم صبر کروگے؟ اور تیرا پروردگار دیکھ رہا ہے،

اوپر کی دونوں آیتوں میں مومنین کی فاقہ مستی کو کفار کے لئے وجہ فتنہ قرار دیا گیا ہے، یہ صورت حال اُن کے لئے وجہ فتنہ اس بنا پر تھی کہ وہ ہر چیز کو مادی عینک سے دیکھنے کے عادی تھے جب وہ قرآن پاک کا یہ دعویٰ سنتے، کہ مسلمان ہی کامیاب ہیں، اور دوسری طرف ان کی یہ بدحالی دیکھتے تو کہتے یہ ہو نہیں سکتا، کہ یہ خدا کے محبوب ہوں، حالانکہ محبوبیتِ الٰہی کے لئے تارونیت (خوشحالی) شرط نہیں ہے، مگر انھوں نے یہی معیار ٹھہرا لیا تھا، اور اسی پر اخروی زندگی میں بھی اپنے کو مسلمانوں کے مقابل کامیاب بتاتے،

آیت وَلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰی رَبِّیْۤ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی (حٰمٓ سجدہ ۵) کا ٹکڑا ان کی اس ذہنیت کا کھلا ہوا ثبوت ہے،

۲- سلبِ حکومت بھی ایک فتنہ ہے،

۱- وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا	اور ہم نے سلیمان کو امتحان میں ڈالا،
عَلٰی کُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ	اور ہم نے اُن کے تخت پر دھڑ ڈال دیا،
(صٓ ۳۴)	پھر انھوں نے رجوع کیا،

ابتلا غایتِ تخلیق ہے، اس سے انبیائے کرام بھی نہیں بچے ہیں، بلکہ جس طرح ان کے درجے سوا ہیں، اُسی طرح اُن کی آزمائشیں بھی شدید ہیں،

ع جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

اور اس منزل سے تمام انبیا گذارے گئے ہیں، حضرت سلیمانؑ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے ان کی آزمایش اس طرح ہوئی، کہ ان کو جو عظیم الشان سلطنت بخشی گئی تھی، وہ اُن سے چھن گئی لیکن اس پر انھوں نے جزع فزع نہیں کیا، بلکہ خدا کی جناب میں رجوع کیا، اور ان کی زبان پر یہ کلمات

رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ	اے پروردگار میرے مناسب حال حکومت بخش،

من بعدی انک انت الوہاب تو بڑا بخشنے والا ہے،

جاری تھے، ان سے سلب حکومت کے سلسلہ میں جو تفصیل عام طور سے مشہور ہے، وہ صحیح نہیں ہے، قرآن سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ کسی غلطی پر تنبیہ کی گئی تھی، اس پر انھون نے انابت کی، اور اس کے دوبارہ حاصل ہونے کے لئے دعا کی، جو قبول ہوئی، چنانچہ بعد کی آیتون میں کھلی ہوئی تصریح موجود ہے، سلب حکومت انسان کے لئے بہت بڑا امتحان ہے، عام انسان مشکل سے اس کا متحمل ہو سکتا ہے، لیکن حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ سے صبر و ضبط کا دامن نہیں چھوٹا، اور اس موقع پر بھی ان کی عقل نے صحیح رہبری کی،

۱۲- عذاب دنیوی سے دوچار ہونے کو بھی فتنہ کہا گیا ہے،

۱- ولقد فتنا قبلھم قوم فرعون وجاءھم رسول کریم (دخان - ۱۷)	اور بلاشبہ ان (مکہ والون) سے پہلے فرعون کی قوم کو ہم نے فتنہ (عذاب) سے دوچار کیا اور ان کے پاس اس سے پہلے خدا کا شریف فرستادہ (موسیٰ) ان کی اصلاح و درستگی کے لئے آچکا تھا، لیکن انھون نے اُسے قبول نہیں کیا، بلکہ اُسے جھٹلایا
۲- وحسبوا الا تکون فتنة فعموا وصموا ثم تاب الله علیھم ثم عموا وصموا کثیر منھم والله بصیر بما یعملون، (مائدہ - ۱۰۰)	اور وہ اس زعم میں مبتلا ہو گئے، کہ فتنہ (عذاب) ان پر نہ پھوٹے گا، کہ اس کی زد میں آئین پس اس سے اور وہ اندھے اور بہرے ہو گئے، پھر اللہ اپنی رحمت کیساتھ ان پر لوٹ آیا، پھر بھی ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے بنے
۳- لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم	پیغمبر کے بلاوے کو باہم ایک دوسرے کو پکارنے

كُلُّ عَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ	کے درجہ مین نہ ٹھہراؤ، خدا تم لوگون مین سے
الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا	ان لوگون کو خوب جانتا ہے، جو احکام
فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ	رسول کی تعمیل سے بچنے کے لئے آڑ مین
اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ	ہو کر کھسک جایا کرتے ہین، ان لوگون
عَذَابٌ اَلِيْمٌ،	کو جو اس کے حکم سے الگ ہوجایا کرتے ہین
(نور-۶۳)	انہین فتنہ (عذاب) سے دوچار ہونے
	یا دردناک عذاب کی زد مین آنے سے
	ڈرتے رہنا چاہئے،

اوپر کی آیتون مین سے پہلی آیت مین کفار مکہ کو فرعون کی قوم کی طرح عذاب سے دوچار کرنے کی دھمکی دی گئی ہے، اس لئے کہ تکذیب دعوت مین وہ اُن کے نقش قدم پر چل رہے ہین، بتعبیر دیگر فرعون اور اس کا جتھا موسیٰؑ کی دعوت حقہ کے جھٹلانے کے سبب تباہ ہوا، اور یہ مکہ والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق و صداقت کے جھٹلانے کے سبب ہلاک ہون گے، اور دوسری آیت مین یہود کے تکذیب رسل اور قتل انبیاء کے جرائم ذکر کرنے کے بعد ان کی ان شرارتون کی وجہ یہ بتائی گئی ہے، کہ اُن کے دلون سے عذاب الٰہی کا خوف بالکل جاتا رہا تھا، اور وہ یہ سمجھنے لگے تھے، کہ خواہ ہم جو کچھ کرین ہم پر کسی طرح کی آفت نہ آئے گی، تیسری آیت مین ان لوگون کو جو حلقۂ اسلام مین داخل ہونے کے باوجود احکام الٰہی کی تعمیل سے کاوا کاٹا کرتے تھے، اس حرکت پر عذاب پھوٹ پڑنے کی دھمکی دی گئی ہے، دیکھئے مندرجۂ بالا تینون آیتون مین ہر جگہ لفظ "فتنہ" عذاب دنیوی ہی کے مفہوم کو شامل ہے، پہلی جگہ قوم فرعون کو عذاب (دنیا مین) سے دوچار کرنے کے معنی مین اور دوسری جگہ یہود کے دنیوی عذاب سے نڈر اور مطمئن ہونے کے موقع پر اور تیسری جگہ منافقین پر احکام الٰہی کی تعمیل مین سہل انکاری کے سبب عذاب آدھمکنے کے مقام مین،

از

جناب مفتی جلال الدین صاحب ایم اے صدر مفتی ریاست کشمیر

عموی المکرم والمعظم :- السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مین نے آپ کو عم سے خطاب کیا ہے اس لئے کہ میرا ظن غالب ہے کہ آپ قبلہ ام عموی المرحوم قاضی سعد الدین صاحب کے یارِ طریقت و برادر تلمذ ہین، علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ قاضی صاحب مذکور کے ذریعہ شرفِ ملاقات حاصل کر چکا ہون، لیکن اس وقت جب کہ مین چھوٹا تھا، اور سنِ تمیز کو نہین پہنچا تھا، اس بات کا فخر حاصل ہے، کہ علامہ مرحوم نے ہمارے غریب خانہ مین اپنی قیمتی اور مقدس عمر مین سے کچھ دن گذارے ہین، اس لئے اس بڑے مکین نے ہمارے مکان کو شرف بخشا ہے، مین قاضی سعد الدین صاحب کا برادر زادہ ہون، اور اپنے خاندان مین مین ایک فرد ہون، جو جامع شرق وغرب ہوا، مین نے پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل و منشی فاضل ایم اے عربی، اور ایم اے فارسی کے علاوہ بی اے مع انگریزی آنرز و علوم ریاضی پاس کیا ہے، یہان کے سکالری کالج مین پروفیسر عربی و فارسی ہون، گو آج کل سیاسی عتاب کی وجہ سے معطل کیا گیا ہون،

فتویٰ دہی و قضا گری ہمارے خاندان مین احمد شاہ دُرانی کے وقت سے نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی ہے، اگرچہ سوداگری کا پیشہ چھوڑ کر درس و تدریس اور تعلیم و تعلم کا پیشہ اس سے بہت مدت پہلے اختیار کیا گیا تھا، یعنی اس خاندان کے جدِ اعلیٰ خواجہ بہاء الدین خوارزمی فاروقی اکبر بادشاہ کے ندما

مین سے تھے، اور عالمگیر اورنگزیب کے وقت تک یہ خاندان تجارت پیشہ تھا، جب کہ مولوی خیرالدین ابوالخیر نے آبائی پیشہ چھوڑ دیا، اور علم و عرفان کی طرف مائل ہوکر سرچشمۂ شریعت و طریقت ہوئے، فقہ کی مشہور کتاب عالمگیری مرتب کرنے والون مین ممتاز درجہ رکھتے تھے، وہ آستانہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی مین مدفون ہین، اُن کے فرزند مولانا معزالدین امان اللہ شہید نے پدر بزرگوار سے بھی زیادہ عزت و شہرت حاصل کی، اپنے زمانہ کے شیخ الاسلام تھے، چنانچہ شیخ الاسلام سے ہی تاریخ وفات کا حساب لگایا جاتا ہے، نادر شاہ و محمد شاہ کی جنگ مین شہید ہوئے، مفتی صدرالدین خان آزردہ صدر الصدور دہلی ان کے برادرزادہ تھے،

اس تمام بکواس سے میری مرادیہ ہے کہ عربی و فارسی کے ساتھ ہمین موروثی میلان ورجحان ہائی انہی کی درس و تدریس اور ان کے ساتھ شغل و شغف ہمارا پیشہ اور ذریعۂ معیشت رہا ہے، مین نے اپنے بزرگون کی تقلید کی کوشش کی، اور اپنے والد ماجد قاضی ضیاء الدین صدر مفتی و دیگر اعمام اولی الاحترام قاضی سعدالدین صاحب، قاضی شریف الدین صاحب و مفتی امان اللہ صاحب سے مستفید ہونے کی کوشش مین کوئی کمی نہین کی، لیکن مین یہ نہین کہہ سکتا ہون، کہ پوری طرح کامیاب ہوا، اس لئے مین مجبور ہون کہ مین یہ کہون کہ وذاک ابی اورھا انا کے لئے کسی طرح بھی لائق نہین ہون،

الغرض مین نے اپنے متعلق بہت کچھ عرض کردیا، قاضی سعدالدین و مفتی امان اللہ ہندوستان سے فارغ التحصیل ہوکر آئے تھے، علامہ شبلی کے ساتھ دوستی و برادری قائم کرچکے تھے، میرا خیال کیا بلکہ پختہ عقیدہ ہے کہ علامۂ مرحوم کے ذریعہ کم از کم اگر کسی ذریعہ سے نہین، آپ کے ساتھ بھی رشتہ مواخات قائم کرچکے ہین، اسی عقیدہ کے تحت مین نے جناب کو عم سے خطاب کیا، امید ہے کہ میرا یہ خیال و عقیدہ صحیح ہوگا، ورنہ جناب سے استدعا ہے کہ کم از کم مجھے اب اپنے اس تعارف کے بعد برادرزادہ یا پسر خود کے خطاب سے، بلکہ وہی خیال میرے متعلق ہمیشہ کے لئے رکھین، امید ہے کہ میری استدعا منظور ہوگی

عرض کر چکا ہون کہ عربی فارسی زبانون کے ساتھ میرا تعلق ہے، اس لئے مین اس ادب کے احیا
مین مصروف رہتا ہون، جو یہان کشمیر مین ان دو زبانون مین تصنیف کیا گیا ہے، اور جو ابھی تک غیر مطبوعہ
ہونے کی وجہ سے شائع نہین ہوا ہے، اور منظر عام پر نہین لایا گیا ہے، میرا اپنا خیال ہے کہ یہ لٹریچر اس
قابل ہے اور اس درجہ کا ہے، کہ ادبی دنیا مین ایک امتیازی پوزیشن حاصل کر سکتا ہے، ممکن ہے کہ میرا
خیال غلط ہو، اس لئے مین چاہتا ہون، کہ جناب کو تکلیف دون، اور اقساطاً مین نمونے بھیج کر جناب کی
راے عالیہ کا استصواب کرون، تاکہ اس راے کے مطابق یہ فیصلہ کیا جا سکے، کہ یہ خاص نمونہ اشاعت
کے لائق ہے، یا نہین، کشمیر کی زمین کو روحانیت نے اپنے لئے بہت صالح پایا تھا، اس لئے روحانیت
کو جس جس کے ساتھ تعلق ہے، مثلاً تصوف، عشق، سلوک، تفسیر و حدیث وغیرہ بہت مقبول ہوا،
اس کے نتیجہ مین وہ زبانین مثلاً عربی، فارسی، جو ان مضامین کے لئے ذریعۂ اظہار تھین، وہ بھی مقبول
ہوئین، لازمی طور پر ان زبانون کے مقبول ہونے کے یہ معنی ہین کہ ان کا لٹریچر بہت مقبول ہوا، کشمیر ہر لحاظ
سے زرخیز ہے، میرا مطلب اس سے یہ ہو کہ علم و ادب کے تخم کے لئے بھی بہت زرخیز ہے، اس لئے کہ یہان
کے لوگ بقول ڈاکٹر اقبال "ہوزیرک و دراک" ہین، انھون نے اپنے آپ کو طبعی طور پر فارسی عربی کے علوم
کے لئے صالح پایا، کشمیری کی طبیعت نے فردوسی کے شاہنامہ کے مقابلہ مین اکبر نامہ، نظامی کے خمسہ
کے مقابلہ مین خمسہ حضرت صرفی، خمسہ (پنج گنج) بہاء الدین متو پیش کیا، مولوی رومی کا مقابلہ بحر العرفان
حضرت اکمل الدین کامل سے کیا گیا، اسی طرح ہر قسم کا لٹریچر تصنیف کیا گیا ہے، اکثر بہت قیمتی اور اعلیٰ
پایہ کا ہے لیکن بے اعتنائی و طاق نسیان پر پڑا ہوا ہے، اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ کیڑے مکوڑے اور
دیمک کی غذا بنا ہوا ہے، بلکہ فارسی عربی سے اب توجہ عام ہٹنے اور انگریزی زبان مروج ہونے
کی وجہ سے اکثر خاندانون اور گھرانون کی ناخلف اولادان قلمی عدیم المثال کتابون اور واحد نسخون کو
پانچ دس آنے کی عوض بنیون کے ہاتھ فروخت کرتے ہین، بنیا ایک ایک ورق پھاڑ کر، تمباکو، چائے،

ہلدی، کھانڈ، کی فروخت کے لئے استعمال کرتا ہے، مین نے اکثر دیکھا ہے کہ اس نا اہل کا اس طرح اوراق پھاڑنا، میرے جگر کے پھاڑنے کا باعث ہوا ہے، مین نے ایسے مواقع پر اپنی گرہ سے پیسہ دیکر حتی الامکان اس کو ضائع ہونے سے بچایا ہے لیکن تابکے، سیلاب کو کچھ سے روکا نہین جا سکتا ہے، میرے پاس سرمایہ نہین کہ مین اس کو زیور طبع سے آراستہ کرون، عوام اکثر غربا پر مشتمل ہین، وہ کوئی مدد نہین کر سکتے ہین، بلکہ زمانہ کی تبدیلی، مذاق کے تغیر، انگریزی کی ترویج نے حالات اس قسم کے پیدا کئے ہین، کہ عربی اور فارسی جاننے والے کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اس کو مولوی کے نام سے پکارا جاتا ہے، مولوی (کشمیری ملّا) حقارت و نفرت مین استعمال ہوتا ہے، غرضیکہ سوسائٹی مین اس کی کوئی وقعت نہین، اس لئے سرمایہ دارون سے یہ توقع رکھنا عبث ہے، کہ وہ اس کی اشاعت و طباعت مین مدد کرین گے بلکہ اپنی آبرو کو کھو دینا ہے،

مین سالہا سال سے معارف کا خریدار ہون، ایک ایک سال کی اشاعت کی جلد بندی کرا کر کتاب کی شکل مین موجود رکھتا ہون، معارف کی کسی گذشتہ اشاعت مین آپنے شذرات مین ریسرچ کی امداد کا ہمت افزا اعلان کیا ہے، اس کے پڑھنے سے مجھے دفعتہً خیال آیا، کہ شاید معارف کے ذریعہ جناب کی عاطفانہ توجہ سے یہ ہمارا لٹریچر ضائع ہونے سے بچ جائے، اس لئے اس وقت سے لیکر ہمیشہ آپ کو اس بارہ مین لکھنے کا ارادہ کرتا رہا، لیکن اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے سے اس لئے جھجکتا رہا، کہ معارف کی زبان اردو ہونے کی وجہ سے اور انگریزی مین اظہار پر زیادہ قدرت اور مہارت حاصل ہونے کی وجہ سے دل مین ہول و بیم محسوس کرتا رہا، اس وجہ سے کبھی کبھی یہ بھی خیال آتا رہا، کہ حیدرآباد کے اسلامک کلچر کی طرف رجوع کرون لیکن اس خیال نے باز رکھا کہ وہان اس رسالہ کے بورڈ آف ایڈیٹران مین کسی طرح بھی کوئی ایسا . . . . موجود نہین جو میری تحریر کی اصلاح کر سکے اور اپنے علم کی کسوٹی پر میرا بھیجا ہوا مضمون پرکھے اور یہ دیکھے کہ آیا